یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں۔

منجانب:

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Presented by www.ziyaraat.net/

۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

DvD version

NOT FOR COMMERCIAL

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

www.ziaraat.com

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

Presented by www.ziyaraat.net/

تاریخ اسلام

تالیف: طالب حسین کرپالوی

جلد ۱

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

اسلامیہ دار التبلیغ

۲۰۲ - علی ٹاؤن رائے ونڈ روڈ، لاہور فون: 5421822

Presented by www.ziyaraat.net/

جلد ۱

تاریخِ اسلام

تالیف: طالب حسین کرپالوی

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

نام کتاب ---------------- تاریخ اسلام

جلد ---------------------- ١٠

مصنف ------------------ علامہ طالب حسین کرپالوی شہید

کمپوزنگ ---------------- نثار حسین بلتستانی

طبع ------------------- معراج دین اینڈ سنز

تاریخ اشاعت ------------ دسمبر ١٩٩٩ء

تعداد ------------------- ٥٠٠

قیمت -------------------

ملنے کا پتہ

اسلامیہ دار التبلیغ

امیر المومنینؑ کا مدبرانہ سکوت

امیر المومنینؑ نے جمہوری خلافت کے خلاف علانیہ احتجاج کیا اور اپنے حق کی فوقیت اسی دلیل سے ثابت کی جس دلیل سے برسر اقتدار طبقہ نے انصار کو قائل کیا تھا۔ یہ احتجاج دراصل اس نظام سیاست کے خلاف نہ تھا جس کے تحت انتخابی حکومت کو خلافت کا اور منتخب حکمران کو خلیفہ رسول کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ اس میں نہ حکومت کی ہوس کارفرما تھی اور نہ اقتدار کی خواہش مضمر تھی اگر امیر المومنینؑ کو حکومت و اقتدار کی ہوس ہوتی تو ان تمام حربوں کو کام میں لاتے جو سیاسی طاقت حاصل کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں اور دست تعاون بڑھانے والوں کا تعاون حاصل کر کے حکومت وقت سے ٹکر لیتے اور اقتدار پر قابض ہونے کی کوشش کرتے مگر آپؑ نے اس سلسلہ کی ہر کاروائی کو نظر انداز کر دیا اور اپنے موقف سے نہ سر مو انحراف کیا اور نہ اپنا زاویہ نظر بدلا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت ابوبکر کا انتخاب عمل میں لایا جا رہا تھا تو اموی سردار ابوسفیان مدینہ میں موجود نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں اسے کسی کام پر مامور کر کے مدینہ سے باہر بھیج دیا تھا جب وہ رحلت پیغمبرؐ کے بعد پلٹ کر مدینہ آیا اور آنحضرتؐ کے انتقال اور حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے کی خبر سنی تو اس نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور ایک ہنگامہ سا کھڑا کر دیا۔ بھاگا بھاگ عباس ابن عبدالمطلب کے ہاں گیا اور ان سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت علیؑ کے پاس آیا اور چاہا کہ انہیں اپنے قبیلہ کے تعاون کا یقین دلا کر حکومت کے خلاف میدان میں لا

کھڑا کرے۔ چنانچہ اس نے پر اعتماد لہجہ میں کہا:۔

"ایسا کیوں ہوا کہ خلافت قریش کے ایک پست ترین خاندان میں چلی گئی اگر آپ چاہیں تو میں خدا کی قسم مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔"

ایک عام انسان کے لئے جذبات کے دباؤ سے آزاد رہنا بہت مشکل ہوتا ہے اس سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس مرحلہ پر تعاون پیش کرنے والے کے اصل مقصد کو سمجھتے ہوئے بھی نظر انداز کر دے گا یا خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اسے ہمدردی و خیر خواہی کا نتیجہ سمجھ لے گا اور عواقب و نتائج سے آنکھیں بند کر کے وقتی امداد کے سہارے اٹھ کھڑا ہو گا مگر امیر المومنینؑ نہ جذبات کے آگے سپر انداز ہو سکتے تھے اور نہ دوستی کا لبادہ اوڑھ کر انہیں فریب دیا جاسکتا تھا۔ آپؑ نے اپنی خدا داد فراست سے فوراً بھانپ لیا کہ اس پیشکش میں ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کو جنگ میں الجھا کر اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی ایک سازش ہے۔ آپؑ نے اس پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے اسے ڈانٹ کر جواب دیا:۔

"خدا کی قسم تمہارا مقصد صرف فتنہ انگیزی ہے تم نے ہمیشہ اسلام کی بدخواہی کی ہے مجھے تمہاری ہمدردی و نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔" (تاریخ طبری ج ۲، ص ۴۴۹)

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ابو سفیان کو حضرت ابوبکر سے کیا کد تھی کہ آتے ہی ان کے خلاف سرگرم عمل ہو گیا حالانکہ ان دونوں کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار چلے آرہے تھے اور حضرت ابوبکر اس کے زمانہ کفر میں بھی اس کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ چند صحابہ جن میں سلمان صہیب اور بلال بھی شامل تھے ایک مقام پر بیٹھے تھے کہ ادھر سے ابو سفیان کا گزر ہوا انہوں نے اسے دیکھ کر کہا اس دشمن خدا کو اللہ کی تلواروں نے ابھی تک کیفر کردار تک نہیں پہنچایا۔ اس پر حضرت ابوبکر بگڑ گئے اور کہا کہ تم ایک بزرگ قریش و سردار قوم کے بارے میں ایسا کہتے ہو پھر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان لوگوں کے الفاظ جو ابو سفیان کے بارے میں کہے تھے نقل کئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

"شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا ہے اگر تم نے انہیں غصہ دلایا ہے۔ تو یاد رکھو کہ تم

نے اپنے پروردگار کو غضبناک کیا ہے۔"

حضرت ابوبکر نے پیغمبرؐ کی زبان سے یہ کلمات سنے تو پلٹ کر ان لوگوں سے کہا کہ تمہیں میری بات بری تو نہیں معلوم ہوئی انہوں نے اتنا کہا کہ اللہ تمہیں بخشے اور خاموش ہو گئے۔

یہ واقعہ ابو سفیان کے زمانہ کفر ہی کا ہو سکتا ہے اس لئے کہ اگر وہ کافر نہ ہوتا تو یہ ممتاز صحابہ اسے گردن زنی نہ قرار دیتے اور نہ اسے دشمن خدا کے لفظوں سے یاد کرتے اور حضرت ابوبکر بھی اسے بزرگ قریش کہنے کے بجائے یہ کہتے کہ تم ایک مسلمان کے بارے میں یہ کہتے ہو۔ اور بعض مورخین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ۷ ھ میں یہ واقعہ ہوا اور ابو سفیان ۸ ھ میں فتح مکہ کے نتیجہ میں اسلام لایا تھا۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ نہ حضرت ابوبکر سے کوئی عناد رکھتا تھا اور نہ حضرت ابوبکر اس سے نفرت رکھتے تھے پھر ان تعلقات کی خوشگواری کا تقاضا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی فکر کرتا اور ان کے مقابلہ میں اپنے حریف قبیلہ کے اس فرد کو بر سر اقتدار لانے کے لئے عملاً "کوشاں ہوتا جس کی تلوار نے اس کے خاندان کے بیشتر افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نے یہ شوشہ اس لئے چھوڑا تھا کہ حکومت وقت کو اپنے رد عمل سے یہ تاثر دے کہ وہ حزب مخالف تیار کر کے موجود اقتدار کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے اور اس طرح حضرت ابوبکر اور ان سے وابستگی رکھنے والوں کو ڈرا سہما کر ذاتی مفاد حاصل کرے اور مفاد پرست طبقہ ایسے موقعوں پر ایسے ہی ہتھکنڈوں سے اپنے مفادات حاصل کیا کرتا ہے چنانچہ یہ حربہ کارگر ثابت ہوا اور جب یہ خبر اڑی کہ ابو سفیان بنی ہاشم کو حکومت کے خلاف ابھار رہا ہے تو ارباب حکومت اس کے مزاج آشنا تو تھے ہی انہوں نے اسے لالچ کے جال میں جکڑ کر خاموش کر دیا اور حضرت عمر نے ابوبکر سے کہا:۔

"ابو سفیان آپہنچا ہے یہ کوئی نہ کوئی فتنہ ضرور کھڑا کرے گا۔ پیغمبر اکرمؐ اسلام کے سلسلہ میں اس کی تالیف قلب کیا کرتے تھے جو صدقات اس کے قبضہ میں ہیں اسی کو دے دیئے جائیں چنانچہ ابوبکر نے ایسا ہی کیا اور ابو سفیان خوش ہو گیا اور اس نے بیعت کر لی۔" (عقد الفرید ج ۳ ص ۶۲)

Presented by www.ziyaraat.net/

ابوسفیان کو صرف اسی سے نہیں نوازا گیا بلکہ اس کے صلہ میں اس کے بیٹے معاویہ کو شام کی امارت بھی دے دی گئی جو اموی اقتدار کا سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔

اس موقع پر امیرالمومنینؑ کی خاموشی ان کے تدبر معاملہ فہمی اور سلامت روی کی آئینہ دار ہے۔ اگر آپ ابوسفیان کے اکسانے پر جنگ کے لئے آمادہ ہو جاتے تو اس جنگ کو اقتدار کی جنگ سے زیادہ اہمیت نہ دی جاتی اس سے ایک طرف دشمنان اسلام کے اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی کہ پیغمبرؐ نبوت کی آڑ میں اپنے خاندان کو برسر اقتدار لانا چاہتے تھے اور دوسری طرف جس غلط طریق کار کے خلاف آپؑ نے صدائے احتجاج بلند کی تھی بے اثر ہو کر رہ جاتی۔ بازوؤں میں قوت و طاقت بھی تھی اور دل میں جوش و ولولہ بھی تھا۔ مگر حضرت کی دور اندیش نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ چاروں طرف زہریلی فضا محیط ہے۔ فتنہ ارتداد سر اٹھا رہا ہے نفاق سرگرم عمل ہے۔ شکست خوردہ یہود اور باج گزار نصاریٰ اس تاک میں لگے ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے تو ان سے اپنی شکست و ہزیمت کا بدلہ لیں۔ اور منافقین اسلام کی نقاب اوڑھے تخریب اسلام کے درپے ہیں یہ تمام اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو دست و گریبان ہوتے دیکھ کر اسلام کے خلاف متحد ہو جائیں گی اور اسلام کی تباہی و بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گی۔ امیرالمومنینؑ کا دنیائے اسلام پر یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے خاموش احتجاج سے قدم آگے نہیں بڑھایا اور خانہ جنگی کا سدباب کر کے مخالف طاقتوں کو محاذ قائم کرنے کا موقع نہیں دیا ورنہ ایک دفعہ خلافت کے لئے جنگ چھڑ جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہر دور میں خلافت کے لئے تلوار چلتی کشت و خون کا دروازہ کھل جاتا اور مسلمان ہمیشہ چکی کے دو پاٹوں میں پستے رہتے۔

امیرالمومنینؑ جو عام مزاج اسلام اور اسلام کی اصلاح پسندی کے علمبردار تھے وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ زلزلہ فگن نعروں سے فضا میں ارتعاش پیدا کریں اور ہنگامہ آرائیوں سے انقلاب کو دعوت دیں۔ ایک انقلاب پسند نتائج سے آنکھیں بند کر کے جنگوں میں کود پڑتا ہے اور تلواروں سے کھیلنے لگ جاتا ہے چاہے اس کے نتیجہ میں مقصد کی پامالی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔ مگر ایک مصلح مقصد پر نظر رکھتا ہے حالات کا جائزہ لیتا ہے نتائج پر نظر کرتا ہے اور جذبات کو عقل کے تابع رکھ کر ایسا قدم اٹھاتا ہے جس سے سازگاری کا ماحول پیدا ہو اور مقصد اور اصول پر

کوئی زد نہ پڑے۔ امیرالمومنینؑ پر دین کا پاسبان ملت کا محافظ اور ایک مصلح ہونے کی حیثیت سے یہ فریضہ عائد ہوتا تھا کہ وہ ہر حالت میں اسلام کے مفادات پر نگاہ رکھیں اور کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے اسلام کو نقصان پہنچنے کا ادنیٰ احتمال ہو خواہ اس کے لئے صبر و ضبط کی کتنی ہی کڑی منزلوں سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ یہ ایک ایسا اہم فریضہ تھا کہ جس کے مقابلہ میں حکومت کو کوئی اہمیت نہ دی جاسکتی تھی جو اسلام کی خاطر تلواروں کے سایہ میں سو جائے جان جوکھوں میں ڈالے اور جوانی کے ایام حرب و پیکار کی نذر کر دے وہ اسلام کے قیام و دوام کے لئے چند روزہ اقتدار کو بھی قربان کر سکتا ہے۔ چنانچہ آپ ماحول کی تلخیوں اور زمانہ کی نیرنگیوں سے متاثر ہوئے بغیر ہمہ تن اسلام کے فروغ و ارتقاء اور علوم و معارف کے احیاء اور تدوین احکام و جمع قرآن کا کام انجام دیتے رہے اور اس طرح اپنے اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے جو بحیثیت امام و خلیفہ رسولؐ ان پر عائد ہوتا تھا۔

(سیرت امیرالمومنینؑ جلد ۱ ص ۳۵۰)

قضیہ فدک

اہل بیت رسول میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ وہ عورت ہو یا مرد اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقے سے اس طرح دین حقہ کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آیہ **وافی ہدایہ کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَ تَنھَونَ عَنِ المُنکَر** کے مقصود یہ ہی ہیں۔ اہل بیتؑ رسولؐ میں سے پہلی شہیدہ مظلوم یا مظلومہ جناب فاطمہ ہیں۔ جو طریقہ جہاد کہ ان کے لئے موزوں تھا اور جو طریقہ تبلیغ کہ ان کی شان کے لائق تھا۔ اس کو انہوں نے اس احسن شکل میں پورا کیا ہے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی یہ بزرگوار سب کے سب خداوند تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔ آپ کا کام اپنے اثر میں شوہر و فرزندوں کے کام سے کسی طرح کم نہ تھا آپ کا یہ کام اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسا جناب رسول خدا کا بستر مرگ پر تحریر وصیت کے لئے قلم و دوات طلب کرنا۔ ان دونوں موقعوں پر حضرت عمر جیسا ذہین اور ذکی شخص چکرا گیا اور کچھ نہ سوجھا کہ کیا کریں۔ پہلے موقعہ پر بھی بات نہ بن سکی اور نہایت بھونڈا فقرہ **ان الرجل لیھجر** کہنا ہی پڑا۔ جس نے ان کے دل کی ساری

Presented by www.ziyaraat.net/

حالت کو عریاں کرکے رکھ دیا۔ یہ فقرہ جو اپنے پیغمبر کی نسبت کہا گیا ہے کس طرح دماغی حالت و بے بسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ اسی طرح جناب فاطمہ نے براہ راست دعویٰ کرکے فریق مخالف کے اصلی مدعا و مقصد کو ایسا بے نقاب کیا کہ اس کو وہ سیاست عمریہ بھی نہ چھپا سکی جس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ نے خود دربار خلافت میں اپنا دعویٰ اصالتاً" پیش کرکے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا۔ آپؑ نے کہا کہ میں یہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا اور یوں بھی وراثت میں مجھ کو ہی پہنچتا ہے میں اپنے دعوے کی صداقت میں ان گواہوں کو پیش کرتی ہوں جن کی شہادت رسالت کی تصدیق کے لئے خداوند تعالیٰ نے کفار کے سامنے پیش کی تھی۔ اب صرف ایک ہی سوال رہ گیا ہے اب بتاؤ تم مجھ کو اور میرے ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔ دربار خلافت سے فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے گواہ جھوٹے۔ آپ نے کہا کہ بس میں نے بھرپایا اور واپس تشریف لے آئیں۔ دیکھنے والی آنکھ غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیئے خود بخود نتیجے نکلتے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ تبلیغ کا اس صورت حالات کے اندر ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس نے فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا۔ جس کے اوپر فریق مخالف کے مذہب و بحث کا دارو مدار تھا۔ ایسی عقل گم ہوئی کہ خود ہی اپنے عمل سے اس فقرے کی تردید کرتے ہیں۔ اب اس قرآن کے صریح احکام وراثت کو بھی نظر انداز کرنے پر مجبور ہوگئے جس کی نسبت کہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ ' اس کتاب اللہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس مقدمے کے فیصلے میں مشکل سے ۵ منٹ لگے ہوں گے۔ اس قلیل عرصہ میں روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حق کس طرف تھا۔

حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ فدک اور دربار خلافت کا انکاری فیصلہ مسلمات تاریخیہ میں سے ہے اس واقعہ کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث و تواریخ میں پایا جاتا ہے۔ ہے ایک شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ دعوے پر غور کرے اور دربار خلافت کے فیصلہ کی جانچ پڑتال کرکے اپنی رائے قائم کرلے کہ آیا دعوےٰ غلط تھا یا دربار خلافت کا فیصلہ اگر دعویٰ درست نہیں تھا تو دختر رسول علیہا السلام نے کیوں جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور جناب علی مرتضیٰؑ

اور جناب حسنین علیہم السلام نے کیوں جھوٹی گواہی دی اور اگر فیصلہ غلط تھا تو دربار خلافت سے کیوں غلط فیصلہ صادر کیا گیا۔ واقعہ اس طرح درج ہے۔

(اسمائے رواۃ عربی میں دیکھو) حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؑ نے ابوبکر صدیق سے سوال کیا کہ وہ ان کی میراث کا حصہ اس ترکہ رسول ﷺ میں سے دے دیں جو خداوند تعالیٰ نے جناب رسول خدا ﷺ کو دیا تھا تو حضرت ابوبکر نے حدیث بیان کی کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہم پیغمبر لوگ میراث نہیں چھوڑتے ہمارا ترکہ صدقہ ہے۔ اس پر جناب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور اس کے بعد ابوبکر سے کلام کرنا ترک کر دیا۔ اور ان سے کبھی کلام نہیں کیا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ چھ مہینہ تک زندہ رہیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر سے آنحضرت ﷺ کا ورثہ خیبر و حوالی مدینہ سے مانگا تھا۔ مگر ابوبکر نے دینے سے انکار کیا اور وہ کہتی ہیں کہ ابوبکر نے کہا کہ میں نہیں چھوڑنے والا اس چیز کا جس کے ساتھ جناب رسول خدا عمل کرتے تھے مگر یہ کہ میں بھی اس کے ساتھ وہی عمل کروں گا پس تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ اگر کسی چیز کو جناب رسول اللہ ﷺ کے امور میں سے چھوڑ دوں تو حق سے باطل کی طرف جاؤں مگر اس کے بعد عمر نے مدینہ کا ورثہ علی و عباس کو دے دیا مگر خیبر و فدک اسی طرح اپنے پاس رکھا اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا صدقہ ہیں یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے پاس ان حوادثات کے لئے تھے جو ان کو پیش آتے تھے اور یہ حق ہے اس کا جو حاکم ہوئے راوی نے کہا کہ وہ اس کے زمانہ تک اسی طرح ہے

صحیح بخاری کتاب الخمس۔ باب فرض الخمس۔ الجزء الثانی صفحہ ۱۲۴

صحیح بخاری میں اس وقعہ کو کئی جگہ لکھا ہے (۱) کتاب الخمس باب فرض الخمس (۲) کتاب فضائل اصحاب النبی بذیل ذکر العباس بن عبدالمطلب (۳) کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر (۴) کتاب المغازی باب غزوہ خیبر (۵) کتاب الفرائض باب قول النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لانورث ماترکنا صدقۃ (٦) کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم۔

Presented by www.ziyaraat.net/

ایک جگہ واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔

ابوبکر کے انکار کرنے پر جناب فاطمہؑ حضرت ابوبکر پر بہت غضبناک ہوئیں اور ان سے کلام کرنا ترک کر دیا اور جب تک زندہ رہیں ان سے نہ بولیں اور بعد رسول خدا ﷺ کے وہ چھ مہینے زندہ رہیں جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے شوہر حضرت علیؑ نے ان کو رات کو دفن کیا اور ابوبکر کو جنازہ پر آنے کی اجازت نہ دی حضرت علیؑ نے خود نماز پڑھی حیات فاطمہؑ تک لوگ حضرت علیؑ کا لحاظ کرتے تھے مگر جب انہوں نے وفات پائی تو لوگ حضرت علیؑ سے منحرف ہوگئے اس وجہ سے حضرت علیؑ نے ابوبکر سے مصالحت و بیعت کر لی لیکن ان چھ مہینوں تک بیعت نہیں کی۔

صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر الجزء الثالث صفحہ ۳۳۔

بالکل اسی طرح صحیح مسلم میں درج ہے دیکھو صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد والسیر باب قول النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لانورث ما ترکناہ فھو صدقۃ۔

طبقات ابن سعد میں حضرت فاطمہ کے طلب میراث کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

ابوبکر نے جناب رسول خدا ﷺ کے ترکہ میں سے جناب فاطمہؑ کو کچھ بھی نہ دیا اور انکار کر دیا اس وجہ سے جناب فاطمہؑ ابوبکر پر سخت غضبناک ہوئیں اور ان سے ملنا چھوڑ دیا اور مرتے دم تک ابوبکر سے کلام نہ کیا۔ جناب فاطمہ رسول خدا ﷺ کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں جعفر سے مروی ہے کہ جناب فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر کے پاس آن کر اپنی میراث ترکہ رسول سے طلب کی اور عباس نے آن کر اپنی میراث طلب کی اور حضرت علیؑ ان دونوں کے ہمراہ آئے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہم پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور جو جناب رسول خدا کرتے تھے وہی میرے اوپر فرض ہے حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ قرآن شریف میں ہے کہ داؤد کا ترکہ سلیمانؑ نے لیا اور زکریاؑ نے دعا مانگی کہ مجھے لڑکا اور وارث دے تاکہ وہ میرا اور آل یعقوبؑ کا ورثہ لے ابوبکر نے کہا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو لیکن تم جانتے ہو جو میں جانتا ہوں حضرت علیؑ نے کہا کہ یہ تو کتاب خدا ہے۔ جو ہمارے حق میں بول رہی ہے لیکن ابوبکر نے انکار کیا اور تینوں

خاموش ہو کر چلے گئے۔

ابن سعد طبقات الکبریٰ جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۸۶ --- محمد بن جریر طبری تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث صفحہ ۲۰۲ --- علامہ بلاذری نے اس معاملہ پر مزید روشنی ڈالی ہے۔

(اسماء رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ ہو) مالک بن جعود اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر سے فرمایا کہ جناب رسول خدا ﷺ نے مجھ کو فدک ہبہ کر دیا تھا۔ پس وہ مجھ کو واپس دے دو اور ان کے دعوے کی تصدیق میں حضرت علیؑ نے شہادت دی۔ ابوبکر نے دوسرا گواہ مانگا تو ام ایمن نے حضرت فاطمہؑ کے دعوے کی تصدیق میں شہادت دی اس پر ابوبکر نے کہا کہ اے دختر رسول آپ جانتی ہیں کہ نہیں شہادت قبول کی جاتی لیکن دو مردوں یا ایک مرد اور عورتوں کی یہ سن کر حضرت فاطمہؑ واپس ہوئیں مجھ سے بیان کیا روح الکرابیسی نے راویوں کے سلسلے سے حضرت جعفر بن محمد سے فرمایا انہوں نے کہا کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر سے کہا کہ مجھے فدک واپس کر دو کیونکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیا تھا ابوبکر نے ان سے شہادت طلب کی۔ پس آپ نے ام ایمن اور رباح غلام رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شہادت میں پیش کیا اور ان دونوں نے حضرت فاطمہؑ کے دعویٰ کی تصدیق میں شہادت دی۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ یہ شہادت تو اس وقت جائز ہوگی کہ جب ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں۔

(اسمائے رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ فرمایئے) ام ہانی سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ جناب فاطمہ دختر رسول خدا صلی علیہ و آلہ وسلم حضرت ابوبکر کے دربار میں آئیں اور کہا کہ جب تم مرو گے تو تمہارا ورثہ کون لے گا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ میرے اہل و اولاد لیں گے اس پر حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ تم نے جناب رسول خدا ﷺ کا ورثہ ہتھیا لیا اور ہم کو نہ دیا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے باپ سے سونا و چاندی تو ورثہ میں نہیں لیا۔ اور نہ یہ لیا اور نہ وہ لیا حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ خیبر میں ہمارا حصہ دو۔ اور فدک ہماری موہوبہ ملکیت ہے ابوبکر نے کہا کہ اے بنت رسول ﷺ میں نے جناب رسول خدا ﷺ کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ فدک ایک طعمہ ہے۔ جس سے خداوند تعالیٰ زندگی میں مجھے رزق دیتا ہے۔

سیدہ سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

پس جب میں مروں گا۔ تو وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

ابوالحسن البلاذری:۔ فتوح البلدان مطبوعہ ۱۳۵۰ ہجری ۱۹۳۲ء المطبعتہ المصریہ بالا زہر صفحہ ۴۴۔۴۵

تاریخ ابن واضح میں ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے ابوبکر کے پاس آکر وہ جائداد طلب کی جو ان کو رسول اللہ ﷺ سے بطور ورثہ پہنچی تھی حضرت ابوبکر نے کہا کہ جناب رسول ﷺ خدا نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے حضرت فاطمہؑ نے جواب دیا کہ کیا خدا کی شان ہے تم تو اپنے باپ کا ورثہ پاؤ اور میں اپنے باپ کا ورثہ نہ پاؤں کیا رسول اللہؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے یہ سن کر حضرت ابوبکر بہت شدت سے روئے۔

علامہ ابن حجر مکی حضرت ابوبکر کی وکالت اس طرح کرتے ہیں۔

اور جناب فاطمہؑ کا دعویٰ کہ جناب رسول خدا ﷺ نے ان کو فدک ہبہ دیا تھا سو اس دعوے پر علی وام ایمن کی شہادت انہوں نے پیش کی لیکن اس سے شہادت و گواہی کا صحیح درجہ پورا نہیں ہوتا۔ لیکن علماء میں زوجہ کے حق میں اس کے خاوند کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے اپنے گواہوں سے حلف پر شہادت نہ لی ہو۔ لوگوں کا یہ خیال کہ امام حسنؑ و حسینؑ وام کلثوم نے بھی تو شہادت حضرت فاطمہؑ کے حق میں دی تھی اس وجہ سے باطل ہے کہ اولاد اور کمسن بچوں کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ امام زید بن حسن بن علی بن الحسین نے حضرت ابوبکر کے اس فعل کو صحیح سمجھا اور کہا کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو یہ ہی فیصلہ کرتا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو باب دوم میں لکھی جائے گی کہ زید نے کہا کہ ابوبکر رحم دل تھے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جناب رسول خدا کے ترکہ میں کسی قسم کا تغیرو تبدل کریں پس جناب فاطمہؑ نے ان سے آن کر کہا کہ جناب رسولخدا ﷺ نے مجھے فدک عطا کر دیا ہے تو ابوبکر نے ان سے اس دعوے پر شہادت طلب کی پس ان کے حق میں علی و ام ایمن نے شہادت دی اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت سے تمہارا حق ثابت نہیں ہوسکتا اس کے بعد زید نے کہا کہ بخدا اگر یہی معاملہ میرے

سامنے پیش ہوتا تو میں بھی وہی فیصلہ دیتا جو حضرت ابوبکر نے دیا تھا ان کے بھائی امام باقر سے کہا گیا کہ کیا حضرت ابوبکر و عمر نے تمہارے اوپر ظلم کیا انہوں نے جواب دیا کہ قرآن شریف کے نازل کرنے والے کی قسم انہوں نے ہمارے اوپر رائی کے دانہ کی برابر بھی ظلم براہ راست نہیں کیا۔

ابن حجر مکی :۔ صواعق محرقہ۔ باب الاول فصل الخامس صفحہ ۲۲۔

سید نور الدین سمہودی :۔ وفاء الوفاء الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی صفحہ ۱۵۷۔

علامہ ابن حجر مکی جماعت حکومت کے بہت بڑے مناظر ہیں۔ اور ان کی ساری عمر اس ہی دنگل میں کشتیاں کرتے گزری ہے۔ ناظرین نے دیکھ لیا کہ اس مضمون پر باوجود اپنی علمیت و تجربہ کے وہ کیا بحث پیش کر سکے ہیں اس بحث کو ذہن میں محفوظ رکھئے ہم آگے چل کر اس کا جواب دیں گے یہاں تو یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ علامہ موصوف مانتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ نے فدک کا دعوےٰ ہبہ و وراثت کی بناء پر دربار خلافت میں آن کر پیش کیا اور اس دعوے کی تصدیق کے لئے حضرت علیؑ و حسنینؑ و ام ایمن و ام کلثوم کو شہادت میں پیش کیا۔ مگر حضرت ابوبکر نے سب کو جھوٹا تصور کرکے دعوےٰ مسترد کر دیا۔ شرح مواقف میں بھی یہ ہی بحث کی گئی ہے۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جناب فاطمہ نے دعوےٰ کیا کہ جناب رسول خدا نے انہیں فدک ہبہ میں دے دیا تھا اور اس دعوے کی شہادت حضرات علی و حسنؑ و حسینؑ و ام کلثوم نے دی اور ان کی شہادت کو حضرت ابوبکر نے رد کر دیا اور اس وجہ سے وہ ظالم ہوئے تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حسن و حسین کے متعلق تو یہ ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں مقبول نہیں دوسرے یہ کہ وہ صغیر السن تھے او رحضرت علی و ام ایمن کے متعلق یہ جواب ہے کہ ان دونوں سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا کیونکہ نصاب شہادت یہ ہے کہ یا تو دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔

کتاب الاکتفاء میں ابراہیم بن عبد اللہ الوصابی اور کتاب محلیٰ میں ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت ابوبکر کے سامنے جناب علی مرتضیٰؑ او ران کے ساتھ ام ایمن نے حضرت فاطمہؑ کے حق میں شہادت دی تھی اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اگر

Presented by www.ziyaraat.net/

تمہارے ساتھ ایک مرد شہادت دیتا یا ایک اور عورت شہادت دیتی تو میں فاطمہؑ کے حق میں اس دعوے کا فیصلہ کر دیتا۔

اس واقعہ کے تمام حوالہ جات کو ایک جگہ جمع کرنے سے ناظرین کو سہولت ہوگی۔ یہ واقعہ اسی طرح مندرجہ ذیل کتب میں درج ہے۔

صحیح بخاری :۔ کتاب الخمس (۲) کتاب فضائل اصحاب النبی بذیل ذکر العباس بن عبدالمطلب (۳) کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر (۴) کتاب المغازی باب غزوہ خیبر (۵) کتاب الفرائض باب قول النبی لانورث ما ترکنا صدقۃ (۶) کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم۔

صحیح مسلم :۔ کتاب الجہاد والسیر۔ باب قول النبی لانورث ما ترکناہ صدقۃ سنن ترمذی :۔
کتاب ۱۹۔ باب ۴۴، سنن ابی داؤد ۱۹۔ باب ۱۸۔

کنز العمال علی متقی۔ الجزء الثالث حرف الخاء کتاب الخلافت باب اول صفحہ ۱۲۵ حدیث ۲۲۹، صفحہ ۱۲۹، حدیث ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، ۲۲۶۰، صفحہ ۱۳۳، حدیث ۲۲۸۶، صفحہ ۱۳۴، حدیث ۲۲۹۰، صفحہ ۱۳۵، حدیث ۲۲۹۷ صفحہ ۱۳۶، حدیث ۲۳۰۹، ۲۳۱۰، الجزء الرابع صفحہ ۵۲، حدیث ۱۰۸۶۔

مسند امام احمد حنبل الجزء الاول صفحہ ۴۔ ۶۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۳

فتوح البلدان بلاذری۔ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴۔ ۴۵

ابن سعد۔ طبقات الکبریٰ جلد ۲ ق ۲۔ صفحہ ۱۸۶ الجزء الثامن صفحہ ۱۸۔

تاریخ طبری۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۰۲۔

ابن حجر مکی۔ صواعق محرقہ باب الاول فصل الخامس صفحہ ۲۲۔

سید نور الدین سمہودی۔ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی صفحہ ۱۵۷، ۱۶۰

ریاض النضرہ محب الدین طبری۔ الجزء الاول القسم الثانی الفصل الثانی عشر ذکر اقتفاء آثار النبوۃ و اتباعہ اماہ۔ صفحہ ۱۳۰ باب الخامس من قسم الاول صفحہ ۴۲۔

تفسیر کبیر امام رازی۔ در تفسیر آیہ وَمَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ

وَّ لَا رِکَابٍ۔

سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث صفحہ ۵۹، ۳۹۹۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ الجزء الرابع صفحہ ۸۶۔ ۸۷۔ ۱۰۰ تا ۱۰۳ ۹۳۔ ۸۳

روضۃ الاحباب۔ جلد اول صفحہ ۴۳۴۔

ان کی وصیت کے مطابق حضرت فاطمہ کو رات کو دفن کیا اور حضرت ابوبکر کو جنازہ پر آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب غزوہ خیبر طبقات ابن سعد۔ الجزء الثامن ذکر فاطمہ صفحہ ۱۹۔ مستدرک علی الصحیحین۔ الجزء الثالث ذکر فاطمہ صفحہ ۱۶۲۔

حضرت عائشہ کو بھی جنازے پر نہ آنے دیا۔ الاستیعاب ابن عبدالبر جلد ۲ صفحہ ۷۷۲

ام جعفر کہتی ہے جناب فاطمہ نے اسماء بنت عمیس سے کہا ہے کہ........جب میں مر جاؤں تو تم اور علیؑ مجھ کو غسل دیں اور اپنے سوا اور کوئی میرے جنازے پر نہ آنے دینا۔ پس جب حضرت فاطمہؑ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ آئیں مگر اسماء بنت عمیس نے ان کو جنازہ پر نہ آنے دیا حضرت عائشہ نے ابوبکر سے جا کر شکایت کی کہ یہ خثعمیہ ہمارے اور بنت رسول کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ اور ایک ہودج مثل ہودج عروس جنازے کے لئے بنایا ہے پس ابوبکر آئے اور باہر ہی ٹھہر گئے اور کہا کہ اے اسماء تو کیوں ازواج رسول ﷺ کو بنت رسول کے جنازہ پر آنے سے روکتی ہے اور کیوں جنازہ کے لئے دلہن کا سا ہودج بنایا ہے۔ اسماء نے کہا کہ حضرت فاطمہؑ نے مجھے وصیت کی تھی۔ کہ ان کے جنازے پر کوئی اور نہ آوے اور ایسا ہودج میں نے ان کی زندگی میں انہیں بنا کر دکھایا تھا اور انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ایسی ہودج میں ان کا جنازہ رکھوں۔ ابوبکر نے کہا کہ اچھا تم کرو جو تم کو انہوں نے وصیت کی ہے یہ کہہ کر واپس چلے گئے اور جسد اطہر کو علی اور اسماء نے غسل دیا۔

ابوعمر دود لابی نے بھی اخراج اس روایت کا کیا ہے۔

حسین دیار بکری۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۳۱۳۔

واقعہ تو ہم کو معلوم ہوگیا۔ اب اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا چاہئے۔ اس قضیہ کے مختلف پہلو یہ ہیں۔

Presented by www.ziyaraat.net/

(۱) فدک کیونکر حاصل ہوا۔ اور زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس کی ملکیت میں تھا۔ (۲) محض ہبہ کیا تھا یعنی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں ہبہ کیا (۳) کیا بطور امر واقعہ ہوایا نہیں (۴) بوقت رحلت رسول فدک پر قبضہ کس کا تھا۔

حصول و ملکیت فدک

یوں تو جو مابین زمین و آسمان ہے وہ خدا کا ہے اور اس کے رسولؐ کی ملکیت میں تھا۔ مگر دنیاوی قواعد و عدل کے بموجب خداوند تعالےٰ نے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ جو ملک یا جاگیر یا مال غنیمت مسلمانوں کی مشترکہ کوشش و جدوجہد سے حاصل ہو۔ اس میں مسلمانوں کا بھی حصہ ہے۔ لیکن جو زمین یا ملک جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو بغیر مسلمانوں کی امداد کے حاصل ہو جائے محض ان کی ملکیت ہوگا۔ اس میں مسلمانوں کا حصہ نہیں یہ قاعدہ ان الفاظ میں مقرر کیا گیا **وَمَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ ط وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ**۔ (پارہ ۲۸ سورۃ الحشر ع ترجمہ اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے لڑے بغیر عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر (پوری پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔

اب دیکھیں کہ فدک کس طرح حاصل ہوا تھا۔

خیبر سے واپسی کے وقت جناب رسول خدا نے حیعہ بن مسعود الانصاری کو اہل فدک کے پاس دعوت الی الاسلام دینے کے لئے۔ بھیجا۔ ان کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ پس ان لوگوں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصف اراضی فدک دے کر مصالحت کرلی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منظور کر لیا۔ پس یہ نصف فدک جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیت تھا۔ کیونکہ اس کے حصول کے لئے مسلمانوں نے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔

ابوالحسن البلاذری۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۲ (اسماء رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ ہو) زہری و

عبداللہ بن ابی بکر اور محمد بن مسلمہ کی چند اولاد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اہل خیبر میں جو باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ میں پناہ گزیں ہوگئے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے مصالحت کی درخواست کی کہ ان کو قتل و اسیر نہ کیا جائے) جب اہل فدک نے یہ سنا تو انہوں نے بھی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصالحت کرلی پس اس وجہ سے فدک بالکل خالص ملکیت کی حصول کے لئے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ اور یہ روایت دوسرے طرق سے مروی ہے۔ اس میں اتنا زیادہ ہے کہ محیصہ بن مسعود کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اہل فدک کے درمیان بات چیت کے لئے بھیجا گیا تھا۔

ابوالحسن البلاذری۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۳۔ حسین دیار بکری، تاریخ الخمیس الجز الثانی صفحہ ۶۴، ابن الاثیر الجزری۔ تاریخ الکامل الجز الثانی صفحہ ۸۵، ابو الفداء۔ تاریخ الجزء الاول صفحہ ۱۴۸، علامہ سہیلی۔ روض الانف الجزء الثانی صفحہ ۲۴۷، ابن ہشام۔ سیرۃ النبی الجزء الثالث صفحہ ۴۰۸۔ محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الامم و الملوک الجزء الثالث صفحہ ۹۵۔۹۸۔

خود حضرت عمر فدک کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ملکیت سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولوی شبلی تک نے اس کو تسلیم کیا ہے ہم الفاروق سے مولوی شبلی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

"عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمر نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے **مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ... الایۃ** استدلال کرکے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوعہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں چنانچہ فیٔ کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے۔"

اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہودی بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو دلایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے۔ مسلط کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ **فکانت خالصۃ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم** اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب

Presented by www.ziyaraat.net/

المیراث میں یہ تفصیل مذکور ہے۔

مولوی شبلی :۔ الفاروق مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۹۰۸ء حصہ دوم صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷ شق دوم محرک ہبہ و واقعہ ہبہ۔

ہمیں مولوی شبلی مرحوم کا قول یاد ہے کہ تمام مورخین اسلام سنی المذہب ہوئے ہیں۔ اندریں صورت جب حضرت ابوبکر نے فیصلہ صادر کر دیا کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ فدک کی بابت جھوٹا تھا۔ تو اب ان مورخین کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ لکھ دیتے کہ حضرت فاطمہؑ کو آنحضرتؐ نے فدک عطا کیا تھا۔ لیکن حق کی صفت ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ حق نظریں چاہئیں۔ حق موجود ہے۔

البزار ابوالیعلیٰ و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے اپنے اپنے طریقے سے ابوسعید الخدری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **وَآتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّهٗ** (پرہ ۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۳) تو جناب رسول خداﷺ نے فاطمہؑ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا۔ اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **وَآتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّهٗ** تو جناب رسول خداﷺ نے فدک جناب فاطمہ کو عطا کر دیا۔

جلال الدین سیوطی۔ کتاب الدر المنثور الجزءؔ الرابع صفحہ ۱۷۷

معلوم ہوا کہ جماعت حکومت کے اتنے جلیل القدر علماء یعنی البزار ابوالعیلی ابن ابی حاتم وابن مردویہ نے ثابت کیا ہے کہ جناب رسول خدا نے فدک جناب فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا۔ اور اس کی وجہ آیت **وَآتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّهٗ** تھی۔ تاریخ حبیب السیر میں درج ہے۔

مقصد اقصیٰ میں درج ہے کہ جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ کو فدک کی طرف روانہ کیا اور حضرت علیؑ سے اہل فدک نے اس طرح صلح کرلی کہ جناب امیران کو قتل نہ کریں اور فدک کی اراضیات خاص ملکیت رسول ہوئے پس جبرائیل امین از جانب رب العٰلمین نازل ہوئے اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو جناب رسول خداﷺ نے فرمایا کہ وہ خاص قریبی رشتہ دار میرے کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے جبرائیل نے کہا کہ فاطمہؑ۔ پس حوالی فدک ان کو دے دو اور نیز جو خدا اور رسولﷺ کا حصہ فدک

میں ہے وہ بھی ان کو دے دو۔ اس پر جناب رسول خداﷺ نے فاطمہؑ کو طلب کیا اور ان کے لئے فدک کا عطیہ کرکے ایک وثیقہ تحریر کردیا اور یہ وثیقہ تھا جو بعد وفات رسول حضرت فاطمہ علیہا السلام ابوبکر کے پاس لائیں اور اسے دکھا کر کہا کہ یہ تحریر رسول خداﷺ میرے اور حسنؑ و حسینؑ کے حق میں ہے۔

تاریخ حبیب السیر۔ جلد اول جز و سوم صفحہ ۵۸، ملامعین کاشفی۔ معارج النبوۃ رکن چہارم باب دہم درمیان و قائع سال ہفتم از ہجرت واقعہ سیزدہم علی المتقی۔ کنز العمال فی صلہ الرحم من کتاب الاخلاق۔

قبضہ فدک بوقت وفات رسولﷺ

ہمارے لئے بڑی مشکل یہ ہے ک ہم نے اپنے اوپر واجب کر لیا کہ جو کچھ ثابت کریں کتب جماعت حکومت سے ثابت کریں۔ اور جماعت حکومت کی کتابوں میں حضرت ابوبکر کے فعل کی مذمت ملنی دشوار ہے۔ لیکن جس طرح ہم نے حق کے جواہر ریزوں کو ان خاک کے تودوں سے چھان کر نکالا ہے۔ اس کی داد ہمیں امید ہے کہ اہل حق ضرور دیں گے۔ روایات سابقہ سے ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جناب رسول خدا مامور تھے کہ فدک حضرت فاطمہؑ کو ہبہ کر دیں اور شرع اسلامی کا حکم صاف ہے کہ تبدیل قبضہ واہب کی طرف سے موہوب الیہ کی طرف ضروری ہے۔ لہٰذا نتیجہ نکلا کہ جناب رسول خداﷺ نے اپنے شرع پر ضرور عمل کیا ہوگا اور قبضہ موہوب الیہا کو دے دیا ہوگا۔ بہت سی روایات میں ہے کہ **ان ابابکر انتزع من فاطمہ فداک** یعنی حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ سے فدک کا قبضہ چھین لیا۔

مجد نے جو حضرت فاطمہؑ کے دعوے کے متعلق لکھا ہے اس کی بابت یہ ہے کہ ابن شیبہ روایت کرتا ہے ہمیر بن حسان سے وہ کہتا ہے کہ میں نے زید بن علی سے کہا۔۔۔۔ کہ ابوبکر نے فاطمہؑ سے فدک کا قبضہ چھین لیا۔

سید نور الدین سمہو دی، وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ الجزء الثانی باب السادس صفحہ ۱۶۱۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عامل کو تحریر کیا۔

"ہاں فدک ہمارے قبضہ خاص میں تھا۔ ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا

Presented by www.ziyaraat.net/

فدک سے کچھ تعلق نہ تھا پس قوم کے چند لوگوں نے اس کی بابت بخل کیا اور اس کی وجہ سے بہتوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا، مگر سب سے بہتر حکم کرنے والا خدا ہے۔"

نہج البلاغہ:۔ مطبوعہ مصر دار الکتب العربیتہ الکبریٰ الجزء الثانی صفحہ ٩٣ من کتاب الی عثمان بن حنیف عامل بصرہ اور خود حضرت عمر کے قول سے تو اس قضیہ کا فیصلہ ہی ہو جاتا ہے۔

پھر خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا پس ابوبکر نے کہا کہ میں رسول خدا ﷺ کا ولی ہوں، اس پر انہوں نے فدک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

صحیح بخاری۔ باب الخمس و باب المغازی۔ قول عمرؓ نیز دیکھو الفاروق مولوی شبلی حصہ دوم صفحہ ٢٥٨، امور واقعات متفرقہ:۔ جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان کی اراضیات بھی اسی طرح خاص ملکیت رسول قرار پائیں۔

(اسماء رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں) بنی نضیر کے اموال ان میں سے تھے جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو عطا کیا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں نے اس کے حصول کے لئے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ پس وہ خالص ملکیت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی تھی۔ آپؐ نے اس کو تقسیم کرکے مہاجرین کو بانٹ دیا۔ انصار سے کسی کو سوائے دو شخصوں کے کچھ نہیں ملا وہ دو شخص فقیر تھے یعنی سماک بن خرشہ ابو دجانہ اور سہل بن حنیف۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ٣٣

اموال و جائداد بنی نضیر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی واحد ملکیت میں تھے اور آنحضرت ﷺ کھجوروں کے نیچے کی زمین کاشت کراتے تھے۔ اور اس کی پیداوار سے اپنے اہل و عیال کے لئے خوراک مہیا کرتے تھے۔ اور جو ایک سال کے بعد بچ رہتا تھا اس سے سلاح حرب خرید لیتے تھے۔ اور جناب رسول خدا نے اراضیات بنی نضیر میں سے زمینیں حضرت ابوبکر و عبدالرحمٰن بن عوف و ابودجانہ سماک بن خرشہ الساعدی وغیرہم کو ہبہ کر دی تھیں۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ٣١، صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد و السیر باب حکم الفئی الجزء الخامس صفحہ ١٥٢۔

(اسمائے رواۃ عربی میں ملاحظہ ہوں۔ ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بنو نضیر کی اراضیات میں سے کھجوروں والی زمین زبیر بن العوام کو ہبہ کر دی روایت بطریق دیگر سے بھی یہی مروی ہے۔ نیز ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ابوبکر نے زبیر کو جرف عطا کر دیا تھا۔

دوسری روایت میں ہے۔ کہ عمارات کے لائق بنجر زمین ہبہ کی۔ اور عبداللہ بن نمیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ساری وادی عقیق حضرت زبیر بن العوام کو ہبہ کر دی۔

فتوح البلدان بلاذری۔ صفحہ ٣٤

عمرو بن محمد الناقد نے روایت کی سفیان بن عیینہ سے اس نے معمر سے اس نے زہری سے، اور زہری نے مالک بن اوس بن الحدثان سے وہ کہتا ہے کہ کہا جناب عمر بن الخطاب نے بنو نضیر کے اموال ان اشیاء میں سے تھے جو جناب رسول خدا ﷺ کی واحد اور خاص ملکیت میں تھیں مسلمانوں نے اس کے حصول کے لئے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے اس وجہ سے وہ رسول خدا ﷺ کی خالص و واحد ملکیت میں تھے اور آنحضرت ﷺ اپنے اہل و عیال پر ایک سال تک اس کو خرچ کرتے تھے جو بچ رہتا تھا اس سے فی سبیل اللہ اسلحہ خرید لیتے تھے۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ٣٣

جناب فاطمہ علیہا السلام کے دعوے میں فدک کے علاوہ خمس خیبر بھی شامل تھا جو ورثہ کے طور پر جناب فاطمہؑ طلب فرماتی تھیں۔ لہٰذا ہم اس کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں۔

"اسمائے رواۃ عربی عبارت میں ملاحظہ فرمایئے) ابن شہاب کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا ﷺ نے خیبر کے چند قلعوں کو جدال و قتال کرکے فتح کیا تھا۔ اور چند قلعے ایسے تھے کہ بغیر لڑائی سے خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دے دیئے تھے۔ لہٰذا اس میں سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اپنا خمس علیحدہ لے لیا اور باقی خیبر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

فتوح البلدان بلاذری صفحہ ٣٦

حضرت ابوبکر کا معمولی طریقہ قضایا فیصلہ کرنے کا

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر عام طور سے ایسے

Presented by www.ziyaraat.net/

تنازعات کس طرح فیصلہ کیا کرتے تھے حضرت ابوبکر کے زمانہ میں چند اصحاب مقرر تھے جو مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ طبری الجزء الرابع صفحہ ۵۰۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر بھی مقدمات فیصلہ کرتے تھے۔ لیکن وہ اس طرح کہ مسجد میں اکابر صحابہ بلا لئے جاتے تھے اور ان کے مشورہ سے مقدمات فیصلہ ہوا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن ابن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کے پاس کوئی مشکل مقدمہ آتا تھا جس میں وہ اہل شوریٰ سے مشورہ کرنا چاہتے تھے تو مہاجرین و انصار میں سے اصحاب کو طلب کر لیتے تھے۔ اکثر عمر و عثمان و علیؑ و عبدالرحمٰن بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت کو بلایا کرتے تھے۔ یہ سب لوگ خلافت ابی بکر میں علیحٰدہ علیحٰدہ بھی فتوے دیتے تھے۔ یہ حالات اسی طرح پر رہے حتیٰ کی حضرت ابوبکر نے وفات پائی۔

طبقات ابن سعد۔ جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۱۰۹، عبدالسلام ندوی۔ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰

صحابہ کے اس قسم کے دعوے پر حضرت ابوبکر کس طرح فیصلہ کرتے تھے۔

جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا و اتنا و اتنا دیں گے جب جناب رسول خدا ﷺ نے انتقال فرمایا اور ان کے بعد بحرین کا مال آیا تو ابوبکر نے کہا کہ جن جن سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے کچھ وعدہ کیا ہے وہ میرے پاس آئیں۔ جابر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا۔ اور ان سے کہا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا و اتنا و اتنا دیں گے اس پر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ اس مال میں سے ایک لپ بھر لو۔ میں نے ایک لپ بھر لی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کو شمار کو لو میں نے شمار کر لیا تو وہ پانچ صد تھے۔ پس حضرت ابوبکر نے مجھ کو پندرہ سو عنایت کئے۔

صحیح بخاری کتاب الخمس باب ما اقطع النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم من البحرین وماوعد من المال البحرین الجزء الثانی صفحہ ۱۳۵۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۲ صفحہ ۸۸۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتا ہے کہ رنباع والد روباح نے اپنے غلام کو اپنی لونڈی کے پاس پایا۔ پس اس نے غلام کی ناک کاٹ ڈالی۔ جب وہ غلام جناب رسول خداؐ کے سامنے آیا تو

آنحضرت صلی اللہ و آلہ و سلم نے فرمایا کہ تیرے ساتھ کس نے کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ رنباع نے آپؐ نے رنباع کو بلا کر اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا۔ اس نے غلام کا سارا ماجرا بتایا۔ اس پر آنحضرت نے غلام سے فرمایا کہ جا تو آزاد ہے غلام نے کہا کہ میں کس کا غلام آزاد کردہ اپنے تئیں سمجھوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا اور رسول ﷺ کا تو غلام آزاد کردہ ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے لوگوں کو اس کی نسبت وصیت کی۔ جب جناب رسول خدا ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ غلام ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے رسول خدا ﷺ نے یہ کہا تھا۔ ابوبکر نے کہا کہ اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اور تیرے اور تیرے عیال کے لئے نان و نفقہ مقرر کرتے ہیں چنانچہ مقرر کر دیا جب ابوبکر کا انتقال ہوا۔ اور عمر کو گدی ملی تو وہ غلام اسی طرح حضرت عمر کے پاس آیا اور دعویٰ کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ کہاں کی جاگیر چاہتا ہے اس نے کہا۔ مصر کی۔ تو انہوں نے عامل مصر کو لکھا کہ اس کو کچھ زمین دے دو کہ وہ کھائے۔

مسند امام احمد بن حنبل۔ الجزء الثانی۔ صفحہ ۱۸۲۔

حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ جناب فاطمہ علیہا السلام کے حق میں لکھ دیا لیکن حضرت عمر نے (خدا ان سے بہت خوش ہو) حضرت فاطمہ علیہا السلام کے ہاتھ سے لے کر چاک کر دیا۔

سبط ابن الجوزی کی تحقیق ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک کا وثیقہ حضرت فاطمہؑ کو لکھ دیا لیکن اسی وقت حضرت عمر وہاں آگئے اور پوچھا کہ کیا ہے حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ وثیقہ ہے جو میں نے فاطمہؑ کے حق میں اس کے باپ کی میراث فدک کی بابت لکھا ہے حضرت عمر نے کہا کہ پھر تو مسلمانوں کو کہاں سے کھلائے گا دیکھتا نہیں کہ تمام عرب تجھ سے جنگ پر آمادہ ہے پس حضرت عمر نے وہ وثیقہ چھین کر پھاڑ ڈالا۔

سیدہ سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

حضرت فاطمہؑ کی منزلت خدا اور رسول خداؐ کے نزدیک

حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مناقب بہت زیادہ ہیں یہاں ان کا تفصیل سے ذکر کرنا ناممکن ہے۔ اختصار کے ساتھ ہم صرف اشارۃً لکھ دیتے ہیں

یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

بخاری۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۰۰، ۲۰۵، فتح الباری۔ الجزء السابع صفحہ ۸۲

یعنی جناب رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام و فاطمہؑ و حسن و حسینؑ کی نسبت فرمایا کہ میں اس سے لڑائی رکھتا ہوں جو ان سے لڑائی رکھے اور اس سے صلح رکھتا ہوں جو ان سے صلح رکھے۔

اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم صفحہ ۳۸۳۔ مطبوعہ بمبئی۔

یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام تمام لوگوں سے زیادہ جناب رسول خدا ﷺ کو عزیز تھیں۔

اور یہ قول حضرت عائشہ کا ہے۔ اشعۃ اللمعات۔ جلد چہام صفحہ ۳۸۴ مطبوعہ بمبئی، مستدرک علی الصحیحین الجزء الثانی کتاب التفسیر صفحہ ۴۱۷ الجزء الثالث صفحہ ۱۵۵۔ ۱۵۷۔ مسند احمد حنبل۔ الجزء الخامس صفحہ ۲۴۔ مسند ابی داؤد طیالسی۔ صفحہ ۸۸، مصابیح السنہ الجزء الثانی صفحہ ۲۸۲

یعنی ابوہریرہ کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے کہ سب سے پہلے میں علی و فاطمہ علیہما السلام جنت میں داخل ہوں گے۔

نور الابصار۔ صفحہ ۱۴۱، سعاف الراغبین، صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱

یعنی فرمایا جناب رسول خدا ﷺ نے کہ بروز قیامت لوگوں سے کہا جائے گا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو تاکہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ ﷺ گزر جائیں پس وہ گزر جائینگی اور آپؑ دو حلمائے سبز پہنے ہونگی اور آپؑ کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔

مسند احمد حنبل۔ الجزء الرابع صفحہ ۳۲۳، ۳۳۲

یعنی فاطمہ علیہا السلام اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

اشعۃ اللمعات۔ جلد چہارم صفحہ ۳۸۰، ۳۹۲ مطبوعہ بمبئی۔ نزل الابرار۔ صفحہ ۴۵، ۴۶

مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث صفحہ ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۰

یعنی اے فاطمہ علیہا السلام خدا تیرے غضب سے غضب ناک ہوتا ہے اور تیری رضا سے راضی ہوتا ہے۔

نزل الابرار۔ صفحہ ۷۴۔ المتدرک علی الصحیحین۔

جب آنحضرت ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو پہلے مسجد میں ہو کر جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔

المستدرک علی الصحیحین۔

جب رسول خدا ﷺ سفر کو جاتے تھے تو سب سے آخر تک جناب فاطمہؑ کے ساتھ رہتے تھے۔

المستدرک الجزء الثالث صفحہ ۱۵۶

جب حضرت فاطمہؑ تشریف لاتی تھیں تو جناب رسول خدا ﷺ کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

المستدرک الجزء الثالث صفحہ ۱۶۰، روضۃ الندیہ۔ صفحہ ۹۴ لغایت ۱۰۰۔

اپنے رشتہ داروں کا درد آنحضرتؐ کے دل میں

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب جنگ بدر کے لئے آراستہ ہوئے تو جناب رسول خدا ﷺ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بنو ہاشم وغیرہ کو مجبور کر کے ہمارے خلاف جنگ کے لئے کفار لائے ہیں ان کو ہم سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں لہٰذا اگر تم میں سے کوئی بنو ہاشم کے مقابلہ میں آئے تو ان کو قتل نہ کرے اور جو ابو الجنتری بن ہشام بن حارث بن اسد سے ملے تو اسے قتل نہ کرے اور جو عباس سے ملا ہو تو وہ اسے قتل نہ کرے کیونکہ ان کو زبردستی سے ان کی مرضی کے خلاف کفار لائے ہیں ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر ابو حذیفہ نے کہا کہ خوب ہم اپنے آباء و اجداد بھائیوں اور رشتہ داروں کو تو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں واللہ اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کو تلوار کے گھاٹ اتار دوں گا۔

سپیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

ابن ہشام سیرۃ النبی الجزء الثانی صفحہ ۲۶۹۔ ابن کثیر' البدایہ النہایتہ فی التاریخ الجزء الثالث صفحہ ۲۸۴' تاریخ طبری۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۸۲' شرح زرقانی علی مواہب اللدنیہ۔ الجز الاول صفحہ ۴۳۹

عبد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ جنگ بدر کی شام ہوئی اور کفار کے قیدیوں کو مسلمانوں نے زنجیروں سے جکڑ دیا تو جناب رسول خدا کو بڑی رات گئے تک نیند نہ آئی۔ اصحاب نے عرض کی کہ یا رسول ﷺ آپ کو کیا ہوا ہے کیوں نیند نہیں آتی آپؐ نے فرمایا کہ مجھے عباس کے کراہنے کی آواز بے چین کر رہی ہے اس لئے نیند نہیں آتی عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ لوگ اٹھے اور عباس کو کھول دیا۔ پھر جناب رسول خدا صلی علیہ و آلہ وسلم آرام سے سو گئے۔

تاریخ طبری۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۸۸' تاریخ ابن کثیر۔ شامی الجزء الثالث ۲۹۹' شرح زرقانی علی مواہب اللدنیہ۔ الجزء الاول صفحہ ۴۴۰' اردو ترجمہ تاریخ خلدون۔ جلد سوم صفحہ ۸۷

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب (جنگ بدر کے بعد) اہل مکہ نے اپنے اسیروں کو فدیہ بھیجا تو زینب نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیہ کے لئے مال بھیجا اور اس میں ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ نے (ابوالعاص کے نکاح کے وقت) زینب کو دیا تھا۔ حضرت عائشہ کہتی ہے کہ جب رسول خدا ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو آپؐ شدت سے رونے لگے۔ اور کہا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کو اس کا اسیر یعنی ابوالعاص کو بھی رہا کر دو اور اس کا مال بھی واپس کر دو۔ ان لوگوں نے کہا کہ بہتر' اور ابوالعاص کو رہا کر دیا اور زینب کا مال بھی واپس کر دیا۔

ابن ہشام۔ سیرۃ النبی الجزء الثانی' تاریخ طبری۔ الجزء الثانی صفحہ ۳۹۱' تاریخ ابن کثیر شامی۔ الجزء الثالث صفحہ ۳۱۲' شرح زرقانی علی مواہب اللدینہ الجزء الاول صفحہ ۴۵۱' اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد سوم صفحہ ۸۹

مامون عباسی کو مذہبی اور تاریخی مسائل پر گفتگو کرنے اور بحث سننے کا شوق تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کے فیصلہ فدک کا بھی اس نے بہت مطالعہ کیا اور فریقین کی بحث سنی۔ آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر کا فیصلہ غلط تھا۔ فدک وغیرہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؑ کو عطا کر دیا تھا اور ان کا ہی حق تھا۔ چنانچہ اس ۔ نے ایک فرمان جاری کیا کہ فدک اولاد فاطمہ

کو واپس کر دیا جائے اس فرمان کو ہم فتوح البلدان بلاذری سے نقل کرتے ہیں۔ یہ بروز بدھ بتاریخ ۲ ماہ ذی قعدہ ۲۱۰ ھ جاری ہوا تھا۔

جب ۲۱۰ ہجری ہوا تو امیر المومنینؑ مامون عبداللہ ابن ہارون الرشید نے حکم دیا کہ فدک اولاد فاطمہ علیہا السلام کو دے دیا جائے۔ یہ حکم نامہ اس نے اپنے عامل مدینہ قثم بن جعفر کو لکھا۔ اما بعد امیر المومنینؑ کا اپنی اس حیثیت کے بموجب جو اس دین الٰہیہ میں حاصل ہے اور بطور خلیفہ و جانشن و قرابت دار رسول اللہؐ کے یہ فرض ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ کے طریقہ پر عمل کرے اور ان کے احکام کو جاری کرے اور جو شۓ یا صدقہ رسول خداؐ نے کسی کو عطا کیا ہے امیر المومنینؑ بھی وہ شۓ یا صدقہ اس شخص کو دیوے۔ امیر المومنینؑ کی پرہیزگاری و توفیق سب خدا کی طرف سے ہے اور امیر المومنینؑ کی یہ خاص خواہش ہے کہ وہ کام کرے جس سے رضائے خداوندی حاصل ہو۔ بہ تحقیق کہ جناب رسول خدا ﷺ نے اپنی دختر فاطمہ علیہا السلام کو فدک ہبہ کیا تھا اور بطور ملکیت کے دے دیا تھا اور یہ ایک ایسا صاف صریح واقعہ ہے کہ جس میں جناب رسول خدا ﷺ کے رشتہ داروں میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہے پس امیر المومنینؑ اس کو حق سمجھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہؑ کے ورثا کو واپس دے دیں تاکہ خداوند تعالیٰ کی صفت عدل و حق کو قائم کرکے اس کا تقرب حاصل کریں اور جناب رسول خدا ﷺ کے احکام کو جاری کرکے ان سے سرخروئی حاصل کریں لہٰذا امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ یہ واپسی فدک رجسٹروں میں لکھی جائے اور یہ احکام تمام عمال کے پاس بھیجے جائیں جب سے جناب رسول خدا ﷺ نے رحلت فرمائی ہے یہ رسم رہی ہے کہ موسم حج پر تمام لوگوں کو دعوت دی جاتی تھی کہ جس کسی کو جناب رسول خدا ﷺ نے کچھ صدقہ دیا ہے یا ہبہ کیا ہے وہ آکر بیان کرے اور اس کا قول قبول کیا جاتا تھا اس صورت میں جناب فاطمہ علیہا السلام زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا قول دوبارہ ہبہ فدک منجانب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قبول کیا جائے۔ بہ تحقیق کہ خلیف نے اپنے غلام مبارک طبری کو حکم لکھا کہ فدک حضرت فاطمہؑ کے وارثوں کو واپس دیدے معہ اس کی تمام حدود و حقوق و پیداوار و غلاموں کے یہ واپس دے دے محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب علیہم السلام اور محمد بن عبداللہ بن حسینؑ

Presented by www.ziyaraat.net/

بن ابی طالبؑ کو ان دونوں کو امیر المومنین نے اس اراضی کے مالکان یعنی ورثائے جناب فاطمہ علیہا السلام کی طرف سے ایجنٹ و کارکن مقرر کیا ہے پس تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ امیر المومنین کی رائے ہے اور یہ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا ہے تاکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا حاصل کی جائے جو تمہارے ماتحت ہیں ان کو بھی اس سے آگاہ کردو محمد بن یحییٰ و محمد بن عبداللہ کے ساتھ بھی وہی عمل کرو۔ جو اس سے پہلے امیر المومنین کے کارکن مبارک طبری کے ساتھ کرتے تھے۔ اور ان دونوں کو وہ مدد پہنچاؤ جس سے اس اراضی کی زرخیزی و پیداوار اور منافع میں ایزادی ہو مشیت ایزدی کا اجراء ہو والسلام مورخہ روز چہار شنبہ ذیقعد ۲۱۰ ہجری جب متوکل خلیفہ ہوا تو اس نے پھر فدک ورثائے فاطمہ علیہا السلام سے چھین کر اس کی پہلی حالت پر پہنچا دیا جو قبل مامون کے تھی۔

ابوالحسن البلاذری۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۶، ۴۷۔

علامہ شہرستانی اپنی کتاب الملل و النحل میں ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اسلام میں تفرقہ ورخنہ عظیم پیدا کر دیا، اول وجہ رخنہ و تفرقہ تو انہوں نے واقعہ قرطاس و قلم میں حضرت عمر کے انکار کا لکھا ہے۔ جب انہوں نے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصیت لکھنے سے منع کیا۔ دوسری وجہ اختلاف تجہیز جیش اسامہ کی نافرمانی، تیسرا اختلاف قول عمر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال نہیں فرمایا، چوتھا اختلاف مقام دفن رسولؐ، پانچواں اختلاف تفرقہ ورخنہ واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ بیان کیا ہے۔ جہاں جناب ابوبکر نے اہل بیت رسول و دیگر اکابر مہاجرین کی آنکھیں بچا کر اپنے لئے انصار سے بیعت لے لی۔ اور چھٹی وجہ تفرقہ یہ فیصلۂ ابوبکری بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

چھٹا اختلاف معاملہ فدک و جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وراثت اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کا دعویٰ وراثتاً" و نیز بروئے تملیک یہاں تک کہ آپ کے اس دعویٰ کو مشہور روایت نحن معاشر الانبیاء ...... الخ سے رو کیا گیا۔

کتاب الملل و النحل شہرستانی متوفی ۵۴۸ ہجری مطبوعہ مصر الجزء الاول صفحہ ۱۷

مقدمہ فدک پر بحث

اب ہم اس قضیہ فدک پر شہادت کو زیر نظر رکھ کر بحث کرتے ہیں ناظرین کو چاہئے کہ بغیر تعصب مذہبی کے ہماری اس بحث کو غور سے مطالعہ کریں۔

۱۔ سب سے پہلے ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو اس مقدمہ کا اختیار سماعت ہی حاصل نہ تھا۔ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ حضرت ابوبکر کے خلاف تھا یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کے خلاف تھا۔ جس کے والی حضرت ابوبکر تھے دونوں طرح سے وہ اس تنازعہ کے فریق ثانی یعنی مدعا علیہ تھے۔ کسی قوم کے قانون میں عقل کے کسی قاعدہ کی رو سے انصاف کے کسی پہلو سے مدعا علیہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود ہی اس دعوے کو فیصلہ کرنے بیٹھ جائے جو اس کے خلاف ہو۔ حضرت ابوبکر کو چاہئے تھا کہ جس طرح وہ اور مقدمات کو دیگر صحابہ کے مشورہ سے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اس مقدمہ کو بھی مسجد میں تمام مسلمانوں کی مجلس میں اس دعوے کو پیش کرتے یا اس کے فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کر دیتے۔ ہندوستان کے قانون کو دیکھو جو عیسائیوں نے رائج کیا ہے، حکومت کے خلاف جو دعویٰ ہوتا ہے۔ اس کو خود گورنمنٹ یا گورنر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ حکومت مدعا علیہ ہوتی ہے اور عدالت دیوانی فیصلہ کرتی ہے۔ اس کا گورنر پابند ہوتا ہے۔ کیا فقہ اسلامی اس سے بھی گیا گزرا تھا۔ جماعت حکومت کے علماء کی نظر ادھر تو گئی کہ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہ ہونی چاہئے۔ لیکن مذہبی تعصب نے انہیں یہ نہ دیکھنے دیا کہ مدعا علیہ خود دعوے کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اگر حکومت کے خلاف ہوتا۔ تب بھی حضرت ابوبکر کو یہ مقدمہ خود نہ فیصلہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ تو خود ان کی ذات کے خلاف تھا۔ اور اس کے خارج ہونے سے ان کا ذاتی فائدہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا تھا۔ کہ فدک سے تمام مسلمانوں کو فائدہ ہونا چاہئے۔ لیکن دراصل انہوں نے جناب رسول خداؐ کی طرح اس کو ذاتی ملک سمجھ کر اپنے تصرف میں رکھا کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو یا اس کی پیداوار کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کا مزید ثبوت مامون الرشید کے حکمنامہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ مامون نے لکھا تھا کہ آئندہ سے محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کو ایسا ہی مالک کامل سمجھنا جیسا کہ میرے غلام مبارک کو سمجھتے تھے۔ گویا مامون الرشید کا غلام خلیفہ کی ذاتی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے قابض تھا۔ صاف عیاں

Presented by www.ziyaraat.net/

ہوا کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ براہ راست حضرت ابوبکر کے خلاف تھا۔ اور اس دعویٰ کا مانا جانا حضرت ابوبکر کے ذاتی مفاد کے خلاف تھا۔ حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں ایک زرہ کے متعلق ایک یہودی میں اور حضرت علیؑ میں تنازعہ تھا۔ وہ مقدمہ حضرت علیؑ نے قاضی کے سپرد کر دیا اور خود بطور مدعی اس کی عدالت میں مدعا علیہ کے برابر جا کر کھڑے ہوگئے۔ انصاف اس کو کہتے ہیں۔

۲۔ حضرت فاطمہؑ کا صاف و صریح دعویٰ تھا۔ کہ جناب رسول خداؐ نے فدک ان کو ہبہ کر دیا ہے خمس و خیبر و اقطاع حوالی مدینہ میں انکا حصہ بطور وراثت ہے۔ یعنی ترکہ رسولؐ خدا کی وہ حق دار ہیں۔

۳۔ پہلے وہ اپنے گواہان اپنے ہمراہ نہ لائیں کیوں کہ ان کو یقین تھا۔ کہ ان کی صداقت پر اعتبار کیا جائے گا۔ مگر جب ان سے گواہاں طلب کئے گئے تو انہوں نے اپنی صداقت کی شہادت کے لئے حضرت علیؑ، امام حسنؑ امام حسینؑ و ام ایمن و ام کلثوم اور رباع غلام جناب رسول خداؐ کو گواہی میں پیش کیا۔

۴۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے محض جناب فاطمہؑ کے بیان کو صحیح کیوں نہ سمجھا۔ اور کیوں مزید شہادت طلب کی۔ محض مدعی یا مدعا علیہ کے بیان پر اگر عدالت کو یقین ہو جائے تو ڈگری دی جاسکتی ہے۔ اصل مدعا تو عدالت کو دعویٰ کی سچائی کا یقین دلانا ہے ایک مدعی کے بیان سے ہو یا ایک گواہ کے بیان سے یا دس گواہان سے بسا اوقات معمولی درجہ کے یک صد گواہان کے بیانات بھی وہ یقین پیدا نہیں کر سکتے اور ایک آدمی کا بیان سچا سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ یقین پیدا کر دیتا ہے۔ فقہ اسلامی میں نصاب شہادت کا بیان سچا سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ یقین پیدا کر دیتا ہے۔ فقہ اسلامی میں نصاب شہادت عام صورت حالات کے لئے مقرر کیا گیا ہے لیکن اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں حاکم کو واقعات کا علم حقیقی ہو۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ میں قاضی ہوں میرے سامنے ایک شخص کو چور نے لوٹ لیا وہاں اور کوئی موجود نہ تھا۔ کیا اب بھی میں چور کو سزا دینے کے لئے اس شخص سے کہوں گا کہ تو دو آدمی گواہان پیش کر اور اگر وہ پیش نہ کر سکے گا تو میں استغاثہ خارج کردوں گا۔ شہادت محض ذریعہ ہے۔ علم حقیقی مقصد ہے۔ اگر قاضی کو علم حقیقی حاصل ہے۔ تو شہادت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوبکر

کو چاہئے تھا کہ حضرت فاطمہؑ کی سچائی پر یقین کر کے دعویٰ کو قبول کر لیتے۔ خود ان کے فقہ کا اصول ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے۔ دیکھو فتح الباری پارہ ۹۔ صفحہ ۴۲۔ اور عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۶۷۵ کیا حضرت علیؑ عادل نہ تھے۔

آج کل کی فضا میں مساوات اور آزادی کی آواز بڑی گونج رہی ہے۔ انسان تہذیب کی تاریخ میں جتنا ان دو الفاظ کے غلط معنی سمجھ کر لوگ چاہ ضلالت و قعر مذالت میں گرے ہیں۔ اتنا کسی اور لفظ اور تخیل نے انسان کو گمراہی میں نہیں ڈالا۔ ان دنوں میں تمام دنیا ایک ایسے محاربہ عظیم میں پھنسی ہوئی ہے کہ جس کا نظیر و مثیل ملک میں بائیں پیری نہیں دیکھا۔ ساری دنیا گویا دو لڑنے والے لشکروں میں تقسیم ہوگئی۔ ہزاروں انسان روزانہ قتل کئے جا رہے ہیں، دونوں فریقین یہی کہہ رہے ہیں کہ ہم انسانی مساوات و آزادی کے لئے برسرپیکار ہیں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جن معانی و مطالب کا نتیجہ یہ وحشیانہ قتل و غارت ہے۔ وہ معانی و مطالب یقیناً" غلط ہیں۔ غرضکہ اس جنگ عظیم نے ثابت کر دیا۔ کہ زمانہ حال کی دنیا ان دونوں الفاظ کے صحیح معانی و مطالب سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن ہمارے نوجوان جو اس مساوات و آزادی کے دلداوہ ہیں کہیں گے کہ یہ اسلامی مساوات کا نمونہ تھا۔ کہ حضرت ابوبکر نے جناب رسول خداؐ کی صاحبزادی کے قول کو بھی صحیح نہ سمجھا اور دھنیئے و جولاہے کی لڑکی کی طرح ان سے شہادت طلب کی ان نوجوانوں کے نزدیک اگر جناب رسولؐ خدا خود بھی کوئی دعوےٰ کرتے اور ان کو جھٹلایا جاتا تو وہ بھی اسلامی مساوات کا نمونہ ہوتا۔ ان کے خیال میں مختلف تعلیم و تربیت و اخلاق کے انسانوں کے قول کو ایک سی وقعت دینا ہی اسلامی مساوات ہے۔ اگر ایک جاہل کمینہ کم ظرف آدمی کی نسبت یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے جھوٹ بول رہا ہوگا تو یہ ہی گمان بخاری و مسلم و امام احمد حنبل جیسے لوگوں کے لئے کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ ہی اسلامی مساوات ہے۔ جہاں یہ خیال پیدا ہوا کہ فلاں شخص نے نیک لوگوں کی صحبت پائی ہے۔ اپنے ماں باپ سے اچھے اخلاق ورثہ میں پائے ہیں۔ خود مبداء فیض سے فطرت سلیم لے کر آیا ہے۔ کبھی اس کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ کبھی برے لوگوں کی صحبت میں نہیں رہا لہٰذا یہ جھوٹ نہیں بولے گا کہ جس طرح عام جاہل کمینہ بھنگڑ خانہ کا رہنے والا جھوٹ بولتا ہے وہیں اسلامی مساوات مفقود ہوگئی گواہوں کی شہادت پرکھنے کے

Presented by www.ziyaraat.net/

لئے ہمیشہ ایک معیار ہوتا ہے اور ان کے بیانات کی صداقت کے لئے مختلف مدارج ہوتے ہیں اس گئے گزرے زمانے میں بھی خیال کیا جاتا ہے کہ نیک تعلیم یافتہ دین سے واقف خدا سے ڈرنے والا جھوٹ نہیں بولے گا۔ لہٰذا بسا اوقات مدعی ہی کے بیان پر ڈگری ہو جاتی ہے۔ عدالتوں میں جب گواہوں کے اوپر تنقید ہوتی ہے۔ تو ان کے مراتب و مدارج دنیاوی و اخلاقی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اور بعض کی نسبت گمان کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے رشتہ دار کے مفاد کے لئے کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔ کسی ہندو سے تو کہو کہ جناب گاندھی یا مسٹر جواہر لال نہرو یا پنڈت مدن موہن مالوی نے کسی امرواقعہ پر جس کو وہ خود بہ چشم دید بیان کرتے ہیں۔ عمداً جھوٹ بولا ہے۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر کا خیال تھا۔ کہ جناب فاطمہؑ معاذ اللہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ جھوٹ بھی معمولی نہیں بلکہ جناب رسولؐ خدا پر بہتان لگانے والا جھوٹ حضرت ابوبکر کی رائے میں آیہ تطہیر نے اپنا مقصد پورا نہیں کیا' اور خداوند تعالیٰ اہل بیت رسالت سے رجس و ناپاکی دور رکھنے کا ارادہ ہی کرتا رہا۔ کامیاب نہ ہوا۔ جناب رسول خداؐ کا تو یہ قول تھا۔ کہ میری عترت و قرآن ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہوں گے لیکن حضرت ابوبکر کا یہ گمان تھا کہ یہ غلط ہے۔ عترت رسولؐ تو ایسے قبیح کذب کی مرتکب ہوسکتی ہے۔

ایک اور نکتہ بھی ہے۔ نصاب شہادت کی تو وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں دعوے کی تردید کرنے والا کوئی موجود ہو۔ اگر حضرت ابوبکر کو آپ مدعا علیہ نہیں سمجھتے تو جہاں تو فقط مدعیہ اور حاکم عدالت ہی ہے۔ دعوے کی تردید کرنے والا کوئی مدعا علیہ نہیں۔ لہٰذا نصاب شہادت کی ضرورت نہیں۔ صرف حاکم کو اپنی تسلی کرنی مقصود ہے اس کے لئے دختر رسولؐ اور صدیق اکبر یعنی حضرت علیؑ کے بیانات کافی تھے۔

اگر حضرت ابوبکر خود مدعا علیہ نہ تھے۔ تو ان کو چاہئے تھا کہ جس کو وہ فریق ثانی سمجھتے تھے اس کو اس دعوے کی اطلاع دیتے۔ ان کے خیال میں فدک تمام مسلمانوں کا حق تھا۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو اس کی اطلاع دیتے۔ اور اگر وہ لوگ دعوائے مدعیہ کو تسلیم ہی کر لیتے تو پھر کسی شہادت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ یہ اس فقہ اسلامی کے عین موافق ہے۔ جس فقہ اسلامی کی نصاب شہادت پر آپ کا انحصار ہے۔ اس کو کیوں نظرانداز کیا گیا۔ اس کی وجہ دو میں سے ایک ہو

سکتی تھی۔ یا تو حضرت ابوبکر خود اپنے تیئں ہی مدعا علیہ و فریق مخالف سمجھتے تھے۔ یا ڈرتے تھے کہ اگر تمام مسلمانوں کو اطلاع دی اور ان کو ایک فریق تصور کیا تو وہ مدعیہ کے دعوے کو تسلیم کر لیں گے۔

محض بیان مدعی کو صحیح تصور کر کے اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنا خود حضرت ابوبکر کی سنت تھی۔ ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ محض جابر ابن عبداللہ کے بیان پر کہ آنحضرتؐ نے مال بحرین میں سے انہیں اتنا اور اتنا اور اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے ان کو تین لپیں زرو جواہرات کی دے دیں۔ نہ گواہ' نہ شاہد' نہ تنقید شہادت' عام منادی' ایام حج میں کرا دی کہ جس کے ساتھ رسول خداؐ نے کوئی وعدہ کیا ہے۔ وہ آن کر محض بیان کر دے۔ اس کے قول پر عمل ہوتا تھا۔ مسلمانو! غور کرو خدا کو جان دینی ہے۔ حق بھی کوئی چیز ہے۔ قبر میں تعصب ساتھ نہیں جاتا۔ ضد کرنے سے کیا فائدہ' یہ دو قسم کا طرز عمل کیسا۔ دختر رسولؐ تو خود جھوٹی اور جھوٹی شہادت پیش کریں۔ شہادت میں تمہاری ہی خلافت راشدہ کا ایک خلیفہ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ بھی جھوٹا۔ حسنین علیہما السلام بھی جھوٹے۔ دعویٰ غلط لہٰذا خارج لیکن معمولی صحابی آتا ہے۔ محض اس کے بیان پر مسلمانوں کے مال میں سے اسے دیا جاتا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے۔ دختر رسولؐ کو اتنا ذلیل کیوں کیا جاتا ہے۔ ان پر اتنا ظلم کیوں ہوتا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ ان کا شوہر اس حکومت کا مدعی ہے جس پر تم نے قبضہ کر لیا ہے نتیجہ نکلا کہ شہادت طلب کرنا محض ایک بہانا تھا۔

۴۔ شہادت پیش ہوتی ہے۔ اب ہم اس شہادت پر غور کرتے ہیں جو اس مقدمہ میں پیش ہوئی۔ شہادت میں وہ شخص پیش ہوا جو رسالت محمدیہؐ کی تصدیق کے لئے خدا کی طرف سے گواہی میں طلب ہوا۔ جس کی نسبت جناب رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ وہ صدیق اکبر فاروق اعظم ہے۔ جدھر یہ پھرتا ہے۔ ادھر حق پھر جاتا ہے۔ قرآن اس کے ساتھ ہے اور یہ قرآن کے ساتھ ہے۔ حسنین علیہما السلام بھی رسالت محمدیہؐ کی شہادت میں طلب کئے گئے تھے اس شہادت کو تین وجوہات پر رد کیا گیا۔

(ا) نصاب پورا نہیں ہوا (ب) اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ (ج)

Presented by www.ziyaraat.net/

حضرات حسنینؑ اور ام کلثوم صغیر سن تھے ہم ان میں سے ہر ایک پر غور کرتے ہیں۔

نصاب شہادت :۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ چونکہ ابھی مدعا علیہ طلب ہی نہیں ہوا تھا۔ نصاب شہادت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ علاوہ اس کے نصاب شہادت معمولی مقدمات کے لئے ہے۔ جن میں حاکم یا قاضی کے پاس کوئی ذریعہ صحیح واقعات معلوم کرنے کا نہیں۔ لیکن اگر حاکم کو عینی یقین کسی امر کا ہے تو پھر نصاب شہادت کی ضرورت نہیں اور نصاب بھی پورا تھا۔ وقتاً فوقتاً" حضرت علیؑ ورباح و ام ایمن و ام کلثوم و حضرت حسنؑ و حضرت حسینؑ شہادت میں پیش ہوئے۔ غالباً" ایک وقت میں پیش نہیں ہوئے جیسا عذر ہوتا گیا۔ اس کے مطابق گواہ پیش ہوتے رہے۔ یہ تو ضروری نہیں کہ ایک ہی پیشی پر سارے گواہان پیش ہو جائیں۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے۔ کہ حضرت علیؑ و ام ایمن ہی فقط شہادت میں اول مرتبہ پیش ہوئے تو پھر بھی نصاب پورا ہوگیا حضرت فاطمہؑ وام ایمن دو عورتیں اور حضرت علیؑ ایک مرد ہوئے۔ یہ عذر نہیں اُٹھایا جاسکتا کہ نصاب شہادت فریقین کے علاوہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں کوئی دوسرا فریق تردید کرنے والا موجود نہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ رہا کہ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ رسولؐ خدا نے ہبہ نہیں کیا۔ میں ہر وقت رسول خداؐ کے ساتھ رہتا تھا۔ اگر ہبہ کرتے تو مجھے معلوم ہو جاتا یا مجھ سے رسولؐ خدا نے کہا تھا کہ انہوں نے ہبہ نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص تردید واقعہ کرنے والا ہوتا تو پھر مدعیہ کا بیان اور مدعا علیہ کا انکار ایک دوسرے کو رد کر دیتے اور ان کے علاوہ نصاب شہادت طلب کیا جاتا۔ حضرت ابوبکر نے تو اپنے تئیں حاکم کی حالت میں رکھ کر لاعلمی والی حاکمانہ ذہنیت اختیار کر کے ثبوت طلب کیا تھا جب دعوے کی تردید نہیں اور مدعیہ کے بیان کے برخلاف اور اس کی تردید میں کوئی دوسرا بیان نہیں تو پھر مدعیہ کو بطور گواہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ جناب حسنینؑ اور حضرت علیؑ مل کر بھی نصاب شہادت پورا ہو جاتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ نابالغ شخص اگر صاحب عقل و تمیز ہے۔ تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے' یا اولاد کی شہادت ان کے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ جب مباہلہ والے دن جناب رسولؐ خدا اپنی نبوت کی شہادت میں جناب فاطمہؑ و حسنین علیہم السلام کو لے گئے تو عیسائیوں نے تو عذر نہیں اٹھایا کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ آنحضرتؐ خود فریق تھے۔ جس طرح فدک کے معاملہ میں حضرت

فاطمہؑ فریق تھیں۔ اب رہ گئے۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ اور یہ ہی دونوں بچے بقول آپ کے نصاب شہادت پورا نہ ہوا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مباہلہ والے دن شہادت تھی دعا تھی' کیونکہ اگر مباہلہ ہوتا تو پہلے دعویٰ بیان ہوتا کہ آنحضرتؐ سچے نبی ہیں یا حضرت عیسیٰؑ محض بندہ خدا تھے پھر عیسائی انکار کرتے اور پھر بد دعا ہوتی۔ یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے نبی تھے یا حضرت عیسیٰؑ بندہ خدا تھے۔ فرزند خدا نہ تھے یہ ہی شہادت تھی۔

(ب) اولاد کی شہادت والدین کے حق میں۔ یہ کون سا قرآنی حکم ہے۔ جس کی رو سے اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ ہم اس کو بطور ایک نظیر کے پیش کر سکتے ہے۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں کہ علمائے جماعت حکومت نے اپنے حکام سقیفہ کے طرز عمل کو صحیح ربیت کرنے کی کوشش میں کس طرح فقہ اسلام کو توڑ مروڑ کر مسخ کر دیا۔ قریبی رشتہ داروں کی گواہی کو اقابل اوخال شہادت قرار دے کر یہ امر قطعاً" فیصلہ کر دیا گیا کہ مسلمان ایسے بے اعتبار و ناحق کوش ہوتے ہیں کہ ان کا بیان ان کے قریبی رشتہ داروں کے حق میں کبھی قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا۔ کلیہ تو قائم ہوگیا۔ لیکن اس سے دقت یہ آپڑے گی کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے فضائل کی جتنی احادیث ہیں ان کے اکثر کے راوی حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں حضرت ابوبکر کی امامت نماز کے قضیہ کی تو واحد راویہ حضرت عائشہ ہیں یہ دقت تو باقی رہے گی۔ جب تک کہ ایک اور کلیہ نہ قائم کیا جائے۔ کہ اس قاعدے سے اگرچہ نبی کی اولاد مستثنیٰ نہیں لیکن ان کے خلیفہ کی اولاد مستثنیٰ ہے۔ اور یہ استثناً تو قائم ہو ہی گیا۔ جب ان دونوں بزرگواروں کی شہادت فضیلت اپنے اپنے باپ کے حق میں بلا عذر قبول کی جاتی ہے اس مسخ شدہ فقہ کے مقابلہ میں عیسائیوں کے جاری کردہ قانون کو دیکھو۔ انہوں نے فطرت انسانی کو یہ اعلیٰ درجہ دیا ہے کہ یہی نہیں کہ اولاد کی گواہی بلا کسی عذر کے اپنے والدین کے حق میں قابل ادخال شہادت ہوسکتی ہے۔ خود مدعی بھی ایسا ایماندار تصور کیا جاسکتا ہے۔ کہ اس کا اپنا بیان بھی اپنے حق میں داخل شہادت ہے۔ دیکھا آپ نے اپنے حکام کی محبت میں اپنے دین پر اعتراض لے لیا۔

(ج) صغر سنی۔ سن تمیز ہونا چاہئے۔ محض صغر سنی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ شہادت کو رد کر دیا

Presented by www.ziyaraat.net/

جائے اور یہ تو ایسے بچے تھے۔ کہ ایسے مہم امور میں جیسے کہ مباہلہ تھا۔ طلب کئے جاتے ہیں اور ان کے بیانات اور ان کی دعاؤں کو خدا کی بارگاہ میں وقعت دی جاتی ہے۔

۶۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسول خدا ﷺ نے اپنی خاص ملکیت میں سے حضرت ابوبکر و زبیر بن العوام و عبدالرحمٰن بن خوف و ابودجانہ وغیرہ کو اراضیات و جائداد ہبہ کی تھیں حاکم وقت نے ان لوگوں سے کیوں نہ ہبہ کا ثبوت لیا یہ جواب کہ ان لوگوں نے دعویٰ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا ان سے ثبوت طلب نہیں کیا گیا درست نہ ہوگا۔ حضرت فاطمہؑ کو تو دعوےٰ کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ حاکم وقت نے ان سے اراضیات و ہبہ چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیں اگر دیگر موہوب الیہم کی اراضیات چھینی جاتیں تو وہ بھی دعوےٰ کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ ان کی اراضیات بھی اسی طرح چھین لینی چاہئے تھیں۔ اسلامی مساوات کہاں گئی۔

۷۔ اگر حضرت ابوبکر جناب رسولِ خدا ﷺ کے جانشین تھے۔ تو آنحضرتؐ کی رحلت پر صرف ان اراضیات یا اشیاء پر قبضہ کرتے جو جناب رسالت مآب ﷺ کے پاس بطور حاکم و والی کے تھیں فدک تو اس وقت آنحضرتؐ کے قبضہ میں نہیں تھا۔ جناب فاطمہؑ کے قبضہ میں تھا۔ حضرت فاطمہؑ کو بے دخل کس بناء پر کیا۔ دعوےٰ تو پہلے حضرت ابوبکر کو کرنا چاہئے تھا۔ اگر وہ سچا ثابت ہوتا تو پھر وہ قبضہ کر سکتے تھے۔ بغیر دعوے و بغیر ثبوت کے دوسرے کی مقبوضہ اراضیات پر قبضہ کر لینا حکومت الٰہیہ کی شان نہیں۔

۸۔ ہبہ سے انکار کرنا حضرت ابوبکر کے لئے جائز نہ تھا۔ اس سے تو ورثاء کا آپس میں تعلق تھا اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ متوفی کے کئی ورثاء ہیں۔ ان میں سے ایک وارث و دعویٰ کرتا ہے کہ من جملہ جائداد کے ایک باغ متوفی نے مجھے ہبہ کر کے دیدیا تھا۔ اس دعوے کا اثر محض ورثاء پر پڑتا ہے۔ کسی شخص غیر پر نہیں پڑتا۔ جناب رسول خدا ﷺ کے ورثاء میں سے اس وقت کسی وارث نے آن کر دعویٰ فاطمہؑ کی تردید نہیں کی بلکہ کبھی بھی تردید نہیں کی۔ دیگر ورثاء مدعا علیہم بھی نہ تھے پھر حضرت ابوبکر کو ہبہ کی شہادت طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تحقیقات مطلوب تھی تو دیگر ورثاء کو طلب کر کے ان سے پوچھتے اور اگر وہ مان لیتے تو معاملہ ختم تھا۔

۹۔ اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا۔ کہ بطور جانشین رسول ﷺ کے حضرت ابوبکر بھی آنحضرت ﷺ کے ایک وارث تھے۔ وہ اگر وارث تھے تو حکومت کے وارث تھے۔ اس بحث میں یہ امر بہت اچھی طرح مدنظر رکھنا چاہئے۔ کہ آنحضرتؐ کے زمانہ تک بلکہ اس کے بعد تک حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی اراضی یا جائداد غیر منقولہ نہیں ہوتی تھی۔ خیبر کی اراضیات اسی وقت آنحضرتؐ نے لوگوں میں تقسیم کر دی تھیں اور کوئی جائداد و غیر منقولہ ایسی نہ تھی کہ جو حکومت کے قبضہ میں ہو سکتی حکومت کی جائداد کی ملکیت کا تخیل ابھی تک فقہ اسلامی میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو شے حکومت کے قبضے میں آتی تھی فوراً مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتی تھی لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور ابھی نہیں ہوا تھا۔ تمام قوم مسلمانوں کی ایک لشکر تصور ہوتا تھا ہر ایک پر خدمت جہاد واجب تھی اور جب منادی ہوتی تھی جب جمع ہو جاتے تھے۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور حضرت عمر نے جاری کیا تھا۔ اور تب ہی حکومت کو اپنی علیحدہ ملکیت قائم رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اس وقت میں بھی اراضیات حکومت کی ملکیت میں نہیں لی جاتی تھیں۔ بہرصورت یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت تک حکومت کی کوئی جائداد نہیں تھی۔ جس کے وارث حضرت ابوبکر ہوتے حدیث لا نورث کا پیش کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جائداد متنازعہ کو جناب رسول خدا ﷺ کی ذاتی ملکیت تو مان لیا صرف یہ عذر پیش کیا کہ ورثہ کے قانون میں نہیں آتی۔ اگر رسول خدا ﷺ حاکم ہوتے۔ پیغمبرؐ نہ ہوتے۔ تو یہ اراضیات ان کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتیں اس سے ہی ظاہر ہے۔ کہ یہ حکومت کی ملکیت نہ تھیں اور حضرت ابوبکر ان کے وارث نہ تھے۔

۱۰۔ حدیث لانورث کی رو سے یہ جائداد متنازعہ صدقہ ہوئی تو پھر حضرت ابوبکر نے کیوں دیگر صدقات کی طرح مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا۔ کیوں اپنی خاص ملک میں رکھ لیا۔

۱۱۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقدمہ میں بار ثبوت کس فریق کے ذمہ تھا۔ اور شہادت کس کو پیش کرنی چاہئے تھی۔ جناب فاطمہؑ کے قبضہ میں یہ جائداد تھی حضرت ابوبکر ان کو بے دخل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا بار ثبوت ابوبکر کے ذمہ ہوا کہ حضرت فاطمہؑ کو بے دخل کرنے کا حق ثابت کریں۔

سیدہ سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

دوسری طرح بھی دیکھو۔ حضرت فاطمہؑ ترکہ و میراث کی بناء پر دعوےٰ کرتی ہیں جناب رسول خداؐ کی خالص ملکیت تسلیم شدہ تھی۔ قانون وراثت حضرت فاطمہ کے حق میں تھا۔ اس مسلمہ قرآنی قانون وراثت کے خلاف حضرت ابوبکر ایک ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جس کی صحت سے حضرت فاطمہ کو انکار تھا۔ صریحاً" ظاہر ہے کہ اس حدیث کی صحت کا بار ثبوت حضرت ابوبکر پر تھا۔

مقدمات کے صحیح فیصلہ کے لئے بار ثبوت کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔

۱۲۔ میراث کے دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے جناب رسول خدا کی طرف منسوب کرکے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی۔ جس کو کسی اور نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا تھا۔ اگر انصاف کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تو اس حدیث کی صحت کو ثابت کرنا حضرت ابوبکر کے ذمہ ہوتا۔ اور پھر دیکھتے کہ نصاب شہادت کس طرح پورا ہوتا ہے سوائے حضرت عمر اور حضرت عائشہ کے اور کوئی گواہ ہی نہ ملتا۔ ہاں اگر حکومت کا زور لگاتے تو دوسری بات ہے۔

کسی حدیث کی صحت کی تحقیقات کے لئے علماء نے چند قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے چند اہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(ا)۔ کیا یہ حدیث عقلاً" درست ہے؟ (ب)۔ قرآن شریف کے مضمون و احکام کے تو خلاف نہیں۔ (ج)۔ کیا اس مضمون سے ملتی جلتی کوئی اور حدیث بھی ہے۔ (د)۔ اس حدیث کے راوی کون ہیں۔ کیا غلط بیانی کے لئے انہیں کوئی ترغیب تو نہ تھی (ہ)۔ تعداد رواۃ۔ (و)۔ موقعہ جب وہ بیانی کی گئی ہو۔

ہم ہر ایک قاعدہ پر علیٰحدہ علیٰحدہ اس حدیث کو جانچتے ہیں۔

(ا) خلاف عقل

حدیث متنازعہ یہ ہے **نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ماترکنا صدقة** (ہم گروہ انبیاء نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی میراث پاتا ہے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اب سوال یہ ہے کہ جو شرع کہ پیغمبر لاتے ہیں وہ ان پیغمبروں پر حاوی ہوتا

ہے یا نہیں امت کے لئے حکم ہے کہ چوری نہ کرو' زنا نہ کرو' جھوٹ نہ بولو' شراب نہ پیو' کیا پیغمبروں پر یہ احکام حاوی ہوتے ہیں یا نہیں۔ نماز و روزہ کے احکام کے پابند پیغمبر ہوتے ہیں یا نہیں۔ نکاح کے محرمات کی پابندی پیغمبروں پر لازم ہے یا نہیں۔ اگر یہ ساری شرع پیغمبر پر حاوی ہے تو وہ حکم ترکہ سے کیوں باہر ہوں۔ ہر ایک پیغمبر کو تو حکومت حاصل نہیں تھی۔ ہر ایک کے پاس اراضیات و جاگیریں نہ تھیں۔ کیا اس کے مرنے کے بعد پہننے کے کپڑے اور گھر کے برتن بھی اس کی امت میں تقسیم ہو جایا کرتے تھے۔ اگر کسی شخص نے اپنے باپ دادا سے بہت مال۔ ومتاع ورثہ میں پایا۔ اور بعد کو وہ نبی ہوگیا۔ تو بعد بعثت اسے چاہئے کہ فوراً" سارا مال و متاع امت کو دے دے۔ تو خیر ورنہ بھوکوں مرے۔ پیغمبر کو اس طرح امت کا محتاج رکھنا مشیت الٰہی میں تو معلوم نہیں ہوتا۔ سیاست عمریہ کا ایک گر ہو تو ہو تاریخ عالم میں تو ایسی مثال کوئی نہیں ملتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت سلیمان اپنے باپ کے مرتے ہی فقیر ہوتے نہ کہ بادشاہ علاوہ اس کے ابتداء نبوت میں فوراً" تو امت پیدا نہیں ہوتی۔ بعثت کے بعد ہی پہلا ورثہ سے ملا ہوا ترکہ تو اس پر حرام ہوگیا۔ اب وہ بیچارا پیغمبر کیا کرے۔ کافروں کے محلوں میں جاکر گداگری بھی کرے اور ان کے خداؤں کو برا بھلا بھی کہے۔ وہ کافر اسے کیوں بھیک دیں گے وہ تو چاہیں گے کہ کل کا مرتا آج ہی مر جائے۔ عجیب صورت حالات پیدا ہوئی۔ امت ہوئی نہ جو نذرانہ دے' کافر بھیک نہیں دیتے۔ اور اگر یہ کہو کہ جن روایات میں نَرِثُ کا لفظ ہے وہ غلطی سے وہاں آگیا ہے' دراصل یہ ہے کہ پیغمبر ورثہ لے تو لیتے ہیں لیکن اس سے ان کے ورثاء ترکہ حاصل نہیں کرسکتے تو یک طرفہ حدیث عجیب نتائج پیدا کرے گی فرض کرو کہ تین بھائی ہیں جن کا باپ مرتا ہے تینوں بحصہ مساوی ورثا پاتے ہیں۔ اب ایک بھائی ان میں سے پیغمبر ہو جاتا ہے کچھ عرصہ کے بعد دوسرا بھائی مرجاتا ہے اس کے ورثہ میں یہ پیغمبر اور تیسرا بھائی شریک اب پیغمبر بھائی مرتا ہے۔ اس کی ساری دولت اور سارا مال اس کی امت آن کرلے جاتی ہے۔ گھر صاف ہو جاتا ہے بلکہ گھر پر بھی امت قبضہ کرلیتی ہے' اب بتایئے اس تیسرے بھائی پر ظلم ہوا یا نہیں' باپ کے ورثہ میں پیغمبر بھائی شریک' بھائی' کے ورثہ میں شریک' مگر جب خود مرتا ہے تو اس کا بھائی دیکھتا رہ جاتا ہے اور پیغمبر کا سارا گھر صاف ہو جاتا ہے۔ ابھی معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ پیغمبر کے بچے' بیویاں ہیں ان کی

Presented by www.ziyaraat.net/

پرورش بھی وہ بھائی کرے اور اگر نہ کرے تو ان کو سڑک پر نکال دیا جائے اور وہ بھیک مانگتے پھریں۔ پیغمبرؐ کی آل کو اس طرح ذلیل کرنا خداوند تعالیٰ کی مشیت میں تو ہو نہیں سکتا۔ ہاں کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاست کا یہ ایک جزو ہو تو ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ امت پر کہیں فرض عائد نہیں کیا گیا کہ پیغمبر کو اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ دیا کریں۔ مسائل پوچھنے سے پہلے ایک ذرا سی رقم کی ادائیگی لگا دی گئی وہ تو ادا نہ ہو سکی اور آیت نجویٰ کو منسوخ کرنا پڑا۔ اگر یہ فرض عائد ہو جاتا تو اسے کون پورا کرتا۔ اس حدیث کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر کے مرنے پر اس کے مال و متاع کی تو امت مالک ہو جائے مگر امت پر یہ فرض نہیں ہے۔ کہ اس کے بچوں کی پرورش کرے۔ پیغمبر کے لئے یہ تو اجازت ہے کہ بیویاں کرے' سلسلہ تناسل جاری کرے' لونڈیاں رکھے ہر ایک عوت سے بچے ہوئے تو ۲۰ یا ۳۰ بچے تو ہوں گے۔ کچھ بچے صغیر سن' کچھ قریب بلوغت' کہ پیغمبر کا انتقال ہوتا ہے۔ شام کو یہ بیس تیس خدا کے بندے گھر دیار لٹا ہوا سڑک پر پڑے ہوئے روٹیوں سے محتاج امت کی جان و مال کو اور پیغبر کی روح کو دعا دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں کسی نے روٹی آگے ڈال دی اور دستگیری کی تو جان بچے گی ورنہ موت تو سامنے کھڑی ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا نتیجہ۔

اگر یہ حدیث درست ہوتی۔ تو جناب فاطمہ و حضرت علیؑ و جناب حسنین علیہم السلام کو ضرور معلوم ہوتی کیونکہ یہ ہی وہ حضرات تھے جن کے اوپر اس کا اثر براہ راست پڑتا تھا۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لازم تھا کہ سب سے پہلے اپنے وارثوں کو اس نکتہ سے آگاہ کرتے تا کہ ورثہ کے لئے یہ ان کے جانشین کو تنگ نہ کریں اگر یہ حدیث درست ہے تو یا تو جناب پیغمبر سے بہت بڑی اور ناقابل تلافی فروگذاشت ہوئی یا معاذ اللہ حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ و جناب حسنین علیہم السلام نے باوجود اس حدیث کے علم کے ایک جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ اور اس کی پیروی کرکے کذب صریح کے مرتکب ہوئے ہم تو ان دونوں میں سے ایک بات کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جماعت اہل حکومت کے مقلدین جس کو جی چاہے ملزم ٹھہرائیں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی اشعتہ اللمعات میں لکھتے ہیں۔

مشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہ زہرا است زیرا کہ اگر بگوئیم کہ او جاہل بود۔ ایں سنتے یعنی

حدیثے کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است از فاطمہ و اگر الزام کنیم کہ شاید اتفاق نیفتاد اورا بسماع ایں حدیث از آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکل میشود کہ بعد از استماع از ابی بکر و شہادت سائر صحابہ بر آں چرا قبول نکرد و در غضب آمد و اگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا برنگشت از غضب تا ایں کہ امتداد وکشید و تازندہ بود مہاجرت کرد ابوبکر را۔

اشعتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مطبوع نو الکشور جلد سوم صفحہ ۴۵۳

سیدہ سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مطبوع نو الکشور جلد سوم صفحہ ۴۵۳

(ب) خلاف قرآن

یہ حدیث قطعاً" قرآن شریف کے خلاف ہے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

۱ **یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیۤ اَولَادِکُم لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الاُنثَیَینِ۔**

ترجمہ:۔ خداوند تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے۔

۲ **وَوَرِثَ سُلَیمٰنُ دَاوٗدَ۔**

ترجمہ:۔ اور سلیمان نے (اپنے باپ) داؤد کا ورثہ پایا۔

۳ **قولہ تعالیٰ مُخبِر اعن زکریا وَاِنِّی خِفتُ المَوَالِیَ مِن وَّرَاۤئِی وَکَانَتِ امرَاَتِی عَاقِرًا" فَھَب لِی مِن لَّدُنکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِی وَ یَرِثُ مِن اٰلِ یَعقُوبَ۔**

ترجمہ:۔ حضرت زکریا نے بارگاہ خداوندی میں اس طرح مناجات کی۔ میں اپنے وارثان بازگشت سے اندیشہ رکھتا ہوں۔ جو میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے رہیں گے۔ میری زوجہ بانجھ ہے۔ خداوند اپنی درگاہ سے مجھے ولر ث عطا کر جو میرا اور آل یعقوب کا ورثہ پائے۔

۴ **وَاٰتِ ذَاالقُربٰی حَقَّہٗ**

ترجمہ:۔ (اے نبی) اپنے نزدیک ترین رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو۔

آنحضرتؐ سے پہلے تمام انبیاء ورثہ پاتے آئے ہیں اور ان کے ترکہ سے ان کے وارثوں کو حصہ ملا ہے، خود جناب محمد مصطفیٰؐ کو ان کے والد کا ترکہ ورثہ میں ملا تھا۔ دیکھو سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول صفحہ ۱۲۲۔ ان میں سے کئی کا ذکر تو قرآن شریف میں ہے۔ حضرت داؤدؑ کی دولت و سلطنت کا ورثہ ان کے فرزند سلیمان نے لیا۔ جب حضرت زکریاؑ کی عمر زیادہ ہوئی اور اپنی زوجہ کے عقر کی وجہ سے آپ اولاد سے ناامید ہونے لگے تو بارگاہ ایزدی میں دعا کی جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے اس کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ورثہ سے مال و دولت کا ترکہ

مراد ہے۔ علم و نبوت اس سے مراد نہیں ہوسکتے۔ اگر اس سے علم و نبوت مراد ہوتے تو پھر حضرت زکریا کا ڈر بے معنی تھا۔ اس کے اقرباء زبردستی علم و نبوت نہیں لے سکتے تھے۔ نبوت و علم لدنی تو عطائے ربانی ہے جس کو خداوند تعالیٰ چاہے دے گا۔ اس میں رسول کا کچھ دخل نہیں اور نہ یہ اقرباء و اولاد میں منحصر ہوسکتی ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں مال دنیوی مراد ہے آیہ **شریفہ وَاٰتِ ذَاالقُربٰی حَقَّہٗ** کی تفسیر میں جملہ مفسرین متفق ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسول خدا ﷺ نے حضرت فاطمہؑ کو بلایا اور فدک کا وثیقہ ان کے حق میں لکھ دیا۔

(ج) تکرار مضمون

جب جناب رسول خدا ﷺ کی احادیث کے مطالعہ کرنے والے پر یہ امر اچھی طرح واضح ہے۔ کہ آپؐ ایک مضمون کو مختلف اوقات پر بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً" جناب امیرؑ سے محبت کرنے کی تاکید بہت سی احادیث میں پائی جاتی ہے۔ جناب امیر کے وسعت علم کو کئی طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے کسی باب یا فصل کو اٹھا کر دیکھ لو۔ ہر ایک میں ایک ہی ضروری مضمون پر مختلف احادیث پاؤ گے۔ لیکن یہ حدیث لانورث ہے کہ اس مضمون کی دوسری حدیث ہی نہیں ملتی اور اس کی توثیق کسی دوسری حدیث سے نہیں ہوتی، اچھی طرح واضح ہے۔ کہ یہ حدیث صرف موقع کے لئے فوری ضرورت کو رفع کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے بعد وضع کی گئی ہے۔

(د) و (ہ) سوائے حضرت ابوبکر کے اور کوئی شخص اس حدیث کا راوی نہیں ملتا۔

(و) طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو بیان کرتے ہیں تو اس کے موقع کا ضرور ذکر کرتے ہیں کہ فلاں واقعات تھے، فلاں موقعہ تھا، جب یہ حدیث بیان کی گئی۔ جس طرح حدیث منزلت حدیث غدیر، حدیث ولایت، حدیث رایت اور حدیث ثقلین وغیرہ کے واقعات و مواقع بہت وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں لیکن حضرت ابوبکر نے یہ نہیں فرمایا کہ کس موقعہ پر کن واقعات کے اندر یہ لا وارث حدیث بیان کی گئی اور اس کا باعث کیا تھا اس کا مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ اس حدیث کو مرض موت کے وقت ارشاد فرمانا چاہئے تھا۔ لیکن مرض الموت کے دوران کی

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا خیبر و فدک کے حصول کا دوسرا موقعہ ہو سکتا تھا لیکن اس وقت بھی یہ حدیث بیان نہیں کی گئی۔ ایک تیسرا موقعہ بھی تھا۔ جب آیات وراثت نازل ہوئیں تو ان کی تفسیر میں آپؐ کو بتانا چاہئے تھا کہ ہم پیغمبران ان آیات کے دائرے سے باہر ہیں تمام کتب تفاسیر کو دیکھ ڈالو۔ اس لاوارث حدیث کا پتہ ان آیات کی تفسیر و توضیح کے سلسلہ میں بھی نہیں ملتا جب ان موزوں موقعوں پر اس حدیث کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بتانا نہایت ضروری ہو گیا۔ کہ کس ناموزوں وقت پر اس کو بیان کیا گیا تھا۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ کہ ساری عقل گم ہوگئی' کچھ نہ سوجھی جلدی میں یہ ایک بات کہہ گئے۔ کچھ ہوتا تو تفاصیل میں جاتے حضرت عمر نے بھی ایک موقع پر ایسا ہی کیا تھا۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ کی زبانی جنگ و جدال میں حباب ابن المنذر نے تلوار پر ہاتھ مارا تو فوراً" اس کی دھار کی تیزی سے بچنے کے لئے حضرت عمر نے فرما دیا کہ جناب رسول خدا مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم حباب ابن المنذر کی مخالفت نہ کرنا۔ اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

۱۳۔ حضرت فاطمہؑ کے اس دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے تین عذر پیش کئے۔ اول تو یہ کہ دعویٰ ہبہ کی شہادت ناکافی ہے۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر کی اولاد محروم الارث ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ میں اس طریقے کو جو رسول خداﷺ کے زمانہ میں رائج تھا بدلنا نہیں چاہتا۔

چوتھا عذر حضرت ابوبکر کے وکلاء ایزاد کرتے ہیں کہ اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں ناقابل قبول ہوتی ہے۔

عذرات اول و دوم و چہارم کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ تیسرا عذر ان ہی عذرات کے تابع ہے۔ اگر ہبہ ثابت ہے اور اولاد پیغمبرؐ محروم الارث نہیں ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو ان اراضیات وصدقات پر کوئی دسترس حاصل نہیں نہ وہ اس کے انتظام کرنے کے مجاز ہیں۔

لہٰذا طریقہ رسول کو بدلنے یا نہ بدلنے کا سوال حضرت ابوبکر کے لئے پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر اس عذر کو ہم دیگر عذرات سے علیحدہ بھی لیں تب بھی لیں تب بھی حکومت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چند صدقات میں سے جب کچھ بچ رہتا تھا۔ تو آنحضرتؐ اس بقیہ کو بنی ہاشم کے غرباء و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ فدک کے علاوہ دیگر

ذرائع آمدنی بھی تو جناب رسول خداؐ کے پاس تھے۔ غرباء و مسافرین کی پرورش ان دیگر ذرائع سے ہوتی تھی۔ یہ ثابت نہیں کہ فدک کے ہبہ کے بعد فدک کی آمدنی پر جناب رسول خداؐ نے تصرف کیا ہو۔ دیگر صدقات کا دعوے' بذریعہ میراث کے تھا۔ جب تک آنحضرتﷺ خود زندہ تھے ان کو حق حاصل تھا کہ ان میں اپنی اولاد کو بھی دیں اور جو بچ رہے اس کو جس طرح جی چاہے خرچ کریں۔ مرنے کے بعد تصرف ورثاء کا ہوتا ہے حاکم کے لئے جائز نہیں۔ کہ تصرف کرے یا اس کو ضبط کرے۔ اور یہ جو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میرے لئے جائز نہیں ہے کہ جناب رسول خداﷺ کے طرز عمل کو بدلوں تو یہ محض دفع الوقتی کے لئے تھا۔ یہ ارشاد واقعیت سے بالکل معرا تھا۔ حضرت ابوبکر کے اعتقاد کے بموجب تو آنحضرتؐ کا طرز عمل خلافت کے متعلق یہ تھا کہ اپنا جانشین کوئی مقرر نہیں فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکر نے وہ طریقہ بدل کر حضرت عمر کو کیوں نامزد کر دیا۔ خمس کو لیجئے۔ آنحضرتﷺ خمس کو بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب میں تقسیم کرتے تھے اور بنو عبد شمس و بنو نوفل کو مطلق حصہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خمس تقسیم کرکے ایرے غیرے کو دے دیا۔ لیکن قرابت داران رسولؐ کو نہیں دیا۔ دیکھو مسند احمد بن حنبل الجزء الرابع صفحہ ۸۳ نیل الاوطار شوکانی جلد ۷ صفحہ ۲۸۱ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں۔

"وہ (حضرت عمرؓ) قرابت داران پیغمبرؐ کو مطلقاً" خمس کا حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ آئمہ مجتہدین سے امام ابو حنیفہ بھی ذوالقربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے" الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۴۶۔

اپنے زعم میں اس کے بعد مولوی شبلی حضرت عمر کے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو ہم ظاہر کرتے کہ اس کوشش میں مولوی شبلی کس طرح ناکام ہوئے بہر صورت ہمیں تو یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے آنحضرتﷺ کے طرز عمل کو بدل دیا اور وہ ثابت ہوگیا' آگے چل کر علامہ موصوف ایک اور لڑکھڑی کھاتے ہیں اور بے اختیار ہو کر حق کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

Presented by www.ziyaraat.net/

"احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے' یہ ذی القربیٰ میں ہے آپ (جناب رسولؐ خدا) صرف بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے۔ لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔
"الفاروق" حصہ دوم صفحہ ۲۴۷۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس طرز عمل کو کیوں حضرات ابوبکر و عمر نے بدلا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا ایک اور طرز عمل بھی تھا۔ عام قاعدہ کے خلاف ابوالعاص شوہر زینب کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا مسلمانوں سے اجازت لے لی کہ فدیہ میں تمہارا حصہ ہوتا ہے لہٰذا اگر کہو تو یہ ہار واپس کر دوں۔ مسلمانوں نے اجازت دے دی' آپ نے ہار واپس کر دیا۔ اگر حضرت ابوبکر فدک کو مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے تو دختر رسول کی دلجوئی میں رسول خداؐ کے اس طرز عمل کی پیروی کیوں نہ کی' امر واقعہ یہ ہے کہ فدک کے مقدمے کے فیصلے میں ایسی ہی کئی باتیں ہوگئی ہیں۔ نصاب شہادت پر اصرار کرنا ان میں سے ایک تھا اس اصرار کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے لیکن یہ بھی محض ایک دفع الوقتی کی کوشش تھی۔ حضرت علیؑ و فاطمہؑ' ام یمن و جناب حسنینؑ کی گواہیوں کو کن کن کوششوں سے رد کیا گیا ہے۔ مگر دیگر صحابیوں کے لئے فقہ کا اصول قائم کر دیا۔ کہ ایک عادل صحابی کی شہادت کافی ہے۔ دیکھو فتح الباری پارہ ۹ صفحہ ۴۲۶۔ عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۶۷۵۔

۱۴۔ اگر یہ لاوارث حدیث درست تھی تو حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کے وہ حجرے اور مکانات کیوں نہ لے لئے گئے جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سے وراثت میں ملے تھے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یہ حجرے مکانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ملک تھے اور ازواج مطہرات کو ورثہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سے پہنچے تھے۔ سید نور الدین سمہودی' وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ الجزء الاول باب الرابع فصل التاسع صفحہ ۳۲۵۔

۱۵۔ حضرات زبیر و عبد الرحمٰن بن عوف و ابوبکر کو بھی تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اراضیات ہبہ کی تھیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ ان سے کیوں نہ شہادت طلب کی گئی اور ان کے ہبہ کو کیوں تسلیم کر لیا گیا۔

۱۶۔ حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کے فیصلہ کو غلط' مبنی بر ظلم سمجھا اور جب

حضرت زکریا کی دعا والی آیت اور نیز حضرت سلیمان کے ورثہ پانے والی آیت حضرت ابوبکر کو سنائی گئی تو وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ تم ان آیات کی موجودگی میں کیا کہہ سکتے ہو۔ خاموش ہو رہے۔ کیا کہتے؟

۱۷۔ حضرت فاطمہؑ اتنی ناراض ہوئیں کہ پھر حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے عمر بھر کلام نہ کیا۔ صاف صریحاً" کہہ دیا کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کر دیا ہے اور میں اپنے والد بزرگوار سے تمہاری شکایت کروں گی حضرات شیخین ان کو راضی کرنے کے لئے گئے تو ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور کلام نہ کیا جو لوگ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو رسول برحق سمجھتے ہیں اور آپ کے قول کو سچا جانتے ہیں' جب ان کو یہ یاد آئے گا کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا تھا۔ کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے مجھے ناراض کیا وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہوا۔ تو پھر وہ حضرت ابوبکر کے اس فعل سے لرزہ بر اندام ہو جائیں گے۔

۱۸۔ ابن حجر مکی و دیگر وکلائے اہل حکومت زید بن حسن بن علی بن الحسین کی رائے کو پیش کرتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے یہ قضیہ پیش ہوتا تو وہ بھی یہ ہی فیصلہ دیتے۔ اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کے راویان کا علم نہیں' علاوہ اس کی جس فعل کے مذمت حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ و امام حسنؑ و حسینؑ کر چکے ہوں وہ تقریباً" دو صد برس بعد کے آنے والے شخص کی سیاسی تائید سے کیونکر مستحسن قرار دیا جاسکتا ہے یہ تو محض رائے قائم کی تھی اور ان سے زیادہ تو مامون کا فعل وقیع تھا۔ اس نے تمام علماء کی بحث سننے کے بعد اپنی رائے قائم کی تھی اور اپنے فرمان میں حضرت ابوبکر کے فیصلے کی غلطی نہایت صحیح استدلال کے ذریعے سے ثابت کی تھی' اس کو اس کا ایسا یقین کہ فدک واپس اولاد فاطمہؑ کو دے دیا حالانکہ اس کا یہ فعل اس کے ذاتی مفاد کے خلاف تھا۔ اس پر اس کا غلام اس کی طرف سے قابض تھا اور فدک خلفاء کی ذاتی ملک ہوگیا تھا۔

۱۹۔ مسلمانو! غور کرو۔ خدا کو جان دینی ہے' کسی مذہب پر تعصب کرنے سے پہلے یہ تو سوچو کہ آیا وہ مذہب حق پر بھی ہے۔ حضرت ابوبکر اس حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہؑ کے باپ کی پیدا کردہ اور ان کے شوہر کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر کس حکومت پر قابض ہوتے علاوہ اس کے جناب فاطمہؑ کا پدر بزرگوار ان کا نبی و محسن اعظم تھا۔

Presented by www.ziyaraat.net/

کیا ان کے احسانوں کا یہ ہی بدلہ تھا جو حضرت ابوبکر ان کی اکلوتی بیٹی کو دے سکتے تھے کتنا جناب رسول خداؐ کی روح کو صدمہ ہوتا ہوگا جب جناب فاطمہؑ فریاد کرتی ہوں گی۔ چند گھنٹوں کا عباس کا کراہنا جس دل نے برداشت نہ کیا وہ اپنی پیاری بیٹی کی آہ و زاری کس رنج کے ساتھ سنتا ہوگا۔ سنت رسول پر عمل کرنے کا بڑا دعویٰ ہے آنحضرت نے برداشت نہ کیا کہ ان کی پروردہ دختر زینب کو اپنے قلاوہ کے جانے کا رنج ہو۔ اور مسلمانوں سے کہہ کر واپس کرا دیا کیا جناب ابوبکر نہ کہہ سکتے تھے کہ اگرچہ میری رائے میں فدک تمہارا حق ہے۔ لیکن دختر رسولؐ مانگتی ہے تمہارے محسن پیارے نبی ﷺ کی دختر۔ تمہاری رضامندی ہو۔ تو میں واپس کر دوں۔ کون سی زبان تھی جو نہیں کرتی اور کون سا دل تھا جو انکار کرتا سنت رسولؐ پر عمل بھی ہو جاتا۔ تمہارے حضرت ابوبکر نے کس طرح تمہارے پیارے رسولؐ کی بیٹی کو اس کے باپ کے مرنے کا پرسا دیا۔ کہ وہ ان سے ایسی متنفر ہوگئی کہ سامنے آئے تو منہ موڑ لیا۔ اور کہا کہ تم دونوں نے مجھے ایسا ناراض کیا ہے کہ میں اب اپنے پدر بزرگوار سے ملنے والی ہوں تمہاری شکایت ان سے کروں گی اتنی ناراض تھیں کہ وصیت فرما دی کہ یہ دونوں اور جناب عائشہ میرے جنازے پر بھی نہ آئیں۔ سنت رسولؐ کی پیروی کا تو یہ حال ہے' کتاب اللہ کی پیروی کو دیکھو' بستر مرگ رسولؐ پر ایک بات کو ٹالنے کے لئے تو کہہ دیا **حسبنا کتاب اللہ** ۔ اب اس ہی کتاب اللہ کی آیات پر عمل کرنے کے لئے حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کو دعوت دے رہے ہیں اور وہ نہیں سنتے۔ وہاں حدیث رسولؐ یہ کہہ کر نہ سنی چاہی کہ **حسبنا کتاب اللہ**' یہاں ایک فرضی حدیث رسولؐ کے ساتھ اتنا تمسک کیا کہ قرآن کو چھوڑ دیا۔ کیا حق کی شان یہ ہے' اور کیا یہ طرز عمل اس شخص کا ہے جو واقعی حکومت الٰہیہ کا حکمران ہے غرضیکہ اس معاملہ میں جناب زہراؑ اور علی مرتضیٰؑ نے اس طرح ساری حجتیں اپنے مخالفین پر پوری کی ہیں کہ قیامت کے دن اس کو فضیحت نامہ کا سامنا ہوگا۔ اور اس دنیا میں ان کے وکیلوں کو ان کی طرف سے اقبال جرم کئے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ مولوی صدر الدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفیٰؐ (مطبوعہ مطبع احمدی کانپور صفحہ ۳۶' ۳۷) میں جناب فاطمہؑ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۲۰۔ ہم نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر کے پاس حضرت فاطمہؑ سے فدک چھیننے کے

لئے کوئی معقول وجہ نہ تھی جو عذر بیان کیا وہ محض بہانہ تھا یہ ایک سیاسی تدبیر تھی جس کا مدعا یہ تھا کہ بنو ہاشم خصوصاً" حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ لوگوں کی نظروں میں گر جائیں محتاج ہو کر بے دست دیا ہو جائیں اور ہم لوگوں کے دل اپنی طرف کر لیں۔ مسلمانو! اپنے خدا کا حکم سنو! **وَلَا تَرْكَنُوا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ** یعنی "مسلمانوں ان لوگوں کی طرف مائل نہ ہو جنہوں نے ظلم کئے ہیں ورنہ تم کو دوزخ کی آگ آ لپٹے گی۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست تو ہے نہیں۔ اگر تم ظالموں سے مل گئے تو پھر تم کو کہیں سے مدد نہ ملے گی۔

(البلاغ المبین جلد ۲ ص ۳۸۶)

جمع قرآن

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جناب رسول خداؐ نے جمع قرآن کی طرف توجہ کی یا اس کو بھی بقول سواد اعظم خلافت کی طرح امت کے رحم پر چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے اپنی امت کو بتایا کہ قرآن شریف کتاب اللہ ہے تا قیام قیامت دنیا میں باقی رہنے والا ہے۔ خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ** ہم نے قرآن شریف کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو کتاب اللہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ فرمایا کہ کتاب اللہ اور میری عترت قیامت تک ساتھ رہیں گے۔ آپ اس کو اپنی نبوت اور رسالت کا معجزہ فرمایا کرتے تھے۔ قرآن نے دعویٰ کیا کہ یہ لوگ لاکھ کوشش کر لیں میری جیسی ایک سورۃ بھی نہیں لا سکتے۔ دعوے تو اتنے بڑے اور حالت یہ کہ اس کو جمع کرنے کی طرف توجہ تک نہ کی اور لوگوں کے سینوں میں چھوڑ کر رحلت فرمائی۔ درآنحالیکہ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ کی انجیل کتاب کی صورت میں موجود ہے اور لوگ اس کے حوالے دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ موجودہ انجیل محرف ہے لیکن ہے تو کتاب کی صورت میں اور محض لوگوں کے سینوں میں چھوڑ دینے سے تو تحریف کا امکان کئی گنا ہو جاتا ہے اور اس کا بالکل ضائع ہونا بھی آخر کار یقینی

Presented by www.ziyaraat.net/

ہوتا ہے عقل سلیم اس کو باور کرنے سے انکار کرتی ہے۔ خلافت کی طرح قرآن شریف کے متعلق بھی امت دو جماعتوں میں منقسم ہوگئی۔ علماء شیعہ کا قول ہے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے کی طرف جناب رسول خدا ﷺ نے شروع ہی سے توجہ کی تھی۔ حضرت علیؑ کے پاس اس کو جمع کرتے جاتے تھے اور امت کو مطلع کرتے رہتے تھے کہ قرآن علیؑ کے پاس ہے۔ یہ قرآن اور میری عترت قیامت تک ساتھ رہیں گے جو قرآن کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ علیؑ کے پاس آئے۔

سواد اعظم کے علماء کا قول ہے کہ آنحضرتؐ نے جمع قرآن کی طرف "مطلقاً" توجہ نہیں کی۔ صرف آیات و سور کی ترتیب آپ لوگوں کو بتا دیتے تھے (کتاب تاریخ فقہ اسلامی عبدالسلام ندوی صفحہ ۱۵۷) خلافت کی طرح جمع قرآن کا انتظام بھی حضرت عمر ہی نے کیا۔ جنگ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ قتل ہوگئے تو حضرت عمر کو خیال آیا کہ اس طرح تو قرآن ضائع ہو جائے گا۔ آپ نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ قرآن شریف کو جمع کرائیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔

مولوی عبدالسلام ندوی اپنی کتاب تاریخ فقہ اسلامی کے صفحہ ۱۵۷ پر لکھتے ہیں۔

"آیات و سور کی جو ترتیب ہوتی تھی۔ رسول اللہؐ خود ان کو بتا دیتے تھے۔ مگر رسول اللہ کی وفات کے زمانہ تک قرآن مجید ایک مصحف میں جمع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حفاظ قرآن کے سینوں کاتبان وحی اور دوسرے کاتبوں کے صحیفوں میں محفوظ تھا۔"

اگر آیات اور سورتوں کی ترتیب یعنی قرآن شریف میں ان کا محل وقوع ہی جناب رسول خداؐ نے مقرر کر دیا تو پھر جمع قرآن میں باقی کیا رہ گیا۔

اب ہم عقائد و روایات سواد اعظم کا تذکرہ کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔

زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ مجھے ایک دن جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر نے بلایا۔ میں پہنچا تو عمر بھی ان کے پاس تھے۔ حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ عمر نے مجھ سے آن کر بیان کیا کہ جنگ یمامہ میں بکثرت حفاظ قرآن قتل ہوئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسی طرح لڑائیوں میں حفاظ قتل ہوتے گئے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دو۔ اس پر میں نے عمر سے کہا کہ تم وہ بات کیونکر کرو گے جو رسول خدا

ﷺ نے نہیں کی عمر نے جواب دیا۔ نہیں یہ کار نیک ہے اور عمر اسی طرح بار بار مجھ کو سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے میرے سینہ کو اس کے لئے کھول دیا۔ اور میں نے بھی وہی رائے قائم کر لی۔ جو عمر کی تھی۔ زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ پھر ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ تم نوجوان عاقل ہو۔ ہم تم میں کوئی قابل الزام عیب نہیں پاتے۔ اور تم رسول خدا ﷺ کے کاتب وحی رہے ہو۔ بس اب قرآن کو ڈھونڈو و جہاں بھی ہو وہاں سے نکالو اور جمع کرو۔ زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر وہ لوگ مجھے پہاڑ کو اپنی جگہ سے سرکانے کو کہتے تو وہ مجھ کو ان کے ارشاد جمع قرآن سے گراں نہ ہوتا۔ میں نے کہا کہ تم لوگ وہ کام کیوں کرتے ہو جو جناب رسول خدا ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ نہیں یہ کار خیر ہے ابوبکر مجھ کو بار بار سمجھاتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ بھی اس بات کے لئے اسی طرح کھول دیا۔ جس طرح ابوبکر و عمر کا کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف کو تلاش کر کے کھجور کی شاخوں پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے اکٹھا کر کے جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابو خزیمہ انصاری سے ملا۔ ان کے علاوہ میں نے اس کو کسی دوسرے کے ہاں نہ پایا۔ **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ** ﷺ آخر سورہ تو۔ تک یہ صحیفہ تادم وفات حضرت ابوبکر کے پاس رہا۔ اس کے بعد حضرت عمر کے پاس ان کی زندگی تک رہا۔ اس کے بعد حضرت عمر کے پاس ان کی زندگی تک رہا۔ پھر حضرت حفصہ کے پاس رہا۔

ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری:۔ صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۵۰۔' عبدالسلام ندوی تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۵۷۔۱۵۸' جلال الدین سیوطی' تاریخ الخلفاء حالات ابوبکر' ذکر جمع القرآن' حافظ ابو عمر یوسف المعروف ابن عبدالبر' کتاب الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب ترجمہ زید بن ثابت' الجزء الاول۔ صفحہ ۱۹۴۔

دیکھئے قرآن مجید جمع کرنے میں کتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جب جناب رسول خدا ﷺ کے احکام سے اعراض کر کے اصلی ہادیان دین کو چھوڑ کر غلط رہنماؤں کی پیروی کی جاتی ہے تو اس کے یہی نتیجے ہوتے ہیں اس عبارت پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل واقعات کا پتہ چلتا ہے۔

سیدہ سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

۱۔ نہ تو حضرت زید ابن ثابت کے پاس اور نہ ان کے پاس جنہوں نے اپنے تئیں خلیفہ و جانشین کہلانا پسند کیا تھا۔ اور نہ ان کے دست راست حضرت عمر کے پاس مکمل قرآن موجود تھا۔ زید ابن ثابت کو ہر کس و ناکس کے پیچھے دوڑنا پڑا۔ اور قرآن شریف کی آیات جمع کی گئیں۔ جانشین رسولؐ کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس رسولؐ کی مکمل کتاب موجود ہو۔ لیکن ان کے پاس نہیں تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ اصلی جانشین رسولؐ نہ تھے۔

۲۔ حضرت زید ابن ثابت نے قرآن شریف کی آیتوں کی تلاش میں ہر طرف چھان بین کی لیکن حضرت علیؑ کی طرف نہ گئے کیونکہ یہ حضرت علیؑ کی مخالف پارٹی میں تھے اس سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف جمع کرنے کا شوق سیاسی مصالح پر مبنی تھا۔ مذہب کی محبت اس کی بنیاد نہ تھی۔

۳۔ سورہ توبہ کا آخری حصہ فقط ایک آدمی کے پاس ملا۔ کسی اور کے پاس نہ تھا۔ کیا ثبوت تھا کہ یہ قرآن کا حصہ تھا۔ اس کی تصدیق تو کسی اور سے ہوئی نہیں۔ صرف ابو خزیمہ انصاری نے سورہ توبہ کو اس طرح لکھا ہوا تھا۔ معمولی باتوں کے لئے تو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ تک کی گواہی غلط سمجھی اور مزید گواہ طلب کئے۔ جمع قرآن میں اتنی بے احتیاطی کہ کسی اور سے اس کی تصدیق بھی نہ کرائی۔

۴۔ اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے قرآن شریف جمع نہیں کیا تھا۔

۵۔ جس طریقہ سے زید بن ثابت نے یہ قرآن جمع کیا اس سے غلطی و کمی بیشی کا احتمال بلکہ یقین ہوسکتا ہے لوگوں کے حافظہ کے اوپر اعتبار کیا گیا، خبر نہیں کس کس سے پوچھا۔ وہ کس سیاسی عقائد کے لوگ تھے۔ چونکہ اس غرض کے لئے بنو ہاشم کی طرف رجوع نہیں کیا۔ لہٰذا اس سے صاف عیاں ہے کہ جمع قرآن سیاسی عقائد کی بناء پر تھی۔ اس طرح حضرت علیؑ کا نام نکل جانا معمولی سی بات تھی اور چونکہ یہ حکومت کے نظریہ کے مطابق تھا۔ لہٰذا اس کا واقع ہونا یقینی ہوگیا۔

۶۔ جمع قرآن بھی صرف حضرت عمر ہی کی تجویز تھی۔ نام تو یہ کیا کہ حفاظ قتل ہو جائیں گے۔ اصلی وجہ اور تھی۔

۷۔ حضرت عمر نے جس سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے اس کو جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے

طرز عمل کے مخالف سمجھا مگر بعد میں جب حضرت عمر نے سیاسی پیچ اونچ دکھایا۔ تو شرح صدر ہوگیا۔

۸۔ اس سے ثابت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے کم سے کم حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کو قرآن شریف جمع کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی تھی اور نہ ان کے ذمہ یہ فرض لگایا تھا۔ اور نہ ان کے پاس مکمل قرآن ہی موجود تھا۔ لہٰذا وہ جانشین رسولؐ نہیں ہوسکتے تھے۔

۹۔ زید ابن ثابت میں قابلیت و اہلیت قرآن جمع کرنے کی نہ تھی۔ چنانچہ وہ اس کام کو پہاڑ سرکانے سے بھی زیادہ مشکل سمجھتے تھے۔ سن ایک (۱) ہجری میں ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ (الاستیعاب ترجمہ زید ابن ثابت صفحہ ۱۹۴) اور یہ جمع قرآن کا حکم سن ۱۱ ہجری میں جنگ یمامہ کے زمانہ میں ہوا۔ گویا اس وقت ۲۲ سال کے بچے تھے۔ ان کی کم سن کی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو جنگ بدر میں لڑائی کی اجازت نہ دی۔ ان بزرگوں کا منطق بھی کسی اصول پر مبنی نہیں ہوتا کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر و عمر سن میں حضرت علیؑ سے بڑے تھے۔ لہٰذا صغیر سنی کی وجہ سے حضرت علیؑ کو نظر انداز ہی ہونا چاہئے تھا۔ مگر اب ایک بچے کو جمع قرآن کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ اور اب اُس کی صغر سنی اس کے لئے کچھ مانع نہیں ہے۔ زید ابن ثابت تو اپنے تئیں اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اصرار کرکے ان کے ذمے یہ فرض لگایا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ جو بیانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ پوچھ لو جو مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو۔ کتاب اللہ کے متعلق پوچھ لو۔ قسم بخدا کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس کی نسبت مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو۔ میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر، نرم زمین پر نازل ہوئی یا پتھریلی پر (صفحہ ۷۵۹، ۷۶۰ حصہ اول) جناب رسول خداؐ آخر وقت تک یہ ہی کہتے رہے کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ میرے اہل بیت جن کے راس و رئیس یہ علیؑ ہیں اور کتاب اللہ یہ ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہونگے۔ اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھوگے تو قیامت تک گمراہ نہ ہوگے ایسے شخص کی طرف تو جمع قرآن کے لئے رجوع نہیں کیا۔ منتخب کس کو کیا جاتا ہے۔ ایک بائیس برس کے نوجوان کو، بہانہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ کاتب وحی تھا۔ کاتب وحی تو وہ شخص بھی تھا جو بعد میں مرتد ہوگیا اور جناب رسول خداؐ نے مدینہ جلا وطن کر دیا۔ زید ابن ثابت ایسے کاتب وحی تھے

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

کہ خود ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ دوسروں ہی سے مانگ مانگ کر پیوند سازی کی اور کاتب وحی ہونا ہی خاص باعث فضیلت تھا۔ تو حضرت علیؑ بھی کاتب وحی تھے زید ابن ثابت تو اس وقت بچوں سے گلیوں میں کھیل رہے تھے جب قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا اور جناب علی مرتضیٰؑ زیر تربیت رسول علم قرآن اس وقت اخذ کر رہے تھے۔ قرآن کا مکی حصہ ۳۰/ ہے اور مدنی حصہ ۱۹/۳۰ ہے۔ قیام مکہ میں قرآن شریف کے نازل ہونے کی مدت بارہ سال پانچ مہینے تیرہ دن ہے' مدینہ میں نزول قرآن کا زمانہ نو سال نو مہینے اور نو دن ہے (عبدالسلام ندوی تاریخ فقہ اسلامی صفحہ

۶) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے اس وقت زید ابن ثابت کی عمر گیارہ سال تھی اور خاص ذہانت و ذکاوت کے مالک بھی نہ تھے۔ تعجب اور ہزار تعجب ہے۔ کہ ایسے لڑکے کو اس کام پر مقرر کیا جاتا ہے اور حضرت علیؑ کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ صرف یہی ایک بات اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ قرآن شریف کے جمع کرنے میں سیاسی تجاویز مرکوز تھیں۔ اس کا تعلق امداد مذہب سے نہ تھا۔

۱۰۔ علامہ ابن عبد البر نے بتایا کہ زید ابن ثابت کو کیوں منتخب کیا گیا۔ وہ کہتے ہیں:۔

حضرت عثمان کو زید ابن ثابت سے بہت محبت تھی اور زید حضرت عثمان کی پارٹی میں تھا۔ اور وہ حضرت علیؑ کے ساتھ ایک لڑائی میں بھی شامل نہ ہوا۔

(حافظ ابو عمر یوسف المعروف بابن عبدالبر کتاب الاستیعاب الجزء الاول۔ ترجمہ زید ابن ثابت صفحہ ۱۹۴)

نیز ملاحظہ ہو۔ عبدالسلام ندوی۔ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۹۲)

جب زید ابن ثابت کو مجبوراً" یہ پہاڑ اٹھانا پڑا تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے جتنا بھی قرآن ان کے پاس تھا وہ طلب کیا۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے اپنے اپنے قرآن کس طرح جمع کئے تھے وہ ہم بتاتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔

ابو یونس حضرت عائشہ کے غلام سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ عائشہ نے مجھے قرآن شریف لکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ جب تو اس آیہ حافظو! ـــــــ آلایتہ پر پہنچو تو مجھ سے اجازت لے لینا۔ جب میں وہاں تک پہنچا تو میں نے ان سے اجازت لی انہوں نے مجھ سے اس طرح لکھوایا

حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوَاتِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوٰةِ الْعَصْرِ وَ قُوْمُوْالِلّٰهِ قَانِتِيْنَ میں حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول خدا سے اسی طرح سنا تھا۔

عبدالرزاق و بخاری نے اپنی تاریخ میں' ابن جریر نے اپنی تفسیر میں' ابن داؤد نے المصاحف میں ابو رافع غلام حضرت حفصہ بنت عمر سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت حفصہ نے مجھ سے ایک قرآن کا نسخہ لکھنے کو کہا اور کہا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بلا لینا تاکہ میں بولتی جاؤں اور تو لکھتا جائے جس طرح کہ میں اس آیت کو پڑھا کرتی ہوں پس جب میں اس آیت پر پہنچا یعنی آیہ **حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوَاتِ** تو حفصہ نے کہا کہ لکھ **حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوَاتِ وَ الصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوٰةِ الْعَصْرِ**۔ پس اس کے بعد میں ابی ابن کعب سے ملا اور اس سے کہا کہ اے ابو المنذر مجھ سے حفصہ نے یہ کہا اس نے کہا کہ وہ سچ کہتی ہیں کیا نماز ظہر کے وقت ہم اپنے کاموں میں مشغول نہیں ہو جاتے مالک و ابو عبید و عبد بن حمید و ابو یعلیٰ و ابن جریر نے اور ابن الانباری نے المصاحف میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں' عمرو بن نافع سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت حفصہ زوجہ نبی کے لئے میں ایک قرآن شریف لکھ رہا تھا۔ حضرت حفصہ نے کہا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو میری اجازت لے لینا۔ آیتہ یہ تھی۔ **حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوَاتِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰى** پس جب میں اس آیت پر پہنچا تو ان کی اجازت چاہی تو انہوں نے آیت بول کر اس طرح لکھوائی۔ **حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوَاتِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰى وَ صَلٰوٰةِ الْعَصْرِ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ** اور کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے جناب رسول خداؐ سے اسی طرح سنا تھا اور عبدالرزاق نے رواۃ کے سلسلہ سے نافع سے روایت کی ہے کہ حفصہ نے ایک قرآن شریف اپنے غلام کو لکھنے کے لئے دیا اور کہا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے **حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوَاتِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰى** تو مجھے بتا دینا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا تو وہ غلام ان کے پاس گیا۔ حضرت حفصہ نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا۔ **حَافِظُوا عَلَى الصَّلٰوٰةِ وَالصَّلٰوٰةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوٰةِ الْعَصْرِ** اور امام مالک اور امام احمد و عبد بن حمید و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن جریر و ابن ابی داؤد نے اور ابن الانباری نے المصاحف میں اور بیہقی نے اپنے سنن میں ابو یونس غلام حضرت عائشہ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ عائشہ نے مجھے حکم دیا کہ میں ایک

Presented by www.ziyaraat.net/

قرآن شریف ان کے لئے لکھوں اور کہا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بلا لینا **حافظوا علی الصلواۃ والصلواۃ الوسطی** پس جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے ان کو بتایا۔ انہوں نے خود بول بول کر یہ آیت اس طرح لکھوائی **حافظو اعلی الصلواۃ والصلواۃ الوسطی وصلواۃ العصر و قومو اللہ قانتین**۔ عائشہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا اور ابن جریر و عبدالرزاق نے و ابن ابی داؤد نے المصاحف میں اور ابن المنذر نے ام حمید بن عبدالرحمن سے روایت کی ہے وہ کہتی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے **الصلواۃ الوسطی** کی بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم عہد جناب رسالت مآب میں اسی طرح پڑھتے تھے۔ **حافظو اعلی الصلواۃ والصلواۃ العصر و قومو اللہ قانتین**۔

جلال الدین سیوطی کتاب الدر المنثور الجزء الاول صفحہ ۳۰۲۔

کتاب موطا امام مالک اور فتح الباری ابن حجر عسقلانی میں بھی یہ دونوں روایتیں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی اسی طرح درج ہیں۔ غلاموں کا مبلغ علم ظاہر ہے۔ باب مدینہ علم نبی کو چھوڑ کر غلاموں کی علم و لیاقت پر بھروسہ کرنا جس حکومت کی سیاسی تدبیروں کا نتیجہ ہو= اس کا آخری انجام معلوم۔

حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن شریف کو اس کی موجودہ شکل دی گئی۔ اس کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی۔ یہ قصہ اس طرح ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ جنگ ہائے آرمینیہ و آذر بائیجان کے دوران میں حذیفہ بن الیمان حضرت عثمان کے پاس آئے کیونکہ ان کو قرآن شریف میں لوگوں کے اختلاف نے بہت رنج پہنچایا تھا۔ اور کہا کہ اے امیر المومنینؑ اس امت کی مدد کو پہنچو قبل اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف پیدا کر دیں۔ پس عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ ہمارے پاس قرآن شریف کا نسخہ بھیج دو تا کہ ہم نقل کر لیں پھر ہم تم کو واپس کر دیں گے پس حفصہ نے اپنا قرآن شریف عثمان کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے زید بن ثابت و عبداللہ بن زبیر و سعید بن العاص و عبدالرحمن بن الحرث بن ہشام کی ایک جماعت مقرر کی اور ان سے کہا کہ اس کی دو نقلیں کرو۔ اور اگر تم آپس میں اختلاف کرو زید بن ثابت سے تو قریش کی زبان میں لکھو

کیونکہ یہ قرآن شریف قریش کے لہجہ میں نازل ہوا ہے پس انہوں نے ایسا ہی کیا اور نقلیں ختم کر دیں تو عثمان نے حفصہ کا قرآن تو واپس کر دیا اور ایک ایک نسخہ ہر ملک میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا اگر کچھ اور قرآن کا حصہ کہیں ملے تو اس کو جلا دو ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو زید بن ثابت کے لڑکے خارجہ نے بتایا کہ میں نے اپنے باپ زید کو کہتے سنا ہے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت نہیں ملتی تھی۔ جب قرآن لکھنے لگے جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلہ وسلم پڑھا کرتے تھے پس ہم نے اس کو تلاش کیا۔ یہاں تک کہ خزیمہ بن ثابت کے پاس وہ مل گئی اور وہ آیت یہ تھی۔ **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ**۔ پس ہم نے اس کو سورہ احزاب میں داخل کر لیا۔

صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن الجزء الثالث۔ صفحہ ۱۵۰

عبدالسلام ندوی۔ تاریخ فقہ اسلامی صفحہ ۱۶۰۔ جلال الدین سیوطی۔ الاتقان الجزء الاول ۵۹

حضرت عثمان کے زمانہ میں جمع قرآن کا کام ۲۵ ہجری میں انجام پایا۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان کے پاس بھی مکمل قران نہ تھا اور نہ اس کا علم رکھتے تھے۔ انہیں زید ابن ثابت اور عبدالرحمن بن الحرث جیسے نوجوانوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔

۲۔ اب دیکھیں کہ اس کمیٹی کے ممبران کون کون تھے۔ زید ابن ثابت کا حال پہلے گذر چکا ہے۔ عبداللہ ابن زبیر نواسے تھے حضرت ابوبکر کے ۳ ہجری میں پیدا ہوئے گویا جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ یہ وہ ہونہار نوجوان تھے جن کی نسبت حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ زبیر بن العوام ہم میں سے تھے جب تک کہ ان کے بیٹے عبداللہ بڑے نہیں ہوئے تھے۔ سن تیمز کو پہنچ کر انہوں نے اپنے باپ کو حضرت علیؑ کے مخالف کر دیا۔ جنگ جمل ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ سعید بن العاص بنو امیہ میں سے تھے۔ ۱ ہجری میں پیدا ہوئے جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ ان کے والد بزرگوار کو جنگ بدر میں حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا۔ (الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب الجزء الثانی صفحہ ۵۵۵) عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ مخزومی تھے۔ بنو مخزوم حضرت علیؑ کے خاص طور سے دشمن تھے۔ جب آنحضرتؐ کا انتقال

Presented by www.ziyaraat.net/

ہوا۔ تو یہ دس سال کے تھے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر بھی ۲۴ یا ۲۵ سال کی تھی۔

۳۔ ایسے بچوں کو جمع قرآن کے لئے منتخب کیا جاتا ہے کہ جو ابھی سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ نزول قرآن ختم ہوگیا تھا کوئی خاص فضیلت و بزرگی کے حامل نہ تھے ہاں ان کا ایک مابہ الامتیاز تھا کہ حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں کن کو نظرانداز کیا گیا۔ حضرت علیؑ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ ابن عباس و عمار ابن یاسرؓ مقداد و ابوذر کو یہ وہ بزرگوار تھے۔ کہ جن کے فضائل سے خود گروہ اہل حکومت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود کی نسبت ان کی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر قرآن سیکھنا ہو تو عبداللہ بن مسعود سے سیکھو۔ مگر ان خلفاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی تائید نہ کی۔ کیونکہ؟ وجہ یہ ہے کہ یہ بزرگوار قرآن شریف کو اس پالیسی کے ماتحت جمع کرنا نہیں چاہتے تھے جو اس وقت حکوت کی تھی۔ عبداللہ ابن مسعود سے حضرت عثمان نے کہا کہ اپنا قرآن ترک کردو اور ہمیں دے دو تاکہ اس کو جلا دیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعود کو خوب مارا گیا۔

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

اعمش نے روایت کی ہے ابووائل شفیق بن سلم سے کہ جب حضرت عثمان نے قرآن کی نسبت وہ حکم دیا جو انہوں نے دیا تو عبداللہ بن مسعود نے ایک خطبہ لوگوں کے سامنے دیا جس میں کہا کہ کیا یہ مجھ کو حکم دیتے ہیں کہ میں قرآن کو زید بن ثابت کے مطابق پڑھوں۔ بخدائے لایزال میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ستر سورتیں اخذ کیں اور اس وقت زید ابن ثابت بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔

ابن عبدالبر۔ الاستیعاب الجزء الاول ترجمہ عبداللہ بن مسعود صفحہ ۳۷۳۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے جو حافظان قرآن تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عبداللہ ابن مسعود ان سب میں آنحضرتؐ سے نزدیک تر تھے اور زیادہ علم قرآن رکھنے والے تھے۔

الاستیعاب:۔ ترجمہ عبداللہ بن مسعود صفحہ ۳۷۲۔

۴۔ جو قرآن حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جمع کیا گیا تھا اور حضرت حفصہ کے پاس رکھا گیا تھا اور

جس کو اب حضرت عثمان نے نقل کے لئے طلب کیا تھا۔ وہ بھی کامل نہ تھا۔ اگرچہ زید ابن ثابت کا ہی جمع کیا ہوا تھا۔ اب چودہ برس کے بعد ان کو یاد آیا کہ اس میں ایک آیت **رجال صدقوا ما عاهدوا الاية** نہیں ہے لہٰذا اس کی تلاش میں نکلے۔

۵۔ تمام حفاظ اور صحابہ میں سے وہ کسی کے پاس سوائے خزیمہ بن ثابت کے نہ نکلی۔

۶۔ تو کیا احتمال نہیں ہوسکتا کہ اور ایسی ہی آیتیں ہونگی جو اسی طرح جمع ہونے سے رہ گئیں کیونکہ زید ابن ثابت کے ذہن سے اتر گئیں۔

۷۔ اس جمع شدہ قرآن کو چاہئے تھا۔ کہ مسجد میں صحابہ کے مجمع میں پیش کرتے۔ تاکہ اگر اس میں کوئی آیت نہ ہوتی تو دیگر لوگ اس کمی کو پورا کردیتے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہوتا۔ کہ تمام سلطنت سے قرآن شریف جمع کر کے اس سے مقابلہ کرتے۔

۸۔ لیکن ایسا نہ کیا بلکہ اس کو تو حکماً قطعی کر کے کسی اور کو اس پر گفتگو کرنے کا حق بھی نہ دیا۔ اور جس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اس کو مارا۔

۹۔ ایسی سختی کی درآنحالیکہ خود قرآن شریف کا علم نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے پاس مکمل نہ تھا۔ اگر اپنے پاس مکمل قرآن ہوتا تب بھی کچھ بات تھی۔

۱۰۔ اتنی مشکلات جمع قرآن میں پیش آئیں مگر حضرت علیؑ کی طرف رجوع پھر بھی نہ کیا۔ کیا امر بذات خود ایک بہت بڑی دلیل نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ ہی تمام بنو ہاشم کو نظرانداز کر دیا ان میں سے ایک کی طرف بھی اس کام کے لئے رجوع نہ کیا۔

ان تمام امور سے صریحاً ثابت ہے کہ جمع قرآن ایک سیاسی تدبیر تھی۔ حدیث مدینتہ العلم اور دیگر احادیث جو حضرت علیؑ کی شان میں تھیں اور لوگوں میں جاری تھیں ان کے اثر کو دور کرنے کے لئے بھی یہ ایک تدبیر تھی عام لوگوں کو جتانا مطلوب تھا کہ حضرت علیؑ سے بہت اعلیٰ و بہتر و افضل لوگ موجود ہیں۔ ان میں تو معاذ اللہ قرآن کے جمع کرنے کی بھی اہلیت نہیں ان سے تو ۲۲ برس کے چھوکرے زیادہ عالم قرآن ہیں۔

Presented by www.ziyaraat.net/

تحریف و اغلاط قرآن کے عقائد

صحیح بخاری میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ **باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم** یعنی آنحضرت ﷺ کا قول کہ البتہ تم چلو گے۔ اگلے لوگوں کی چالوں پر۔ اس باب کے تحت میں ایک حدیث یہ لکھی ہے:۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ البتہ تم چلو گے۔ اگلے لوگوں کی چالوں پر بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے ہم نے عرض کی کہ یا حضرت یہود و نصاریٰ کی چال پر چلیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہی نہیں۔ تو پھر کون۔ یعنی یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں ان کی چال پر چلو گے۔

صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتب والسنۃ۔ الجزء الرابع صفحہ ۱۷۶۔

یہ حدیث دیگر کتب احادیث یعنی صحیح مسلم و کنز العمال و سنن نسائی وغیرہ میں بھی درج ہے۔ یہودو نصاریٰ کا اپنی اپنی آسمانی کتابوں کی تحریف کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں کی ان آیات میں تحریف کی جو آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتی تھیں اور ایسی آیات کو چھپانا چاہتے تھے نہیں چاہتے تھے کہ ان کے مخالفین یعنی مسلمانوں کو معلوم ہو۔ وہ لوگ کلمات و الفاظ کو اصلی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ میں رکھ دیتے تھے۔ تاکہ سیاق و سباق کلام کی وجہ سے تاویل و معانی میں تحریف ہوسکے۔ ملاحظہ ہو پارہ ۱ سورہ بقرع ۵ ع ۵ و پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۷، و پارہ سورۃ النساء ع ۷۔ اس عالم الغیب و الشہادۃ نے اس پر ہی اکتفاء نہ کی کہ یہود اور نصاریٰ کے اس مذموم فعل کی قلعی کھولی جائے۔ بلکہ خود مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو کچھ خدا نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے بات کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے عذاب درد ناک ہے یہ وہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خرید لیا۔ تو بس اب یہ آتش

جہنم پر کیا اچھی طرح رہنے والے ہیں یہ اس لئے کہ یقیناً" خدا نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ بیشک بہت بڑی نافرنانی پر ہیں۔

ان آیات کو جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ جناب رسول خدا ﷺ کی اس حدیث کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے کچھ نتائج تو نکلتے ہیں۔ غور کی ضرورت ہے۔

تحریف دو قسم کی ہوتی ہے لفظی اور معنوی۔ پھر لفظی تحریف تین طرح سے ہوسکتی ہے۔

(۱) کسی لفظ کلمہ یا آیت کو اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا (۲) کمی الفاظ (۳) زیادتی الفاظ زیادتی الفاظ کا کوئی فریق قائل نہیں۔ یعنی اس موجودہ قرآن شریف میں انسانی کلام نہیں ہے۔ معنوی تحریف قرآن شریف کی آیات کی غلط تاویل کرنے کو کہتے ہیں اور اس کے سب قائل ہیں۔ جب ایک آیت کی مختلف تاویلیں ہوئیں تو ظاہر ہے کہ صحیح تاویل کے علاوہ باقی معنوی تحریف ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے سب فرقے اس غلط تاویل کا ہی نتیجہ ہیں۔ بہت سے صحابہ بھی چونکہ باب مدینہ علم نبی کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ قرآن شریف کی آیات کے معنی میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ آیات کو ان کی اصلی جگہ یا معنی سے اٹھا کر دوسرے موقعہ یا معنی پر رکھنا جس کو قرآن شریف میں **یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَہ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ** کے فقرے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ سو یہ بھی ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر آیہ تطہیر کو لو۔ اپنی موجودہ جگہ پر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے اور یہ تو سب مانتے ہیں کہ موجودہ قرآن شریف تنزیل کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔

اب ہم اس تحریف کا ذکر کرتے ہیں جو الفاظ یا آیات کی کمی کا نام ہے۔ اہل سنت و الجماعت کے علماء اس تحریف کا ذکر کرتے ہیں جو الفاظ یا آیات کی کمی کا نام ہے۔ اہل سنت و الجماعت کے علماء اس تحریف کے قائل نظر آتے ہیں۔ ان کی روایات ملاحظہ ہوں۔

امام شعرانی اپنی کتاب الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر میں لکھتے ہیں۔

کہا کہ اگر جناب رسول خدا ﷺ خود جمع قرآن کی نگرانی کرتے تو ہم ضرور توقف کرتے اور کہتے کہ یہی ہے وہ قرآن جس کی ہم روز قیامت تلاوت کریں گے اور کہا کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ یہ ضعیف دلوں کے واسطے سبقت کرے گا (یعنی ان کو شبہات پیدا ہوں گے) اور اس کہنے

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

سے نا اہلوں میں حکمت کو ڈال دینا ہوگا۔ (یعنی ایسا کہنے سے نااہل لوگوں کو حکمت کی بات بتا دینا ہوگا) تو ہر آئینہ ہم ان تمام آیات کو ضرور بیان کر دیتے جو مصحف عثمان سے ساقط ہیں اور کہا۔ شیخ الاکبر نے لیکن جو کچھ اب باقی ہے مصحف عثمان میں پس کسی نے اس میں تنازعہ نہیں کیا۔

(صفحہ ۱۴۳۔ بر حاشیہ الیوقیت والجواہر مطبوعہ مصر)

آپ نے دیکھا امام شعرانی اور ان کے شیخ کی تحقیق یہ ہے کہ اس موجودہ مصحف سے بہت سی آیات ساقط ہیں۔ اگر خود جناب رسالت ماب اس قرآن کے جمع کرنے کی نگرانی کرتے تو پھر ان کو کچھ عذر نہ ہوتا اور وہ یقین کرتے کہ یہ وہ ہی قرآن ہے۔ جس کی تلاوت روز قیامت ہوگی۔ مگر اب ان کو اس میں کلام ہے۔ ان ساقط شدہ آیات کو امام شعرانی محض اس وجہ سے بیان نہیں فرماتے کہ لوگوں کے اعتقادات میں ضعف آجائے گا۔

کتاب الدر المنثور میں علامہ جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں۔

ابو عبید و ابن الضریس اور نیز ابن الانباری المصاحف میں ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔

ابن عمر نے کہا کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے۔ کہ میرے پاس مکمل قرآن ہے اسے کیا معلوم۔ کہ مکمل قرآن کتنا تھا۔ قرآن شریف کا بہت سا حصہ ضائع ہوگیا ہے ہاں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس اتنا قرآن ہے جتنا آپ ظاہر ہے۔

سورہ احزاب و آیت رجم :۔ دراصل سورہ احزاب بہت طویل تھی۔ سورۃ البقرہ سے بہت بڑی تھی اور اس میں آیت رجم تھی۔

جلال الدین سیوطی:۔ کتاب الدر المنثور الجزء الخامس صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰۔

تفسیر اتقان۔ امام راغب اصفہانی۔ محاضرات۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سورہ الاحزاب کی دو صد آیتیں پڑھی جاتی تھی۔ مگر جب عثمان نے قرآن لکھوائے۔ تو ان کو صرف اتنی ہی مل سکیں کہ جتنی اب ہیں۔

آیت رجم قرآن شریف کا حصہ ہے مگر موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

صحیح بخاری الجزء الرابع باب رجم الحبلی صفحہ ۱۱۹۔ و مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ۲۳، ۳۰، ۵۵، الجزء الخامس صفحہ ۱۳۲، ۱۸۳ در منثور الجزء الخامس صفحہ ۱۸۰ و تفسیر اتقان الجزء الاول صفحہ ۵۸۷ موطائے امام مالک و محاضرات امام راغب، فتح الباری ابن حجر عسقلانی

سورۃ الخلع و سورۃ الحفد موجودہ قرآن شریف میں یہ دونوں سورتیں اب موجود نہیں لیکن ان بزرگواروں کا اعتقاد ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن شریف کا جزو ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کا کلام ہیں لیکن حضرت عثمان جلال الدین سیوطی نے تو ان دونوں سورتوں کو مکمل اپنی کتاب در المنثور میں لکھا ہے اور ان کی تفسیر بھی کی ہے۔

جلال الدین سیوطی کتاب الدرالمنثور الجزء السادس صفحہ ۴۲۰، ۴۲۱۔

تفسیر اتقان الجزء الاول النوع التاسع فی عدسورہ و آیاتہ و کلماتہ و حروفہ و صفحہ ۶۵ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا۔ تو ہم وہ تمام حوالے اور کتابوں کے نام لکھتے جن میں ان دونوں سورتوں کا قرآن عبداللہ ابن مسعود و ابی بن کعب و ابن عباس میں موجود ہونا بیان کیا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری بھی ان سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے اور حضرت علیؑ نے یہ دونوں سورتیں عبداللہ غفقی کو تعلیم کی تھیں جیسا کہ کتاب الدر المنثور میں یہ سب درج ہیں۔

اور کئی سورتیں اور آیات غائب اور ضائع شدہ بیان کی جاتی ہیں مگر ان کی تفصیل ہمارے موضوع سے باہر ہے ہاں یہ ثابت کرنا ہمارے ذمے ہے کہ خود ان بزرگوں کے عقیدے کے مطابق قرآن شریف میں صحابہ کے بہت سے مثالب و معائب بیان کئے گئے تھے اور حضرت علیؑ کے بہت سے فضائل تھے جو جامع قرآن کمیٹی نے خارج کر دیئے چنانچہ سورہ توبہ کی نسبت لکھتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ و ابو الشیخ و حاکم و ابن مردویہ اور طبرانی نے اوسط میں اپنے اپنے اسناد کے ساتھ حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جس کو تم سورہ توبہ کہتے ہو وہ سورہ عذاب ہے تم بخدا اس نے تو صحابہ میں سے کسی کو بغیر اس کے معائب بیان کئے چھوڑا ہی نہیں۔ تم تو اس سورۃ کا چوتھائی حصہ بھی نہیں پڑھتے جو ہم پڑھا کرتے تھے ---------- ابو عبید و ابن المنذرہ ابو الشیخ و ابن مردویہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ

Presented by www.ziyaraat.net/

میں نے ابن عباس سے سورہ توبہ کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ سورہ توبہ کیا وہ سورہ فاضحہ یعنی عیب ظاہر کرنے والا سورۃ ہے وہ نازل ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا اور ابو عوانہ و ابن المنذر و ابو الشیخ و ابن مردویہ اپنے اپنے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کے سامنے سورہ توبہ کا ذکر ہوا۔ انہوں نے کہا یہ تو عذاب سے زیادہ قریب ہے اس نے تو ہم میں سے کسی کو چھوڑا ہی نہیں۔ ابو الشیخ نے اپنے اپنے اسناد کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ اس سورۃ کا تو نازل ہونا ختم ہی نہ ہوا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی بغیر عیب بیان کئے نہ چھوڑے گی۔ اور اس کا نام ہم نے فاضحہ رکھا۔

اور ابو الشیخ نے اپنی اسناد کے ساتھ حذیفہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ تمہارے پاس تو اصل سورہ توبہ کا تیسرا حصہ بھی نہیں ہے۔

جلال الدین سیوطی :۔ کتاب الدرالمنثور الجزء الثالث صفحہ ۲۰۸۔ تفسیر اتقان۔

دیکھئے ان روایات کو جلیل القدر علماء مثل حاکم و ابو شیبہ و طبرانی و ابو الشیخ و ابن مردویہ و ابن المنذر و ابو عوانہ و جلال الدین سیوطی نے بیان کیا ہے ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سورہ توبہ تین چوتھائی کے قریب ضائع ہوگئی اس میں صحابہ کے معائب و مثالب کھول کھول کر بیان کئے گئے تھے۔ اب وہ مصائب و مثالب موجودہ سورۃ میں نہیں ملتے ثابت ہوا کہ وہ حصہ سورہ توبہ کا ساقط کر دیا گیا ہے جس میں یہ معائب و مثالب تھے۔

حالات حضرت ابوبکر

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۷ سطر ۳ پر تحریر ہے۔

نام عبداللہ ابن ابی قحافہ تھا' ابی قحافہ کا نام عثمان بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ تھا ان کی والدہ ام الخیر تھیں جن کا نام سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ تھا۔ ابوبکر کی اولاد میں عبداللہ اور اسماء ذات النطاقین تھیں اور ان دونوں کی والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن عبداسعد ابن نضر بن مالک بن حسل بن عامر لوی تھیں۔

عبدالرحمٰن اور عائشہ ان دونوں کی والدہ ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن

عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن الحارث بن غنم بن مالک بن کنانہ تھیں اور کہا جاتا ہے کہ ام رومان بنت عامر بن عمیرہ بن ذہل بن دہمان بن الحارث بن غنم بن مالک بن کنانہ تھیں۔

محمد بن ابی بکر ان کی ماں اسما بنت عمیس بن معد بن تیم بن الحارث ابن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن مالک بن نسر بن وہب اللہ ابن شہران بن عفرس بن حلب بن اقتل تھیں اور ابن اقتل خثعم تھے۔

ام کلثوم بنت ابی بکر' ماں حبیبہ بنت خازجہ بن زید بن ابی زہیر بنی حارث بن الخزرج میں سے تھیں' ان کی ولادت میں تاخیر ہوئی' ابوبکر کی وفات ہوگئی تو وہ پیدا ہوئیں۔

قیس سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب کو دیکھا۔ کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے پاس تھے حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! خلیفہ رسول کا قول سنو اور اطاعت کرو۔ وہ خلیفہ رسول کہتے ہیں کہ میں نے تم کو نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی راوی کہتا ہے کہ عمر کے ساتھ اس وقت حضرت ابوبکر کا غلام شدید بھی تھا اور اس کا ہاتھ میں ایک وثیقہ تھا۔ جس میں استخلاف عمر کا حکم تھا۔

محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الامم و الملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۲' ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۱۶۳۔

آخر کار کوڑے کے ڈر سے حضرت عمر نے لوگوں سے اپنی خلافت منوا ہی لی۔ حضرت عمر کے طرز عمل پر غور تو کرو۔ اب تو لوگوں کو تاکید کرتے ہیں کہ خلیفہ رسول کے حکم کو سنو اور اطاعت کرو۔ مگر جب ایسے ہی موقعہ پر خود رسول اللہ نے حکم دیا۔ تو فرمایا کہ یہ آدمی تو ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے لئے تو کتاب خدا کافی ہے اور اب کتاب خدا کا خیال بھی نہیں آتا۔

حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے سے پہلے حضرت ابوبکر نے صرف اپنے ہم خیال شخص عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا مگر انہوں نے بھی تائید نہ کی اور جب باوجود اس نصیحت کے حضرت ابوبکر نے ان کو خلیفہ مقرر ہی کر دیا تو کئی لوگوں نے شکایت کی اور حضرت ابوبکر کی رائے کو بدلنا چاہا۔ مگر یہ تو پہلے ہی طے ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر بھی لاچار تھے۔

اپنے مرض الموت میں حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے لئے وثیقہ خلافت لکھ دیا۔ راوی

Presented by www.ziyaraat.net/

نے ذکر کیا کہ جب حضرت ابوبکر نے انہیں خلیفہ مقرر کرنے کا ارادہ کر لیا تو عبدالرحمٰن کو بلایا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے اور عبدالرحمان سے کہا کہ عمر کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول ﷺ جیسی آپ کی رائے اس کی نسبت ہے وہ اس سے بہتر ہے اور کئی لوگوں سے بہتر ہے لیکن اس کی طبیعت میں سختی ہے۔

محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الامم و الملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۱' ابن الاثیر۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی صفحہ ۱۶۳

اس عبارت کے لئے بھی ذرا غور کی ضرورت ہے عبدالرحمان کہتے ہیں کہ عمر آپ کی رائے سے افضل ہے ظاہر ہے کہ عبدالرحمٰن کی رائے لینے سے پہلے حضرت ابوبکر نے اپنی رائے حضرت عمر کے متعلق ظاہر کر دی ہوگی۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ رائے یا تو اچھی ہوگی یا بری' اگر اچھی رائے تھی۔ تو پہلے ابوبکر نے عبدالرحمٰن کو اپنی رائے سے متاثر کرنا چاہا تھا کہ بادشاہ وقت کی رائے معلوم کر کے وہ ہاں میں ہاں ملا دیں۔ اگر وہ رائے بری تھی تو باوجود حضرت عمر کو برا جانتے ہوئے انہوں نے ان کو خلیفہ مقرر کر دیا۔

اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر کہتی ہیں کہ طلحہ بن عبید اللہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ تم نے عمر کو لوگوں پر حاکم بنا دیا ہے حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تو بھی لوگوں نے اس سے کیا دکھ اٹھائے اور اب کیا ہوگا کہ تم موجود نہ ہوگئے اور وہ خود مختار ہوں گے' تم اپنے پروردگار سے ملنے والے ہو اور وہ تم سے تمہاری رعایا کے متعلق سوال کرے گا۔ ابوبکر اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو لوگوں نے ان کو اٹھا کر بٹھا دیا تو انہوں نے طلحہ سے کہا کہ تو مجھ کو خدا سے ڈراتا ہے جب میں خدا سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں کہوں گا کہ میں نے تیری مخلوق پر تیرے بہترین بندہ کو حاکم بنا دیا ہے۔

محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الامم و الملوک الجزء الرابع صفحہ ۵۴' حسین دیار بکری۔ تاریخ الخمیس الجزء الثانی صفحہ ۲۶۹

یعنی طلحہ و زبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ خدا کو کیا جواب دو گے کہ تم نے عمر کو باوجود اس کی سخت طبیعت کے حاکم بنا دیا جب انہوں نے سنا کہ ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنا دیا تو مہاجرین و

انصار ان حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے اوپر عمر کو حاکم مقرر کر دیا حالانکہ تم عمر کو جانتے ہو اور ان فتنہ و فساد و مظالم سے بھی آگاہ ہو جو عمر نے ہمارے اوپر کئے ہیں یہ تو جب تھا کہ تم ہم میں تھے جبکہ تم نہ ہوگے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے تم اب خدا سے ملاقات کرنیوالے ہو جب خدا تم سے پوچھے گا تو تم کیا جواب دو گے؟

ابن قتیبہ کتاب الامامت و السیاستہ الجزء الاول صفحہ ۱۹

حضرت عمر کے استخلاف پر خاموش رہنے والے خاموش رہے اور اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کئے مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ حاکم مقرر کرنا رعایا کا حق تھا۔ حضرت ابوبکر کا حق نہ تھا۔ نتیجہ صاف نکلا کہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ نے اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں کیا کہ اپنا حاکم خود مقرر کرنا رعایا کا حق تھا محض ڈھکوسلا ہے اس وقت کے لوگ تو اس کو جانتے ہی نہ تھے اور نہ کبھی اس کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ جب اس کے ذکر کرنے کا موقعہ آیا تب بھی ذکر نہ کیا بلکہ مان لیا کہ خلیفہ مقرر کرنا تو حضرت ابوبکر کا حق ہے مگر انہیں چاہئے کہ عمر کو خلیفہ نہ مقرر کریں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے حضرت ابوبکر کو اور تمام امت اسلامیہ کو اس بات کا احساس تھا کہ مرنے والے حاکم سے خداوند تعالیٰ کے یہاں باز پرس ہوگی کہ جب تم دنیا سے چلنے لگے تھے۔ تو تم نے اپنی رعیت کا کیا انتظام کیا اور اپنی جگہ کس کو حاکم مقرر کیا۔ مگر اس بات کا اگر احساس نہیں تھا تو جناب رسولؐ خدا تو امت کو اسی طرح بغیر اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے چھوڑ گئے تاکہ ان کے پیچھے فتنہ و فساد ہوا کریں۔ اس باز پرس میں سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اپنا جانشین مقرر کرنا مرنے والے حاکم کا حق نہیں بلکہ فرض ہے اور اگر وہ اس فرض کو ادا نہ کرے گا یا بری طرح ادا کرے گا تو اس سے باز پرس کی جائے گی۔

جماعت حکومت کے ہندوستانی مورخوں میں سے مولوی شبلی بڑے پائے کے مورخ سمجھے گئے ہیں جنہوں نے تاریخ و مناظرہ کو اچھی طرح خلط ملط کر کے خوب کھچڑی بنائی ہے وہ کہتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہوگیا تھا کہ خلافت کا بار گراں حضرت عمر کے سوا اور کسی سے نہیں اٹھ سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے عام رائے کا اندازہ کرنے

Presented by www.ziyaraat.net/

کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ان کی سختی اسلئے تھی کہ میں نرم تھا جب کام ان ہی پر آن پڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے پھر حضرت عثمان کو بلا کر پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔ جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو .بعضوں کو تردد ہوا' چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے۔ عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا خدا جانے کیا کریں گے آپ اب خدا کے یہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیں گے حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلوایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا۔ مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان نے پڑھا تو حضرت ابوبکر بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے۔"

الفاروق' مولوی شبلی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۸ء مفید عام آگرہ حصہ اول صفحہ ۷۶-۲'۱۷۷۔' شمس التاریخ صفحہ ۷

ناظرین نے حضرت شبلی کے زور قلم کو دیکھا بہت کوشش کی لیکن مضمون میں جان نہ پڑ سکی۔ مدتوں کے تجربے کی بجائے سقیفہ بنی ساعدہ کا تجربہ کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ اکابر صحابہ سے مشورہ تو کیا لیکن اکابر صحابہ میں صرف عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان ہی ملے۔ یہ تو وہی اپنی جماعت کے ممبر تھے۔ حضرت عثمان حسب تصفیہ باہمی خلیفہ ہوئے اور عبدالرحمٰن خلیفہ گر۔ تعجب ہے کہ اکابر صحابہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا کوئی ممبر شامل نہ تھا۔ کیا وہ اکابر صحابہ میں سے نہ تھے یا اکابر صحابہ اس ملی بھگت ہم مشورہ جماعت کا نام تھا جو خاندان رسالتؐ کے قطعی مخالف تھے۔ یہ دو بزرگوار بھی حضرت عمر کے عیوب بیان کئے بغیر نہ رہ سکے۔

ایک اور فقرہ ملاحظہ ہو۔ بعضوں کو تردد ہوا یہ بعضوں بصیغہ جمع کون بزرگ تھے۔ ان کو کیوں تردد ہوا۔ باوجود اپنی لیاقت کے حضرت شبلی اس معمہ کو حل نہ کر سکے وہ بعض حضرات اپنے اصرار میں ایسے راسخ تھے کہ خدا تک سے ڈرایا مگر روز الست کے وعدہ کی خلاف ورزی ہو جائے روز سقیفہ کا پیمان نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ حضرت ابوبکر کو اپنی ڈھائی سال کی خلافت کے تجربے سے تو حضرت عمر کی لیاقت معلوم ہوگئی مگر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے عمر بھر کے تعلقات سے حضرت علیؑ کی لیاقت نہ معلوم ہوئی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی ڈھائی سال کے تعلقات سے تو حضرت عثمان نے نتیجہ نکال لیا کہ حضرت ابوبکر کا منشا حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے کا ہے لیکن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ کے عمر بھر کے تعلقات اور اقوال صریحہ سے امت نتیجہ نہ نکال سکی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا منشا تھا۔ یہ تجاہل عارفانہ سیاسی ہے۔

خدا کے سامنے جس جواب کے پیش کرنے کا تہیہ حضرت ابوبکر نے کیا تھا اس کی حقیقت پر غور فرمائیے وہ کون سے واقعات تھے جن کی بناء پر حضرت ابوبکر کہہ سکتے تھے کہ ان کے پسماندگان میں سے جن میں حضرت علی و حسنینؑ علیہم السلام تھے حضرت عمر سب سے افضل تھے۔ سبقت اسلامی میں ان کا نمبر بہتوں سے پیچھے تھا۔ ان کی عبادت و ریاضت کسی گنتی ہی میں نہیں' کبھی جود وسخا کی مثال نہیں سنی گئی کسی غزوہ یا سریہ میں کوئی کارنمایاں نہیں کیا۔ اکثر جگہ فرار کو ثبات قدم پر مقدم فرماتے رہے پھر حضرت علیؑ سے کس بات میں افضل ہوئے ہاں سقیفہ سازی میں آپ کی قابلیت نمایاں تھی' مگر وہ خلیفہ اسلام کی شان کے منافی ہے۔ اگر حضرت ابوبکر نے واقعی اپنے دل کا یقین بیان فرمایا تو پھر ہم یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ کہ کسی شے یا شخص کی محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور اگر یہ صرف دفع الوقتی و بحث کی خاطر بیان فرمایا تھا تو یہ وہ دلیل تھی جس نے کسی کو قائل نہ کیا ہوگا۔ اس واقعہ استخلاف سے مندرجہ ذیل امور نکلتے ہیں۔

۱۔ اگر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خلیفہ مقرر کیا اور حضرت ابوبکر نے اس کی نافرمانی کی تو وہ گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے۔

۲۔ اگر جناب رسول خداؐ نے اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ یہ حق رعایا کو دیا تو

Presented by www.ziyaraat.net/

حضرت ابوبکر نے سنت رسولؐ کے خلاف کرکے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنے میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ حضرت ابوبکر تو سنت رسولؐ کی پیروی بہت کرنا چاہتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ سے باغ فدک چھیننے کے وقت یہی فرمایا تھا کہ جو جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت تھی اس کے خلاف سرمو تجاوز نہ کروں گا۔ اب کیا ہوگیا۔

۳۔ یہ سنت رسولؐ ایسی ہی قابل پابندی تھی جیسی کہ وہ سنت رسولؐ جس نے نمازوں کے لئے رکعات مقرر کی تھیں۔ قرآن شریف میں تقسیم رکعات نہیں ہے یہ سنت رسولؐ ہے۔

۴۔ ولید نے تو محض اپنے قول ہی سے سنت رسولؐ کی خلاف ورزی کرنی چاہی تھی جب اس نے شراب کے نشہ میں لوگوں کی رائے پوچھی کہ نماز فجر کی دو کے بجائے چار رکعت پڑھا دوں لیکن حضرت ابوبکر نے اپنے قول و فعل دونوں سے سنت رسولؐ کی خلاف ورزی کی اور اس خلاف ورزی کا اثر اسلام پر ایسا پڑا کہ اس کو مسخ ہی کر دیا۔

۵۔ ہم حضرت ابوبکر کے امامت نماز کے قضیہ کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت عمر کے ایک دفعہ کی نماز پڑھانے سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خدا اور رسولؐ و مومنین انکار کرتے ہیں کہ عمر نماز پڑھائے۔ خلیفہ کا پہلا فرض تھا کہ نماز پڑھائے۔ ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرکے خدا اور اس کے رسولؐ کو ناراض کیا۔

۶۔ قطعاً ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا یہ فعل استخلاف عمر ناجائز تھا۔

۷۔ یہی فعل حضرت عمر کی خلافت کی بناء تھا لہٰذا حضرت عمر کی خلافت ناجائز ہوئی۔

۸۔ لہٰذا ناجائز خلافت کے دوران میں حضرت عمر نے جو احکام صادر کئے اور جن افعال کے وہ مرتکب ہوئے وہ سب ناجائز تھے۔

۹۔ حضرت عمر کا نماز پڑھانا لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا' سزائیں دینی' انعامات تقسیم کرنے' لڑائیاں اور احکام تقرر شوریٰ سب ناجائز ہوئے۔

۱۰۔ لہٰذا حضرت عثمان کا تقرر اور ان کی خلافت بھی ناجائز کیونکہ وہ حضرت عمر کے مقرر

کردہ شوریٰ میں سے تھے۔

۱۱۔ حضرت ابوبکر نے تنہائی میں حضرت عثمان کو بلوا کر کیوں وثیقہ خلافت لکھوایا' غالباً اس لئے کہ اگر بنو ہاشم یا عام لوگوں کو معلوم ہوگیا تو مجھے وہ لوگ وصیت نہ لکھنے دیں گے جس طرح ہم نے جناب رسولؐ خدا کو نہ لکھنے دی **المرء یقیس علیٰ نفسہ**۔

۱۲۔ حضرت عثمان نے جو اس دستاویز میں اہم تصرف کیا تھا اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

۱۳۔ حضرت عمر کے لئے جبراً بیعت لی گئی' مہاجر و انصار اس استخلاف کے خلاف تھے۔

۱۴۔ اس قسم کی حکومت کا نام مناسب ہوگا۔ جمہوریت؟ آمریت؟ انتخاب؟ یا کچھ اور نام رکھو۔

۱۵۔ حضرت ابوبکر نے بھی اول عبدالرحمٰن بن عوف کو خلافت عمر پر راضی کرنا چاہا حضرت عمر نے بھی اس ہی عبدالرحمٰن بن عوف کو ثالث مقرر کیا حضرت ابوبکر کے راز دار بھی عثمان تھے۔ جن کی خلافت کی تجویز حضرت عمر نے شوریٰ کے ذریعے سے کی تھی۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا اب حضرت ابوبکر وہ بدلہ اتار رہے ہیں یہ سب امور ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ ایک ہی جماعت تھی جس کے ہر فرد کا اتحاد و مقصد نمایاں ہے۔

۱۶۔ اس وقت **حسبنا کتاب اللّٰہ** کہنے والوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔

۱۷۔ معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے فعل کا محرک نہ اسلام کا عشق اور نہ جمہوریت کا خیال تھا اور نہ ہی کتاب اللہ کی اطاعت منظور تھی غرض تو فقط یہ تھی کہ کسی طریقہ سے اپنا مقصد حاصل ہو۔

(البلاغ المبین جلد ۲ ص ۱۶۸)

خلافت دوئی کے واقعات

محقق ابوالفدا کے نزدیک خلافت اولیٰ کے ایام دو برس تین مہینے اور دس دن قائم رہ کر تمام

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

ہو گئے خلیفہ اول نے اپنی وفات سے پہلے عمر ابن الخطاب کو اپنا قائم مقام او رجانشین قرار دے لیا تھا یہ امر بعض صحابہ کی مرضی کے خلاف بھی تھا طلحہ ابن عبداللہ اس استخلاف کے نہایت خلاف تھے ہم ان کے اختلاف کی پوری کیفیت طلحہ ابن عبداللہ کے حالات میں لکھیں گے۔"

حضرت ابی بکر کی رحلت کے بعد حضرت عمر ابن الخطاب (بالوصیت) خلافت کے مستحق ٹھہرے اور خلیفہ بنائے گئے اور مملکت اسلامی کے تمام کاروبار **من حیث الامارۃ** انہیں پر منتقل ہو گئے عمر ابن الخطاب نے خلیفہ ہوتے ہی سوچا کہ اسلامی مملکت میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام سے رائے نہ لینا ایک بہت بڑی غلطی ہے ان امور کی نسبت جتنی تحقیقات اور جتنے تجربے ان کو حاصل ہیں اور کسی کو بھی نہیں خدمت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں تحصیل علم کا جس قدر موقع ان کو ملا اتنا کسی کو بھی نہیں اَقضَاکُم عَلِی انہیں کے معلومات کا تمغہ تھا فتوحات کے اعتبار سے تو ایسا بزرگ جو کامل دس گیارہ برس تک اس ملک میں تمام فوجی خدمتیں بجا لا چکا ہو اور بہت دنوں تک سپہ سالاری کے اعلیٰ منصب پر ممتاز رہا ہو اور اپنے حسن و سعی اور قوت بازو سے اپنی فتوحات کا سلسلہ عرب سے لے کر روم و فارس کی سرحد تک پہنچا چکا ہو اگرچہ وہ کسی وجہ سے اب کسی ایسی خدمت کی تفویض کے قابل نہ سمجھا جاتا ہو مگر تاہم اس کو بالکل معطل سمجھ کر چھوڑ دینا اور حرف غلط سمجھ لینا سیاق حکمرانی کے خلاف ہے اسی تجویز کے اعتبار سے خلیفہ عصر نے دو امروں میں زیادہ آپؑ کی ضرورت دیکھی ایک محاربات میں دوسرے دینیات میں خلافت ثانیہ میں جتنے محاربات واقع ہوئے اور فتوحات ملکی کو جتنی وسعت ہوئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محاربات کی ابتداء کسی مناسب موقع اور وقت پر لے گئی وہ اس کے اصول پر کسی خوبی سے فوج کو تعلیم کی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غنیم شکست پر شکست کھاتا رہا اور اسلام کی کامیاب فوج دور دور تک ان کا تعاقب کرتی رہی۔

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے قریب قریب تمامی معرکوں میں خلیفہ عہد کی درخواست پر امور فوجی میں ان کو مدد پہنچائی ہم صرف جنگ فارس کی کیفیت کسی قدر تفصیل کے ساتھ تاریخ کامل ابن اثیر کے ترجمہ سے لکھتے ہیں۔

جنگ فارس کی ابتدا ۱۳ھ میں ہوئی۔ فوج اسلامی بہت کم تھی۔ اور عجموں کا لشکر کثرت

سے تھا محاصرہ تک تو فوج اسلامی کے اچھے رخ رہے مگر مقابلہ کا جوں جوں وقت قریب آتا گیا غنیم کی کثرت دیکھ کر ان کی ہمت میں کمی آتی گئی ہوشیار اور تجربہ کار سپہ سالار متعینہ میدان جنگ نے خلیفہ عہد کو بلا بھیجا کہ آپ کی موجودگی سے بے دم فوج پھر تازہ دم ہو جائے گی اور ہر ایک کو اپنی ہمت اور جرات اور حسن و عقیدت کا ضرور جوش آجائے گا جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو خلیفہ عہد کو سخت تشویش ہوئی اور بغرض مشورہ سب کو جمع کیا خلیفہ نے اپنے جانے کا قصد ظاہر کیا اس پر طلحہ ابن عبداللہ نے کہا کہ جو تمہاری رائے ہے وہ ان سب سے اچھی ہے کیونکہ ہر قسم کا تجربہ اٹھا چکے ہو ہم لوگوں کو کوئی دخل نہیں جو حکم دو اس کی تعمیل کریں تب عثمان کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ شام سے اور یمن سے لشکروں کو بلا لو اور خود حرمین کے لوگوں کے ساتھ کوفہ و بصرہ کی طرف جا کر جنگ میں شریک رہو اور اپنے لشکروں کو ٹھہراؤ اور تمہارا غائب رہنا ایسے معرکہ سے مناسب نہیں خلیفہ کو اس مشورہ پر بھی اطمینان نہ ہوا دوبارہ صلاح لی تو جناب علیؑ مرتضیٰ نے فرمایا کہ اگر شام کا لشکر وہاں بھیجو گے تو روم والے پلٹ پڑیں گے جو قدیم سے وہاں کے حکمران تھے اور ملک بھی انکا ہے اور اگر یمن کا لشکر بھیجا جائے گا تو حبشہ والے ٹوٹ پڑیں گے۔ اور اگر تم خود یہاں سے جاؤ گے تو چاروں طرف سے عرب کے قبائل ٹوٹ پڑیں گے۔ مصلحت یہ ہے کہ اہل بصرہ کو تین حصوں پر تقسیم کرو ایک بال بچوں میں رہے دوسرا اہل ذمہ کی حفاظت کرے تیسرا فرقہ اہل کوفہ کی مدد میں بھیجا جائے جو لشکر فارس سے لڑ رہے ہیں اگر تم خود جاؤ گے تو بادشاہ عجم تم کو دیکھ کر سمجھ لے گا کہ بس یہی بادشاہ عرب ہے جرات بڑھ جائے گی اور ہم لوگ جب لڑتے ہیں تو کثرت ناز کے بھروسے پر نہیں لڑتے تھے بلکہ خدا کے تقرب کی امید پر (زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) خلیفہ عصر نے کہا بیشک یہی رائے صحیح ہے اور اسی کے مطابق عمل کیا تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳

جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام کی یہ تجویز ایسی مفید نکلی تھوڑے ہی دنوں میں اطمینان قائم رہا اس کے علاوہ محاصرہ روم کے وقت بھی آپ نے اپنی ایسی ہی اعلیٰ رائے سے خلیفہ عصر کو مدد پہنچائی تھی۔ دیکھو ابوالفدا وا قدی اعثم کوفی روضۃ الصفا وغیرہ اور انہیں اصول پابندیوں کی وجہ سے ان تمام معرکوں میں اہل اسلام اپنے مخالف کے مقابل رجز خوانیوں میں ہمیشہ جناب علی مرتضیٰ

Presented by www.ziyaraat.net/

علیہ السلام کی شجاعت اور دلیریوں کو یاد دلا کر ان میں اسلام کی ہیبت اور شوکت پیدا کرتے تھے دیکھو صحیح الواقدی خلافت ثانیہ۔

ان واقعات کے بعد ہم تھوڑے سے وہ حالات بھی لکھتے ہیں جو دینیات میں شامل ہیں ان مسائل کے فیصل کرنے میں خلیفہ عصر کو جناب علیؑ مرتضیٰ سے ضرور دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی ہے۔

ایک شخص نے مرد انصار میں سے کسی کو مار ڈالا خلیفہ عہد نے قاتل کو پکڑ کر پسر مقتول کے حوالے کیا اس نے دو ضرب تیغ لگائی وہ زخم کارگر بھی ہوئے مگر تاہم رہتے جان باقی رہ گئی اس کے اعزا اسے اٹھا لائے علاج کیا گیا حیات باقی تھی اچھا ہوگیا اس مقتول اول کے بیٹے نے ایک دن پھر اس کو پکڑا اور دربار خلافت میں لا کر بار دیگر پھر اس سے اپنے باپ کا قصاص لینا چاہا خلیفہ عصر نے قتل کی اجازت دے دی جناب علیؑ مرتضیٰ موجود تھے خلیفہ سے اس کے بار دیگر قتل کئے جانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا النفس بالنفس جان کے عوض جان ہے حضرت نے فرمایا کہ پہلے قتل نہیں ہوا تھا کہاں ہاں آپؑ نے فرمایا تو اس کو دوبارہ قتل کئے جانے کا حکم ہوتا ہے جواب ملا ہاں خلیفہ عصر نے پوچھا کہ آپؑ کی رائے اس مسئلہ میں کیا ہے جواب میں ارشاد ہوا کہ اس کو رہا ہونا چاہئے وہ مرد انصاری چلایا کہ یا ابوالحسن آپ چاہتے ہیں کہ میرے باپ کے خون کو باطل کریں آپؑ نے فرمایا نہیں لیکن حق یہ ہے کہ اول اس کو اتنی قوت دی جائے کہ وہ اپنی سابق سزا کا تجھ سے بدلا لے اور جو کچھ تو نے اس کے ساتھ کیا ہے وہ تیرے ساتھ کر لے بعد ازاں اگر تو جانبر ہو تو اپنے باپ کا قصاص اس سے لے سکتا ہے انصاری نے کہا کہ قسم بخدا میں اس کی ضرب کے صدمے سے ہرگز جان بر نہیں ہو سکتا آپؑ نے فرمایا کہ ضرور ہے کہ وہ پہلے تجھ سے اپنا خاص قصاص لے لے انصاری نے کہا میں اس کے خون سے درگذر اور وہ میرے قصاص کو چھوڑ دے دونوں میں یہی تصفیہ ہوا اور ہر ایک اپنے دعوے سے دست بردار ہو کر دربار خلافت سے رخصت ہوا اور خلیفہ عصر نے نہایت فخر و اعزاز سے جناب علیؑ مرتضیٰ کی عدالت پر ناز کیا اور کہا **لولا علی لهلک عمر۔**

کچھ لوگ شام سے حج کے لئے آتے تھے ایک مقام پر پانچ انڈے شتر مرغ کے آشیانہ سے

نکال کر پکائے اور کھائے بعد فراغت طعام کے یاد آیا کہ حالت احرام میں شکار کیا خطا کی مدینہ میں پہنچے تو خلیفہ عصر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطاؤں کے کفارہ کی نسبت سوال کئے ممیّزین اسلام میں سے جو لوگ حاضر تھے ان سے رائے لی کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ آخر وہ مسئلہ یونہی کا یونہی رہ گیا تب خلیفہ عصر نے سوچا کہ یہ عقدہ بغیر جناب علیؑ مرتضیٰ کے اور کسی سے حل نہیں ہو سکتا۔ عطیہ ایک عورت سر دربار کسی ضرورت سے حاضر تھی اس سے اس کا گدھا لے کر دربار خلافت سے اٹھے اور جناب علیؑ مرتضیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے دستک دی جناب علیؑ مرتضیٰ باہر آئے خلیفہ عہد نے ساری نقل بیان فرمائی آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ ناقوں پر شتران نر کو چھوڑ دیں جب بچے ان سے پیدا ہوئے تو ان کو اس فعل کے کفارہ میں قربانی کریں خلیفہ عصر نے کہا کہ یا ابوالحسنین حمل کبھی ساقط بھی ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ انڈے بھی کبھی گندے ہو جاتے ہیں۔

ایک عورت دربار خلافت میں حاضر کی گئی وہ زنا میں ماخوذ تھی قصہ یوں تھا کہ ایک مرتبہ کبیر السن نے اس عورت سے نکاح کیا اور وہ قربت کے وقت اسی کے پیٹ پر مر گیا تھوڑے دنوں کے بعد وہ عورت ایک بچہ جنی پسران شیخ نے اس عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور کہا کہ یہ بچہ ہمارے باپ کے نطفہ سے نہیں ہے دربار خلافت سے تو اس پر بیان سنگباری کا حکم لگا دیا گیا مگر جناب علیؑ مرتضیٰ نے سر راہ اس عورت کی کیفیت سنی عورت نے آپؑ کو دیکھ کر ایک کاغذ آپؑ کے ہاتھ میں دیا جس میں اس کی تاریخ نکاح وغیرہ درج تھی جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان سے ارشاد ہوا کہ یہ عورت اپنے نکاح وغیرہ سے خبر دیتی ہے پھر اس سے کیوں مزاحم ہوتے ہیں۔ واپس لے چلو وہ عورت اس دن تو واپس چلی گئی دوسرے دن آپؑ دربار خلافت میں تشریف لے گئے وہ عورت بھی معہ اپنے لڑکے کے حاضر کی گئی آپؑ نے محلے کے اور بچوں کو بلایا اور انہیں میں اس لڑکے کو بھی شریک کر دیا اور فرمایا کہ آپس میں کھیلنے جاؤ وہ بچے آپس میں کھیلنے لگے جب وہ خود کھیل کود کر تھک گئے تو آپؑ نے سب بچوں کو حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ سب کھڑے ہو گئے پھر فرمایا بیٹھ جاؤ سب بیٹھ گئے پھر کہا کہ کھڑے ہو جاؤ سب کھڑے ہو گئے مگر اس عورت کا بچہ نہایت دقت میں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر کھڑا ہوا آپؑ نے اس کو میراث میں شامل کیا اور پیر مرد

Presented by www.ziyaraat.net/

کے بیٹوں کو حد تہمت کی سزا دی خلیفہ عصر نے استفصار کیا تو جواب میں فرمایا کہ میں نے اس لڑکے کے ہاتھ زمین پر سے اٹھتے ہی پہچان لیا کہ اسی بوڑھے باپ کا بیٹا ہے کیونکہ باپ کا ضعف اس میں ابھی تک موجود ہے ایک روز پانچ شخص زنا کے جرم میں گرفتار ہو کر دربار خلافت میں لائے گئے خلیفہ عہد نے رجم زنا کا حکم دیا جناب علیؑ مرتضیٰ موجود تھے بول اٹھے کہ یہ حکم ہرگز ان کے لئے مقتضی عدالت نہیں ہے خلیفہ عصر نے کہا کہ **الزانی والزانیة فاجلد واکل واحد منہا مائة جلدة** جواب میں ارشاد ہوا کہ یہ سچ ہے مگر ان کا حکم جدا ہے کہا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ایک کو قتل کر دوسرے کو سنگسار تیسرے کو پوری حد لگائیں چوتھے کو نصف پانچویں کو صرف تعذیر یعنی تادیب پر اکتفا کریں۔ حاضرین زنا کے اتنے مختلف احکام سن کر متعجب ہوئے وجہ پوچھی تو ارشاد ہوا کہ ان میں ایک یہودی ہے اس نے دین میں فساد کیا اس پر قتل لازم ہے دوسرا محصن ہے یعنی صاحب زوجہ اور وہ مستوجب رجم۔ تیسرا مجرد۔ زوجہ نہیں رکھتا اس لئے اس پر لازم حد ہے چوتھا غلام اس پر نصف حد قائم ہوگئی پانچواں مجنون اس پر کچھ نہیں تادیبا" صرف تین طمانچے لگا دیں لوگوں نے ایسا محققانہ حکم اور مناسبانہ تصفیہ سن کر نہایت اعزاز سے تحسین کے نعرے بلند کئے اور خلیفہ عہد نے فرمایا **اللھم لا تنزل بی شدة الا لہ ابوالحسن الی جنبی**۔ اگر ایسے واقعات کی ہم زیادہ تلاش کریں تو ہم کو کثرت سے ایسی مثالیں ملیں گی جن کی تفصیل طوالت کے سبب سے ہم پسند نہیں کرتے اس کی اور مثالیں ہمارے سلسلہ انسا ئکلوپیڈیا علویہ میں علم کے باب میں ملاحظہ فرمایئے۔

بہرحال اس خلافت کے اکثر امور ہیں عام اس سے کہ ملکی ہوں یا مالی فوجی ہوں یا کوئی اور جناب علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام نے اعانت فرمائی اور بہت سی دینیات کے متعلق ایسی باتیں جو اہل اسلام میں سب کے قابلیت اور سب کی لیاقت سے باہر تھیں۔ بتا دیں اور یہ اسی صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان تھا اور آج چالیس برس سے آپ کی ذات میں پورے طور سے اثر ہوچکا تھا سن ہجری کی ابتدا بھی اسی خلافت میں واقع ہوئی اور اس سن کے موجد بھی جناب علیؑ مرتضیٰ تھے اور حضرت عمر بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؑ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علیؑ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ صلاح دیتے تھے رسالہ الفاروق حصہ دوم ص ۱۴۴۔

اس میں شک نہیں کہ اس خلافت کے زمانہ اسلام کی رعایت کی غرض سے ضرور مداخلت کی جاتی تھی مگر یہ مداخلت ایسی نہ تھی جو خود غرضی یا طمع دنیاوی پر محمول کی جاوے یا جس سے حسن طلب یا انجاج مطالب کی کوئی انداز نکلیں یا کسی طرح کے نفع ذاتی کا پہلو حاصل ہوتا ہو جو کچھ دخل دیا جاتا تھا یا جو کچھ استمداد کی جاتی تھی وہ صرف اسلام کی اسی خلوص پر مبنی تھی جو آپ کو اس کے ساتھ آج چالیس برس سے حاصل تھا مگر باین ہمہ علیؑ مرتضیٰؑ کی وہی حالت تھی باوجود اس رعایت اور اعانت کے بھی موجودہ انتظام خلافت نے علیؑ مرتضیٰ کو کسی طرح عامۃ المسلمین سے افضل نہ سمجھا تقسیم بالمدارج کے اصول نے جتنا اور شرکاء بدر کا حصہ قائم کیا اسی قدر ان کے لئے رقم بھی تجویز فرمائی صرف بدر کی شرکت کا خیال کیا گیا اور ان محاسن خدمات کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا گیا جو علیؑ مرتضیٰ کے دست و بازو سے اس قیامت خیز میدان جنگ میں ظاہر ہوئے تھے۔

ان کے حالات کے برعکس ہم جب اس خلافت میں بنی امیہ کے احوال کی تلاش کرتے ہیں تو ایک کی حالت بالکل دوسرے کے مخالف پاتے ہیں یزید ابن ابی سفیان جو خلافت اول میں ملک شام کے صوبہ دار مقرر ہوئے تھے اس خلافت کی ابتدا ہی میں مرگئے خلیفہ سے استحقاق وراثت کے لحاظ سے ان کے چھوٹے بھائی معاویہ ابن ابی سفیان کو ان کا قائم مقام بنا کر شام کی طرف روانہ فرمایا بنی امیہ کے لئے استحقاق وراثت بھی محفوظ تھے اور حقوق خدمت بھی بنی ہاشم بیچاروں کے لئے کوئی ذاتی لیاقت ہی کام آتی تھی نہ کوئی محاسن خدمت۔

ایک بنی امیہ کی تقویت اور ماموری نے مدتوں تک اسلامی مملکت میں کچھ ملکی اور مالی ہی نقصانات نہیں پہنچائے بلکہ ان کے انعقاد سے اسلام کے اوامرو نواہی میں بہت کچھ اختلاف ڈالا اسلامی تاریخیں موجود ہیں بنی امیہ کے قوی ہو کر احوال افعال کو دیکھ لو۔

بنی امیہ نے اپنی حالتوں کو جو سالہا سال سے کمزور چلی آتی تھیں پھر تازہ دم ہو کر سنبھال لیا اور مدینہ سے اٹھ اٹھ کر ان کے قافلے کے قافلے یکے بعد دیگرے شام کی طرف روانہ ہونے لگے معاویہ نے بھی ہم قومی کے حقوق خوب ادا کئے اس کو تو کچھ اور ہی منظور تھا وہ ابو سفیان کی اس پیشین گوئی کو سچا کر دکھلانے والا تھا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریاست

Presented by www.ziyaraat.net/

کی نسبت کی تھی تھوڑے ہی دنوں میں ملک شام بنی امیہ کے لئے ایک کالونی (مامن) بن گیا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانہ میں یہودیوں کے واسطے خیبر۔

حضرت عمر کی رحلت ۲۳ھ میں واقع ہوئی انہوں نے دس برس چھ مہینہ آٹھ دن سلطنت کی یہ تو خلاف اولیٰ میں بیان ہوچکا ہے کہ حضرت ابوبکر نے مرتے دن ان کو قائم مقام بنایا تھا اس لئے ان کا استخلاف تو التعین بالوصیہ ہوا مگر انہوں نے اپنی رحلت کے وقت اپنی جانشینی کے لئے ایک نیا طریقہ اختیار کیا جو نہ پورا التعین بالاختیار تھا نہ التعین بالانتخاب انہوں نے امر خلافت کو چھ آدمیوں پر چھوڑا عبدالرحمٰن ابن عوف، سعد ابن ابی وقاص، عثمان ابن عفان، طلحہ ابن عبداللہ، عبداللہ ابن عمرؓ اور علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام ان میں سے جس کسی پر یہ لوگ اتفاق کریں وہ خلیفہ مقرر کیا جائے الر ان میں اختلاف ہو تو جس کی طرف عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں اسی فرقہ کی رائے کی پابندی کی جائے۔

بہرحال ان چھ آدمیوں کے انتخاب پر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ حضرت عمر کی خواہش دلی یہی تھی کہ امر خلافت کسی طرح بنی ہاشم میں قرار نہ پائے اور ان کو بہت بڑی کد اس وجہ سے تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنی ہاشم چوں کہ خمس میں اپنا ایک شرعی حصہ سمجھتے تھے اس لئے یہ باجود دولت مندی کے خمس میں سے بھی اپنا حصہ لیں گے اسی وجہ سے نہ ان کے لئے خلافت تھی نہ خلافت میں مدارج نہ مناسب اس شوریٰ کے انعقاد میں بھی وہی انتظام کیا گیا جس میں اصول اول کی پابندی رہی کہنے کو جناب علیؑ مرتضیٰ بترکا" و تیمناً" شامل کر لئے گئے تھے مگر کن مشکلوں کے ساتھ کہ ان کے لئے رائے دینے والوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا سعد ابن ابی وقاص عبدالرحمٰن ابن عوف اپنے حقیقی خالو کو چھوڑ کر اور کسی کو کیوں ماننے لگے عبدالرحمٰن ابن عوف اپنے حقیقی خالہ زاد بھائی عثمان ابن عفان کو چھوڑ کر اور کسی کی طرف کیوں ہونے لگے عثمان ابن عفان اپنے خالو اور خالہ زاد بھائی کے سوا کسی دوسرے کی طرف کیوں دیکھنے لگے اس پر طرہ یہ کہ عبدالرحمٰن ابن عوف کی تجویز کو دوسروں کی تجویزوں پر ترجیح کامل حاصل۔ اب حضرت علیؑ کی طرف رائے دینے والا کون موجود ہے لا محالہ یہ امر خلافت یا تو سعد ابن ابی وقاص پر قرار پائے یا عبدالرحمٰن پر یا عثمان پر حضرت علیؑ مرتضیٰ پھر ویسے کے ویسے اچھوتے رہ جاتے ہیں۔

ہم اس انتخاب کے واقعات کو اسی تفصیل کے ساتھ لکھیں گے جس تفصیل کے ساتھ ہم نے انتخاب اول کے پورے حالات قلم بند کئے ہیں کیونکہ ہماری کتاب کے اس حصہ کے اکثر مضامین ایسے ہیں جن کو اس واقعہ انتخاب سے پورا تعلق ہے اس لئے جب تک ان واقعات کی پوری تشریح نہ کی جائے ان مضامین کی کامل توضیح نہیں ہوسکتی۔"

عبدالرحمٰن ابن عوف نے مجلس شوریٰ میں پہنچ کر خلافت قبول کرنے سے انکار کیا اور عام نگاہوں میں بے لوثی دکھا کر اپنی استغنا، قناعت اور توکل کی وقعت بڑھائی مگر باین ہمہ امر خلافت میں ایک ایسی شرط لگائی جس کی وجہ سے انہوں نے خوب سمجھ لیا کہ جناب علیؑ مرتضیٰ ہرگز اس شرط کے ساتھ خلافت پر راضی نہ ہوں گے اور کبھی اس شرط کو قبول نہ کریں گے تو خواہ مخواہ یہ امر خلافت عثمان بن عفان پر قرار پائے گا اس جلسہ میں جناب علیؑ مرتضیٰ بھی ضرور شریک تھے عبدالرحمٰن نے پہلے جناب علیؑ مرتضیٰ سے بیان کیا کہ اگر آپ کو کلام خدا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت شیخین کی متابعت اور ان کی پیروی کرنی منظور ہو تو امر خلافت سپرد کیا جائے اور نہیں تو کسی دوسرے کو دیا جائے جناب علیؑ مرتضیٰ نے نہایت آزادی سے اس مجمع عام میں فرمایا کہ مجھ کو نہ خدا کی متابعت میں کلام ہے۔ نہ رسولؐ اللہ کی مطابقت میں ان کے سوا دوسروں کی متابعت اور پابندی میرے لئے ضروری نہیں ان لوگوں کی متابعت اور اقتدار کی جگہ جہاں تک میرا علم، میری دانست اور میری عقل ان کی رفاہ و صلاح کی نسبت ہدایت کرے گی میں ان کی بہی خواہی کے عہدے سے کسی طرح دست بردار نہ ہونگا۔"

جناب علی مرتضیٰؑ کی یہ آزاد تقریر سن کر عبدالرحمٰن ابن عوف نے ان کی طرف ہاتھ کھینچ لیا اور عثمان ابن عفان کو ان کی جگہ کھڑا کر کے ان شرائط کے اقرار لئے اور انہوں نے ان شرائط کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا عبدالرحمٰن ابن عوف کی تجویز کو چونکہ ترجیع بالمرجح کا منصب حاصل تھا اس لئے مجلس شوریٰ نے خلافت کے تمام و کمال امور انہیں تفویض کر دیئے اور خلافت ثانیہ کے ایام تمام ہو کر خلافت ثالثہ کے دور سے شروع ہوگئے اس انعقاد شوریٰ کا بھی آخر وہی مطلب نکلا جو حضرت عمر نے پہلے ہی سے سوچ لیا تھا تاریخ طبری جلد چہارم ص ۵۱۹ اعثم کوفی ص ۱۰۳ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۹۸ ابو الفداء ۳۳۹ اسپرٹ آف اسلام ص ۲۱۷ اس انتخابی جلسہ میں

Presented by www.ziyaraat.net/

بھی جناب علیؑ مرتضیٰ کا کوئی ہمدرد نہیں نکلا بلکہ آپؑ کی کامیابیوں کے بالکل خلاف مگر آپ نے کبھی اس شوریٰ کے ممبروں سے کسی قسم کی شکایت بھی نہیں کی صرف عبدالرحمٰن ابن عوف سے کہا تو اتنا کہ تیری غرض سوائے اس کے کہ بہت سے آدمی جمع ہو جائیں اور کچھ نہیں تھی۔

اصبر جمیل واللّٰہ المستعان علی ماتصفون۔

مورخ ابوالفدا لکھتا ہے کہ جس دن حضرت ابوبکر کی وفات ہوئی اسی دن حضرت عمر کی بیعت کی گئی۔ اور طبقات ابن سعد میں مروی ہے کہ حضرت عمر نے بالائے منبر جا کر جو الفاظ اولاً ارشاد کئے وہ یہ تھے کہ خداوندا میں درشت خو ہوں مجھے نرم دل کر میں کمزور ہوں مجھے قوت دے اور میں بخیل ہوں مجھے سخی فرما۔ اور تاریخ الخلفا سیوطی میں بروایت ابن عساکر بسند صحیح منقول ہے کہ حضرت عمر منبر پر خطبہ ارشاد کر رہے تھے ناگہاں حضرت حسینؑ بن علیؑ نے کھڑے ہو کر کہا کہ میرے باپ کے منبر سے نیچے اترو۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ بیشک یہ تمہارے باپ ہی کا منبر ہے۔ میرے باپ کا نہیں ہے۔ بھلا صاحبزادے یہ تو بتاؤ کہ تم نے کس کے حکم سے ایسا کہا۔ یہ سن کر حضرت علیؑ بولے کہ واللہ کسی نے حسینؑ کو اس بات کے کہنے کا حکم نہیں دیا۔

تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ خالد بن ولید کو معزول فرمایا اور ۱۴ھ میں شہر بصرہ کی بنیاد ڈالنے کا حکم دیا۔ اور مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ ۱۴ھ میں حضرت عمر نے حکم دیا کہ لوگ ماہ رمضان میں نماز تراویح ادا کریں۔

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ پھر ۱۵ھ شروع ہوا اور اسی سنہ میں حمص اور دمشق کی فتح واقع ہوئی بعد ازاں۔ حلب۔ انطاکیہ۔ قیساریہ وغیرہ فتح ہوئے البتہ بیت المقدس کے محاصرے میں عرصہ گزرا تو وہاں کے لوگوں نے ابو عبیدہ سے استدعا کی کہ جس طور پر اہل شام سے صلح ہوئی ہے اسی طرح ہم سے بھی صلح کر لی جائے بشرطیکہ امر صلح کے متولی حضرت عمر ہوں پس ابوعبیدہ نے حضرت عمر کی خدمت میں صورت حال لکھی اور حضرت عمر نے جا کر بیت المقدس کو فتح کیا۔ نیز اسی سال قادسیہ کا واقعہ بھی ہوا پھر ۱۶ھ میں مسلمانوں نے داخل مدائن ہو کر قتل عام کیا۔ بعد ازاں تکریت اور موصل اور ماسندان اور قرقیسیا مفتوح ہوئے اور ۱۷ھ میں اہواز فتح ہوا۔ اور ۱۸ھ میں مدینہ منورہ اور حجاز میں قحط عظیم کی شکایت پیدا ہوئی۔ اور شام میں طاعون نمودار ہوا جس سے پچیس ہزار آدمی مر گئے اور کتاب اوائل سیوطی میں ہے کہ اسلام میں پہلا طاعون حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ہوا تھا۔ تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ پھر ۱۹، ۲۰ھ میں مصر اور اسکندریہ فتح ہوئے۔ اور کتاب محاضرۃ الاوائل میں ہے کہ اسلام میں پہلا زلزلہ وہ تھا جو بزمانہ حضرت عمر ۲۰ھ میں محسوس ہوا تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ پھر ۲۱ھ میں عجموں کے ساتھ نہاوند کا واقعہ پیش آیا اور دینور و ہمدان و اصفہان کی فتوحات ہوئیں اور اسی سنہ میں خالد بن ولید کا انتقال ہوا۔ بعد ازاں ۲۲ھ میں آذربیجان، رے، جرجان، قزوین، زنجان اور طبرستان فتح ہوئے تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ حضرت عمر کی جانب سے مکے میں نافع بن حارث، طائف میں سفیان بن عبداللہ ثقفی۔ صنعاء میں یعلی بن منیہ، کوفے میں مغیرہ بن شعبہ بصرے میں ابوموسیٰ اشعری، مصر میں عمرو بن عاص، حمص بن عمیر بن سعد دمشق میں معاویہ بن ابی سفیان اور بحرین میں عثمان بن العاص عامل اور حاکم مقرر ہوئے اور منقول ہے کہ حضرت عمر کے چند فرزند تھے ازانجملہ عبداللہ بن عمر و عبدالرحمٰن بن عمر جن کی ماں زینب بنت مظعون تھیں اور عاصم بن عمر جن کی ماں جمیلہ بنت عاصم بن ثابت تھیں اور عبیداللہ بن عمر جن کی ماں ملیکہ خزاعیہ تھیں (جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے) اور عیاض بن عمر جن کی ماں عاتکہ تھیں (جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے) اور زید بن عمر جن کی ماں ام کلثوم بنت جرول تھیں (جیسا کہ اصابہ اور استیعاب میں ہے)۔

علامہ ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کو فاروق کہا جاتا تھا۔ متقدمین نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ ان کا نام فاروق کس نے رکھا۔ بعض کا قول تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فاروق کہا چنانچہ زکوان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضرت عمر کا نام فاروق کس نے رکھا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور بعض متقدین کہتے ہیں کہ حضرت عمر کو اولاً اہل کتاب نے فاروق کہا۔ چنانچہ صالح بن کیسان نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کو اولاً اہل کتاب نے فاروق کہنا شروع کیا تھا ان کو سن کر اہل اسلام بھی کہنے لگے ہم کو یہ تحقیق نہیں ہوا کہ اس بارے میں رسول اللہ

Presented by www.ziyaraat.net/

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ فرمایا ہو۔

علامہ صدیق حسن خان حج الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اول وہ شخص ہیں جنہوں نے نماز تراویح کا حکم دیا اور متعہ کو حرام کر دیا۔ اور تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ حضرت عمر اول وہ شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں کی زکواۃ وصول کی اور شراب نوشی کی حد اسی کوڑے مقرر فرمائی اور متعہ کو حرام کر دیا نیز تاریخ موف میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت عمر سے زیادہ کسی کو حدید الذہن اور صاحب جودت نہیں دیکھا۔

تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ کامل ابن اثیر جزری میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے اصحاب شعر و سخن کا ذکر کر رہے تھے کوئی کسی کا مداح تھا کوئی کسی کو ترجیح دیتا تھا اور کوئی کسی کو اس اثناء میں میں بھی وہاں پہنچا۔ حضرت عمر نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ لو اس فن کے سب سے بڑے ماہر آگئے۔ پھر مجھ سے ارشاد کیا کہ اے ابن عباس تم کس کو ملک الشعرا سمجھتے ہو۔ میں نے کہا کہ زہیر بن ابی سلمیٰ کو۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ان کا کوئی شعر استدلالاً پڑھو۔ میں نے چند شعر پڑھے حضرت عمر نے فرمایا کہ بہت خوب کہا ہے میرے علم میں ان سے اچھے اشعار کسی کے نہیں ہیں۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا کہ اے ابن عباس تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کس بات نے تم کو امر خلافت سے محروم رکھا۔ میں نے اس کا جواب دینا خلاف مصلحت سمجھ کر کہا کہ اگر میں نہیں جانتا تو آپ مجھے آگاہ کریں حضرت عمر نے فرمایا کہ قوم نے اس بات سے کراہت کی کہ نبوت اور خلافت دونوں تم میں جمع ہوں اور تم اس پر خوش ہو کر اتراتے پھرو۔ چنانچہ قوم اس کے اختیار کرنے میں مصیب اور موفق ہوئی میں نے کہا کہ اے امیرالمومنین اگر آپ اجازت دیں اور خفا نہ ہوں تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں کہو۔ میں نے کہا کہ آپ کا یہ فرمانا قابل نظر ہے کہ قوم خلافت کے اختیار کرنے میں مصیب اور موفق ہوئی اس لئے کہ اگر قوم خلافت کو خدا کی مرضی کے موافق اختیار کرتی تو بلاشبہ مصیب ہوتی۔ نیز آپ کا یہ فرمانا بھی قابل نظر ہے کہ قوم نے ہم میں نبوت اور خلافت کے جمع ہونے سے کراہت کی۔ دیکھیئے اللہ تعالیٰ قوم کی کراہت کو وصف اپنے کلام میں ان الفاظ سے فرماتا ہے کہ **ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ**

اَعْمَالَهُمْ (یعنی چونکہ حکم خدا سے انہوں نے کراہت کی لہٰذا ان کے اعمال اکارت گئے) یہ سن کر حضرت عمر بولے افسوس اے ابن عباس خدا کی قسم تمہاری نسبت مجھے ایسی باتوں کی خبریں پہنچائی گئی ہیں جن کو کرید کر تمہاری منزلت اپنے دل سے زائل کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین آپ فرمائیں تو سہی اگر درحقیقت وہ باتیں حق پر مبنی ہیں تو میری منزلت ضائع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت ہم سے بہ ظلم و حسد لی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ امیرالمومنین ظلم کا مفہوم تو ہر جاہل اور حلیم پر روشن ہے۔ رہا حسد پس ابلیس نے حضرت آدم پر حسد کیا اور ہم آدم ہی کی اولاد میں محسود ہوا چاہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا افسوس اے بنی ہاشم تمہارے قلوب میں حسد اور کینے کے سوا کچھ نہیں ہے اور حسد و کینہ بھی ایسا جو مٹ نہیں سکتا۔ میں نے کہا بس اے امیرالمومنین ان لوگوں کے قلوب کو کینے اور حسد کے ساتھ منسوب نہ کیجئے جن کو بمصداق آیہ تطہیر خدا نے ہر برائی اور خباثت سے پاک و صاف فرمایا ہے اور غور کیجئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب بھی قلوب بنی ہاشم میں سے ہے۔ حضرت عمر نے (بگڑ کر) کہا کہ اے ابن عباس میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ جب میں نے اٹھنے کا قصد کیا تو انہوں نے بمقتضائے شرم پھر مجھے بٹھایا اور فرمایا کہ ابن عباس واللہ میں تمہارے حقوق کی رعایت ملحوظ رکھوں گا اور تمہاری خوشی کا خواہاں رہوں گا میں نے کہا اے امیرالمومنین تم پر اور کل مسلمانوں پر میرا حق ہے جس نے اس کو ملحوظ رکھا مصیب ہوا اور جس نے اس کو ضائع کیا خطا کی۔ (اسکے بعد) ابن عباس اٹھے اور وہاں سے چلے گئے۔

علامہ ابوالفدا اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ۲۳ھ میں ۲۴ ذی الحجہ کو ایک شخص نے جس کا نام ابولؤلو فیروز تھا۔ حضرت عمر کو زخمی کیا۔ اور تاریخ کامل میں ہے کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو قبیلہ بنی حارث کا ایک طبیب بلایا گیا اس نے حضرت عمر کو نبیذ پلائی جو کہ بجنسہ خارج ہوگئی پھر دودھ پلایا وہ بھی اسی طرح خارج ہوگیا۔ یہ دیکھ کر طبیب نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ کو جو وصیت کرنا ہو کیجئے۔

کنزالعمال میں ابومجلز سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ میرے

Presented by www.ziyaraat.net/

بعد تم کس کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو۔ ایک شخص نے کہا زبیر بن العوام کو۔ حضرت عمر بولے کہ کیا ایسے آدمی کو خلیفہ کروگے جو ایک بخیل اور بداخلاق آدمی ہے پھر دوسرے شخص نے کہا کہ ہم طلحہ کو خلیفہ کرینگے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ایسے آدمی کو کیا خلیفہ کروگے جس نے رسول اللہ ﷺ کی عطا فرمائی ہوئی زمین کو ایک یہودیہ کے ہاں رہن کر دیا۔ یہ سن کر ایک تیسرے شخص نے عرض کیا کہ ہم علیؑ کو خلیفہ کرینگے۔ حضرت عمر نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے میری جان کی تم علی کو خلیفہ نہ کروگے اور بخدا اگر علیؑ کو خلیفہ کروگے تو چاہے تم ناخوش ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تمکو امر حق پر قائم کئے بغیر نہ رہینگے۔ یہ سن کر ولید بن عقبہ بولا کہ میں سمجھ گیا کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ حضرت عمر اٹھ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے پوچھا کون؟ ولید نے کہا عثمان' اور حذیفہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر سے (جب وہ مدینے میں تھے) پوچھا گیا کہ آپ کے بعد کون آپ کا خلیفہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ عثمان بن عفان۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر کا وقت موت قریب ہوا تو انہوں نے امر امامت کو عثمان' علیؑ' طلحہ' زبیر' عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص میں منحصر کیا اور کہا کہ امر امامت ان چھ شخصوں سے خارج نہ ہو۔ اور تاریخ کامل میں ہے کہ پھر حضرت عمر نے صہیب سے ارشاد کیا کہ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھائے اور ان چھ آدمیوں کو (جن میں امر امامت منحصر کیا گیا ہے) ایک مکان میں داخل کرکے ان کے سروں پر کھڑا ہو۔ پس اگر ان میں سے پانچ آدمی باہم اتفاق کریں اور ایک شخص اختلاف کرے تو اس کا سر اڑا دے اور اگر چار شخص متفق ہوں اور دو آدمی انکار کریں تو ان دونوں کے سر کاٹ لے اور اگر تین آدمی ایک رائے پر ہوں اور تین ایک رائے پر تو فیصلے کے لئے عبداللہ بن عمر کو حکم قرار دے اور اگر یہ لوگ عبداللہ بن عمر کا حکم ہونا منظور نہ کریں تو جس گروہ میں عبدالرحمٰن ہوں اس کو اختیار کرکے باقی اشخاص کو قتل کر دیں۔

حضرت عمر کا شجرہ نسب

ابن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح ابن عدی بن کعب' کنیت

ابو حفص تھی' ان کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم ابن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھیں۔

حضرت عمر کی اولاد

عمر کی اولاد میں سے عبداللہ و عبدالرحمٰن اور حفصہ تھے۔ ان کی والدہ زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ ابن جج تھیں۔

زید اصغر و عبید اللہ جو جنگ صفین میں معاویہ کے ہمراہ مقتول ہوئے' ان دونوں کی والدہ ام کلثوم بنت جرول بن مالک ابن المسیب بن ربعیہ بن اصرم بن ضبلیس بن حرام بن جشیہ بن سلول ابن کعب بن عمرو خزاعہ میں سے تھیں۔ اسلام نے عمر ام کلثوم بنت جرول کے درمیان تفریق کر دی تھی (کیونکہ وہ حضرت عمر کے ساتھ اسلام نہیں لائیں اس لئے دونوں کا نکاح جاتا رہا۔)

عاصم ان کی والدہ جمیلہ بن ثابت بن ابی الاقلح تھیں۔ ابی الاقلح کا نام قیس بن عصمتہ بن مالک بن امہ بن ضیعہ بن زید تھا جو قبیلہ اوس کے انصار میں سے تھے۔

عبدالرحمٰن اوسط جو ابو ابوالمجبر تھے' ان کی والدہ لہیہ ام ولد تھیں۔

عبدالرحمٰن اصغر' ان کی والدہ بھی ام ولد تھیں۔

فاطمہ' والدہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام بن صغیرہ ابن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھیں۔

زینب جو حضرت عمر کی اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں' ان کی ماں فکیہہ تھیں جو ام ولد تھیں۔

عیاض بن حضرت عمر ان کی والدہ عاتکہ بنت زید بن حضرت عمرو بن نفیل تھیں۔

نافع سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاصم بن عمر کی والدہ کا نام بدل دیا ان کا نام عاصیہ (نافرمان) تھا' آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ جمیلہ۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۸۵ سطر ۱۰

Presented by www.ziyaraat.net/

جبل حضرت عمر

محمد بن سعد نے کہا کہ میں نے ابوبکر بن محمد بن ابی مرہ مکی سے جو امور مکہ کے عالم تھے عمر بن الخطاب کا مکے میں وہ مکان دریافت کیا جس میں وہ جاہلیت میں رہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک پہاڑ کی جڑ میں رہتے تھے جس کا نام آج جبل حضرت عمر ہے۔ جاہلیت میں اس کا نام جبل عاقر تھا۔ اس کے بعد وہ حضرت عمر کی طرف منسوب ہوگیا اور اسی جگہ بنی عدی بن کعب کے مکانات تھے۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب ضجنان کے پاس سے گزرے تو کہا کہ میں نے اپنے آپ کو اس جگہ اس وقت دیکھا ہے جب میں خطاب کی بکریاں چراتا تھا ان کا یہ حال تھا کہ واللہ میں نے ایسا بدخودرشت کلام نہیں جانا۔ میں نے امت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امارت میں صبح کی۔ انہوں نے بطور تمثال یہ شعر پڑھا۔

لا شیٔ فیما ترٰی الاالبشاشتہ یبقی الالہ ویودی المال والولد

تو جو کچھ دیکھتا ہے اس میں سوائے دل بہلانے کے (یعنی بشاشت کے) کچھ نہیں ہے اللہ باقی رہے گا اور مال و اولاد فنا ہو جائے گی۔

پھر انہوں نے اپنے اونٹ سے کہا حرب (یعنی اسے چلنے کے لئے کہا)

یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن عاطف نے اپنے والد سے روایت کی کہ ہم لوگ سفر مکہ سے واپسی میں حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب شعاب ضجنان میں تھے تو لوگ ٹھہر گئے۔ وہ بہت گھنے درختوں کی جگہ تھی' حضرت عمر نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو وہاں اس وقت دیکھا ہے کہ خطاب کے اونٹ چراتا تھا۔ وہ بدخو اور درشت کلام تھے' کبھی میں اونٹوں پر لکڑیاں ڈھوتا تھا اور کبھی ان کو مارتا تھا' آج میں نے اس حالت میں صبح کی کہ لوگ میرے دور دراز مقامات میں سفر کرتے ہیں کہ مجھ پر کوئی حاکم نہیں پھر انہوں نے اس شعر سے تمثیل دی۔

لا شیٔ فیما ترٰی بشاشتہ یبقی الالہ ویودی المال والولد

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۶ سطر ۲

حضرت عمر کی مرغوب غذا

انس سے مروی ہے کہ حضرت عمر کو کھانوں میں سب سے زیادہ مرغوب اناج تھا اور پانی میں سب سے زیادہ مرغوب نبیذ' یعنی کھجور کا آبشورہ تھا۔

حسن سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب نے اپنے مقتول ہونے تک سوائے گھی یا چربی یا جوش دیئے ہوئی زیتون کے اور کسی چیز کا تیل استعمال نہیں کیا۔

احوض بن حکیم نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عمر کے پاس پکا ہوا گوشت لایا گیا جس میں گھی بھی تھا۔ انہوں نے اس کے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک سالن ہے۔

ابی حازم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب اپنی صاجزادی حفصہ کے پاس گئے انہوں نے ٹھنڈا شوربا اور روٹی ان کے آگے رکھی اور شوربے میں زیتون ٹپکا دیا فرمایا ان میں سے ہر ایک سالن ہے۔

ابی حازم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب اپنی صاجزادی حفصہ کے پاس گئے' انہوں نے ٹھنڈا شوربا اور روٹی ان کے آگے رکھی اور شوربے میں زیتون ٹپکا دیا' فرمایا کہ میں ایک برتن میں دو سالن نہ کھاؤں گا' یہاں تک کہ اللہ سے ملوں۔

حسن سے مروی ہے کہ حضرت عمر ایک شخص کے پاس گئے' پیاس لگی تھی' اس سے پانی مانگا تو وہ شہد لے آیا' پوچھا' یہ کیا ہے' اس نے کہا شہد ہے فرمایا واللہ ' یہ ان چیزوں میں نہیں ہوگا جن کا مجھ سے قیامت میں حساب لیا جائے گا۔

یسار بن نمیر سے مروی ہے کہ واللہ میں نے حضرت عمر کا آٹا کبھی بغیر ان کی نافرمانی کئے ہوئے نہیں چھانا (یعنی انہوں نے چھاننے کو منع کر دیا تھا مگر یہ چھانتے تھے۔

سائب بن یزید نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے زمانہ قحط میں حضرت عمر بن الخطاب کو رسول اللہ صلی للہ علیہ و آلہ وسلم کی مسجد میں آدھی رات کو نماز پڑھتے دیکھا' وہ کہتے تھے کہ اے اللہ ہمیں قحط سے ہلاک نہ کر اور ہم سے مصیبت کو دور کر دے' اس کلمے کو وہ دہراتے تھے۔

Presented by www.ziyaraat.net/

یسار بن نمیر سے (دوسرے طریق سے) مروی کہ میں نے حضرت عمر کی نافرمانی کے بغیر کبھی ان کا آٹا نہیں چھانا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۴ سطر ۱

زمانہ قحط سالی میں حضرت عمر کا لباس

سائب بن یزید سے مروی ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب کے بدن پر زمانہ قحط سالی میں ایک تہ بند دیکھی جس میں سولہ پیوند تھے۔ اور ان کی چادر چھ بالشت کی تھی' وہ کہتے تھے کہ اے اللہ امت محمدؐ کی ہلاکت میرے قدموں پر نہ کر۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۴ سطر ۲۲

دعائے استغفار کی ہدایت

عبداللہ بن ساعدہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ جب مغرب کی نماز پڑھتے تو ندا دیتے کہ اے لوگو اپنے رب سے استغفار کرو' اس کی طرف رجوع کرو' اس کا فضل مانگو اور اس سے باران رحمت طلب کرو' جو باران عذاب نہ ہو' وہ برابر ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے اس کو کھول دیا۔

عبداللہ بن یزید سے مروی ہے کہ مجھ سے ایسے شخص نے بیان کیا جو زمانہ قحط سالی میں عمر بن الخطاب کے پاس حاضر تھے کہ وہ کہتے تھے کہ لوگو! اللہ سے دعا کرو کہ وہ قحط کو دور کرے' اور اپنے کندھے پر درہ رکھ کر گھومتے تھے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۴ سطر آخر

نماز استسقا

شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عمر نماز استسقا کے لئے نکلے' منبر پر کھڑے ہو کے یہ آیات پڑھیں۔ "**استغفروا ربکم انہ کان غفارا**" اللہ سے مغفرت مانگو' وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے) اور کہتے تھے "**استغفرو اربکم ثم توبوا الیہ**" اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو اور

اس کی طرف رجوع کرو) اس کے بعد منبر سے اتر آئے تو کہا گیا یا امیرالمومنین! آپ کو نماز استسقاء سے کس نے روکا؟ فرمایا۔ میں نے آسمان کے بارش والے ان ستاروں سے جن سے بارش نازل ہوتی ہے بارش طلب کی۔

ابی وجزہ السعدی نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ ہمیں عیدگاہ کو نماز استسقا کے لئے لے گئے' ان کی دعا کا اکثر حصہ استغفار تھا' یہاں تک کہ میں نے کہا کہ وہ اس پر زیادہ نہ کریں گے' پھر انہوں نے نماز پڑھی' دعا مانگی اور کہا اے اللہ ہمیں سیراب کر۔

عبداللہ بن نیار اسلمی نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب حضرت عمر نے اس پر اتفاق کر لیا کہ نماز استسقا پڑھیں اور لوگوں کو (نماز کے لئے) لے جائیں تو انہوں نے اپنے عمال کو لکھا کہ وہ فلاں فلاں دن نکلیں' اپنے رب کے آگے زاری کریں اور اس سے درخواست کریں کہ وہ اس قحط کو لوگوں سے اٹھا لے' اس روز وہ اس طرح نکلے کہ جسم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر تھی' عید گاہ پہنچ کر لوگوں کو خطبہ سنایا اور گریہ و زاری کی' لوگ بھی گریہ و زاری کرنے لگے' ان کی دعا کا اکثر حصہ صرف استغفار تھا' جب واپسی کے قریب ہوئے تو اپنے ہاتھ اٹھا کے پھیلائے اور دعا میں تضرع و زاری کرنے لگے' حضرت عمر اتنی دیر تک روئے کہ ڈاڑھی تر ہو گئی۔

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عمر نے عام الرمادہ میں خطبے سے پہلے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس میں پانچ اور سات تکبیریں کہیں۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۵ سطر ۴

حضرت عباس کا واسطہ

ابن ابی عون سے مروی ہے کہ عمر ابن الخطاب نے عباس ابن عبدالمطلب سے کہا اے ابوالفضل ستاروں کے (طلوع ہونے کو) کتنے روز باقی رہ گئے (بروایت العوا) انہوں نے کہا کتنے

Presented by www.ziyaraat.net/

دن رہ گئے' عرض کی آٹھ دن فرمایا قریب ہے کہ اللہ خیر کرے گا اور حضرت عمر نے عباس سے کہا کہ انشاء اللہ صبح کو آنا۔

حضرت عمر نے جب دعا میں خوب زاری کی تو عباس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کہا کہ اے اللہ! ہم تیرے آگے تیرے نبیؐ کے چچا کو شفیع بناتے ہیں کہ ہم سے قحط کو دور کر دے اور ہمیں بارش سے سیراب کر دے' لوگ ہٹنے نہ پائے تھے کہ بارش سے سیراب کر دیئے گئے اور آسمان چند روز تک ان پر برستا رہا' جب انہیں بارش دے دی گئی اور وہ لوگ کسی قدر سرسبز ہوگئے تو انہوں نے عرب کو مدینے سے روانہ کر دیا اور کہا کہ اپنی بستیوں میں چلے جاؤ۔

سائب بن یزید سے مروی ہے کہ قحط میں ایک روز صبح کو میں نے عمر بن الخطاب کو عاجزی و گریہ و زاری کرتے دیکھا' آنکھیں رخساروں پر آنسو بہا رہی تھیں' داہنے جانب عباس بن عبدالمطلب تھے' اس روز اس طرح دعا کی کہ روبہ قبلہ تھے اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کے بلند آواز سے اپنے رب کو پکارا اور دعا کی' ان کے ساتھ لوگوں نے بھی دعا کی۔ پھر آپ نے عباس کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ اے اللہ ہم لوگ تیرے رسول ﷺ کے چچا کو تیرے سامنے شفیع بناتے ہیں۔ عباس بھی بڑی دیر تک برابر ان کے پہلو میں کھڑے ہوئے دعا کر رہے تھے اور ان کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ انہوں نے عباس کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کھڑا کیا اور کہا کہ اے اللہ ہم تیرے سامنے تیرے رسول ﷺ کے چچا کو شفیع بناتے ہیں۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۵ سطر آخر

عام الرمادہ میں حضرت عمر کا خطبہ

سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ عام الرمادہ میں حضرت عمر بن الخطاب نے لوگوں کو خطبہ سنایا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو' اپنے معاملات میں بھی اور ان امور میں بھی جو لوگوں سے پوشیدہ ہیں کیونکہ میں تمہارے ساتھ مبتلا کر دیا گیا ہوں اور تم میرے ساتھ مبتلا کر دیئے گئے ہو۔ میں نہیں جانتا کہ ناراضی مجھ پر تمہارے بدلے ہے' یا تم پر میرے بدلے ہے' یا مجھے اور تمہیں

دونوں کو شامل ہے۔ آؤ' کہ ہم اللہ سے دعا کریں' وہ ہمارے قلوب کی اصلاح کرے' ہم پر رحمت کرے اور ہم سے قحط کو رفع کرے' راوی نے کہا کہ حضرت عمر اس روز اس حالت میں دیکھے گئے کہ آپ ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا مانگ رہے تھے اور لوگوں نے بھی دعا کی وہ بھی روئے اور لوگ بھی بڑی دیر تک روئے' پھر وہ منبر سے اتر آئے۔

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے حضرت عمر کو کہتے سنا: اے لوگو! مجھے خوف ہے کہ ناراضی ہم سب کو شامل ہو' لہٰذا اپنے رب کو مناؤ اور ہاتھ پھیلاؤ اور اس کی طرف رجوع کرو اور نیکی کرو۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۶ سطر ۱۹

باران رحمت

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی کہ قحط کے زمانے میں ہم لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ہمیں ذرا سا بھی ابر نظر نہ آتا تھا' جب حضرت عمر نے نماز استسقاء پڑھائی تو ہم لوگ کچھ دن منتظر رہے' پھر ابر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دیکھنے لگے' حضرت عمر جب اندر جاتے اور باہر آتے تو زور سے تکبیر کہتے' لوگ بھی تکبیر کہتے' یہاں تک کہ ہمیں کالی گھٹائیں نظر آئیں جو سمندر سے اٹھیں' شام کا رخ اختیار کیا' پھر اللہ کے حکم سے بارش ہوگئی۔

ابی وجزہ السعدی نے اپنے والد سے روایت کی کہ عرب کو وہ دن معلوم تھا' جس دن حضرت عمر نے نماز استسقا پڑھی' ان میں سے کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے تو وہ نماز استسقا کے لئے اس طرح چلے کہ گویا دبلے گدھ ہیں جو اپنے آشیانوں سے نکل رہے ہیں' یہ لوگ اللہ سے گریہ و زاری کر رہے تھے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۷ سطر ۲

اعراب کی واپسی

سعید بن عطا بن ابی مروان نے اپنے باپ دادا سے روایت کی کہ عام الرمادہ میں جب بارش ہوگئی تو میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ وہ اعراب کو روانہ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ نکلو' نکلو' اپنے شہروں کو جاؤ۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۷ سطر ۱۲

صدقہ و زکواۃ میں رعایت

Presented by www.ziyaraat.net/

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے مروی ہے کہ عام الرمادہ میں حضرت عمر نے صدقہ موخر کر دیا' سعاۃ (صدقہ وصول کرنے والوں) کو نہیں بھیجا' جب آئندہ سال ہوا اور اللہ نے اس خشک سالی کو رفع کر دیا تو ان کو حکم دیا کہ روانہ ہوں' انہوں نے دو سال کی زکواۃ کے اونٹ بکریاں لیں' پھر انہیں حکم دیا کہ ایک سال تقسیم کر دیں اور ایک سال کی زکواۃ ان کے پاس لے آئیں۔

حوشب بن بشر الفزاری نے اپنے والد سے روایت کی کہ عام الرمادہ میں ہم نے اپنے کو اس حالت میں دیکھا کہ قحط نے ہمارا مال کم کر دیا' جس کے پاس عدد کثیر تھا اس کے پاس اتنا باقی رہ گیا کہ وہ ذکر کے قابل نہ تھا' حضرت عمر نے اس سال صدقہ وصول کرنے والوں کو نہیں بھیجا۔ جنہوں نے دو سال کی زکواۃ وصول کی' ایک سال کی زکواۃ تقسیم کر دی اور ایک سال کی زکواۃ ان کے پاس لے آئے' بنی فزارہ سے صرف ساٹھ حصے ملے' تیس تقسیم کر دیئے گئے اور تیس ان کے پاس لائے گئے۔ حضرت عمر صدقہ وصول کرنے والوں کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ لوگوں کے پاس وہیں جائیں جہاں وہ ہوں۔

کردم سے مروی ہے کہ عام الرمادہ میں حضرت عمر نے صدقہ وصول کرنے والے کو بھیجا اور فرمایا کہ قحط نے جس کی ایک بکری اور ایک چرواہا باقی رکھا ہے اسے دینا اور جس کے پاس دو بکریاں اور دو چرواہے بچے ہوں اس کو نہ دینا۔

حکم بن الصلت سے مروی ہے کہ میں نے یزید بن شریک الفزاری کو کہتے سنا کہ میں عمر بن الخطاب کے زمانے میں مویشی چراتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ صدقہ وصول کرنے کے لئے تمہارے پاس کون بھیجا جاتا تھا تو انہوں نے کہا کہ مسلمہ بن مخلد وہ ہمارے امیروں سے صدقہ لیتے تھے اور ہمارے فقیروں کو دے دیتے تھے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۷ سطر ۱۵

مصنوعی ہجرت کی مخالفت

زرین جیش سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو مدینہ کے ایک راستے پر دیکھا' وہ گندم گوں لانبے اور ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے والے آدمی تھے' چندیا پر بال نہ تھے' قطری چادر کو ہار کی طرح گلے میں ڈالے رہتے تھے' برہنہ پا لوگوں کو دیکھتے ہوئے چلتے تھے کہ

معلوم ہوتا گھوڑے پر سوار ہیں وہ کہتے تھے کہ اے اللہ کے بندو' ہجرت کرو اور بناوٹ کی ہجرت نہ کرو' اس سے بچو کہ تم میں سے کوئی شخص خرگوش کو لاٹھی سے مارے یا اس پر پتھر مارے اور اس کے کھانے کو کہے' یہ ضروری ہے کہ تمہارے لئے دھار' نیزہ یا تیر اسے ذبح کر دے۔

عاصم سے دریافت کیا گیا ہے "ہجرت کرو اور بناوٹ کی ہجرت نہ کرو" کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے کہا کہ سچے مہاجرین بنو اور مہاجرین کے مشابہ نہ بنو کہ جیسے تم ان میں سے ہو۔

حضرت عمر کے رنگ میں تغیر کی وجہ

محمد بن عمر نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ حدیث مشہور نہیں ہے' کہ حضرت عمر گندم گوں تھے البتہ عام الرمادہ میں جب انہوں نے زیتون کھایا تو ان کا رنگ بدل گیا۔

عیاض بن خلیفہ سے مروی ہے کہ میں نے عام الرمادہ میں حضرت عمر کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ سیاہ رنگ کے تھے حالانکہ وہ سفید رنگ کے گورے تھے' کہا جاتا ہے کہ یہ کاہے سے ہوا تو فرماتے کہ ایک عربی آدمی تھا' گھی اور دودھ کھاتا تھا' لوگوں پر قحط آیا تو اس نے دونوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا' اس نے زیتون کھایا جس سے اس کا رنگ بدل گیا اور بھوکا رہا تو اور زیادہ ہو گیا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۸ سطر ۲۰

حضرت عمر کا حلیہ

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ بڑے گورے آدمی تھے' جن پر سرخی غالب تھی' لانبے تھے' چندیا پر بال نہ تھے۔

قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمر کو حضرت عمر کا حلیہ بیان کرتے سنا کہ وہ گورے آدمی تھے' جن پر سرخی غالب تھی' لانبے قد کے تھے' چندیا پر بال نہ تھے' سفید بال والے تھے۔

سالم بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر کو کہتے سنا کہ ہم میں سیاہی صرف ہمارے ماموں اور عبداللہ بن عمر کی والدہ زینب بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح کی طرف سے آئی' ماموں سب سے زیادہ اپنی طرف کھینچنے والا ہے اور میرے پاس نکاح ہمارے

Presented by www.ziyaraat.net/

ماموں کی طرف سے آیا' یہ دونوں خصلتیں میرے والد رحمتہ اللہ میں نہ تھیں' میرے والد گورے تھے۔ عورتوں سے نکاح شہوت کی وجہ سے نہیں کرتے تھے۔ محض اولاد کی طلب کے لئے کرتے تھے۔

حزام بن ہشام نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے عمر کو بغیر اس کے کسی قوم کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا کہ وہ ان لوگوں سے اونچے تھے۔

عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ حضرت عمر درازی قد میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔

ایاس بن سلمہ بن الاکوع نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عمر اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے تھے۔

ابو ہلال سے مروی ہے کہ میں نے ابو التیاح کو حسن کی مجلس میں بیان کرتے سنا کہ وہ ایک چرواہے سے ملے اور اس سے کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ یہ شخص جو اپنے ہاتھ سے ہر کام کرنے والا ہے اسلام لے آیا یعنی حضرت عمر اس نے کہا کہ وہ شخص جو بازار عکاظ میں کشتی لڑا کرتا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں' اس نے کہا کہ دیکھو خبردار' یا تو وہ ان لوگوں کو خیر میں وسعت کر دے گا' یا ان کے شر میں وسعت کر دے گا۔

مسلمہ بن قحیف یا بشر بن قحیف سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ موٹے آدمی تھے۔

ہلال سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ ایسے جسم (خوبصورت جسم کے) تھے کہ بنی سدوس کے معلوم ہوتے تھے۔

ہلال بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر اپنے چلنے میں تیز چلتے تھے اور وہ گندم گوں آدمی تھے جو بنی سدوس کے لوگوں میں معلوم ہوتے تھے' ان کے دونوں پاؤں کے درمیان کشادگی تھی (یعنی چلنے میں پاؤں پھیلا کر چلتے تھے)

نافع بن جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ حضرت عمر کی چندیا کے بال جاتے رہے' پھر ان کے بالوں کا جانا بہت بڑھ گیا۔

طبقات ابن سعد۔ جلد ۳ ص ۱۰۸ سطر آخر

حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ

راوی نے کہا کہ چار ہی دن گزرے تھے کہ ان پر حملہ کر دیا گیا' وہ جب مسجد میں داخل ہوئے تو دو صفوں کے درمیان کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ برابر ہو جاؤ' لوگ برابر ہوگئے تو آگے بڑھے اور تکبیر کہی۔ جب تکبیر کہی تو انہیں خنجر مارا گیا۔ راوی نے کہا کہ میں نے انہیں فرماتے سنا کہ مجھے کتے نے قتل کر دیا یا کتے نے کھا لیا' مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کیا فرمایا' وہ کافر (قاتل) جس کے ہاتھ میں چھری تھی دونوں طرف اڑا جو داہنے بائیں کسی آدمی کے پاس سے بغیر اسے زخمی کئے نہیں گزرتا تھا' اس نے تیرہ مسلمانوں کو زخمی کیا جن میں سے نو مرگئے' جب ایک مسلمان نے یہ دیکھا تو انہوں نے اپنے عمامے کے نیچے کی لمبی ٹوپی اس پر ڈال دی کہ اسے گرفتار کر لیں' جب اسے یقین ہوگیا وہ گرفتار ہو جائے گا تو اپنے بھی چھری بھونک لی۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۰ سطر ۲

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی امامت نماز

عمر کو زخمی کیا گیا تو میرے اور ان کے درمیان سوائے ابن عباس کے اور کوئی نہ تھا' انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا' اس روز لوگوں نے نماز فجر مختصر ادا کی' مسجد کے اطراف لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کیا واقعہ ہے' البتہ جب انہوں نے عمر کی آواز نہ سنی تو سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے' لوگ واپس ہوئے تو سب سے پہلے جو صاحب عمر کے پاس گئے وہ ابن عباس تھے۔ انہوں نے (ابن عباس سے) فرمایا کہ دیکھو تو مجھے کس نے قتل کیا۔ ابن عباس روانہ ہوئے' تھوڑی دیر تک گھومتے رہے' پھر ان کے پاس آئے اور کہا کہ مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے جو بڑھئی تھا' آپ کو قتل کیا ہے' فرمایا کہ خدا اسے غارت کرے' اسے کوئی شکایت نہ تھی' سوائے اس کے کہ میں نے اس کے متعلق ایک اچھی بات کا حکم دیا تھا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۰ سطر ۱۱

حضرت عمر کا اظہار تشکر

پھر فرمایا کہ سب تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے میری موت ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں کی جو اسلام کا دعوئ کرتا ہو۔ ابن عباس سے فرمایا کہ تم اور تمہارے والد چاہا کرتے تھے کہ مدینے میں کفار کی کثرت ہو۔ ابن عباس نے کہا کہ آپ اگر چاہیں تو ہم کریں' فرمایا کہ آیا اس

Presented by www.ziyaraat.net/

کے بعد کو تم لوگ اپنی گفتگو کر چکے' اپنی نماز پڑھ چکے' اپنا حج کر چکے' لوگوں نے عرض کی کہ آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے' انہوں نے نبیذ (زلال تمر) منگا کے پی' وہ ان کے زخم سے نکل گئی' پھر انہوں نے دودھ منگا کر پیا' تو وہ بھی زخم سی نکل گیا۔ جب انہیں یقین ہوگیا کہ موت ہے تو فرمایا اے عبداللہ بن عمر مجھ پر کتنا قرض ہے' انہوں نے حساب کیا تو چھیاسی ہزار درم نکلے' فرمایا اے عبداللہ' اگر آل عمر کا مال اس کے لئے کافی ہو تو ان کے مال سے ادا کر دینا' اور اگر ان کا مال کافی نہ ہو تو بنی عدی بن کعب سے مانگنا' اگر وہ بھی کافی نہ ہو تو قریش سے مانگنا اور ان کے علاوہ کسی اور سے نہ کہنا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۰ سطر ۲۱

حضرت عمر کی حضرت عائشہ سے درخواست

پھر فرمایا' اے عبداللہ' ام المومنین عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمر آپ کو سلام عرض کرتا ہے (عمر ہی کہنا) امیرالمومنین نہ کہنا کیونکہ میں آج ان کا امیر نہیں ہوں (بعد سلام کہنا کہ وہ) کہتا ہے کہ آپ اسے اجازت دیتی ہیں کہ وہ اپنے دونوں صاحبوں کے ساتھ دفن کیا جائے؟ ابن عمر ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں پایا کہ وہ بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں سلام کیا اور کہا کہ عمر بن الخطاب اس امر کی اجازت چاہتے ہیں کہ انہیں ان کے دونوں صاحبوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔ عائشہ نے کہا کہ واللہ میں اس قبر کی جگہ کو اپنے لئے چاہتی تھی لیکن آج میں انہیں اپنے اوپر ضرور ترجیح دوں گی۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۱ سطر ۳

حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ

چند راتیں گزریں' ابو لؤلو نے ایک خنجر اپنے ساتھ لے لیا جس کے دو سرے تھے اور دھار بیچ میں تھی' صبح کی تاریکی میں مسجد کے کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ گیا اور برابر وہیں رہا یہاں تک کہ نماز فجر کے لئے حضرت عمر لوگوں کو جگانے نکلے' حضرت عمر ایسا کیا کرتے تھے۔ جب حضرت عمر اس کے قریب ہوئے تو اس نے حملہ کیا اور تین خنجر مارے' ان میں سے ایک زیر ناف لگا' جس نے پیٹ کی اندرونی کھال کو کاٹ دیا اور اسی نے انہیں قتل کر دیا' پھر وہ اہل مسجد پر

ٹوٹ پڑا اور حضرت عمر کے علاوہ گیارہ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ پھر اپنا خنجر اپنے ہی بھونک لیا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۹

حضرت عمر کی ادائیگی نماز

جس وقت عمر کے خون جاری ہوگیا اور لوگ پے درپے ان کے پاس آگئے تو فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' عمر پر سیلان خون کا غلبہ ہوگیا' جس سے غشی طاری ہوگئی۔

ابن عباس نے کہا کہ میں نے ایک جماعت کے ساتھ عمر کو اٹھا کر ان کے مکان پر پہنچایا' عبدالرحمٰن نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ان کی آواز اجنبی معلوم ہوئی۔ میں برابر حضرت عمر ہی کے پاس رہا اور وہ بھی برابر غش میں رہے' یہاں تک کہ صبح کی روشنی پھیل گئی جب روشنی ہو گئی تو انہیں افاقہ ہوا' ہمارے چہروں پر نظر کی اور فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی' میں نے کہا جی ہاں' پھر فرمایا کہ اس کا اسلام نہیں جس نے نماز ترک کر دی' وضو کا پانی منگایا اور وضو کیا' نماز پڑھی اور فرمایا کہ اے عبداللہ ابن عباس جاؤ اور دریافت کرو کہ مجھے کس نے قتل کیا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۹ سطر ۱۷

حضرت عمر کا قاتل کے متعلق استفسار

میں نکلا' مکان کا دروازہ کھولا تو لوگ جمع تھے جو عمر کے حال سے ناواقف تھے' میں نے دریافت کیا کہ حضرت عمر کو کس نے قتل کیا' تو لوگوں نے کہا انہیں اللہ کے دشمن ابو لؤلؤ' مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے خنجر مارا ہے۔

میں اندر گیا تو حضرت عمر مجھ پر نظر جمائے ہوئے خبر دریافت کرنے لگے' جس کے لئے مجھے بھیجا تھا۔ عرض کی مجھے آپ نے اس لئے بھیجا تھا کہ قاتل کو دریافت کروں' میں نے لوگوں سے گفتگو کی تو ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ کے دشمن ابو لؤلؤ' مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے خنجر مارا' اس نے آپ کے ساتھ ایک جماعت کو بھی خنجر مارا' پھر خودکشی کر لی۔

فرمایا' سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے میرا قاتل ایسے شخص کو نہیں بنایا جو اللہ

Presented by www.ziyaraat.net/

کے سامنے اس سجدے کی بنا پر مجھ سے حجت کریں جو کبھی اس نے کیا ہو' عرب ایسے نہیں جو مجھے قتل کرتے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۲۹ سطر آخر

طبیب کی طلبی

سالم نے کہا کہ پھر میں نے عبداللہ بن عمر کو کہتے سنا کہ حضرت عمر نے فرمایا میرے پاس طبیب بلا بھیجو میرے اس زخم کو دیکھے' لوگوں نے عرب کے طبیب کو بلا بھیجا' اس نے حضرت عمر کو نبیذ پلائی' نبیذ جس وقت زیر ناف کے زخم سے نکلی تو خون کے مشابہ ہوگئی۔

میں نے انصار میں سے ایک دوسرے طبیب کو بلایا' پھر بنی معاویہ میں سے (ایک طبیب کو) بلایا' اس نے انہیں دودھ پلایا تو وہ بھی زخم سے اس طرح نکلا کہ سفیدی جھلک رہی تھی۔ طبیب نے کہا آپ وصیت کیجئے حضرت عمر نے فرمایا کہ بنی معاویہ کے بھائی نے مجھ سے سچ کہا۔ اگر تم مجھ سے اس کے سوا کہتے تو میں تمہاری تکذیب کرتا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰ سطر ۱۰

ابی الحویرث سے مروی ہے کہ جب مغیرہ بن شعبہ کا غلام آیا تو انہوں نے ایک سو بیس درم ماہوار یا چار درم روزانہ مقرر کئے' وہ خبیث تھا' جب چھوٹے قیدیوں کو دیکھتا تو ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتا اور رو کے کہتا کہ عرب نے میرا جگر کھا لیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰ سطر آخر

جب عمر مکے سے آئے تو ابو لؤلو ان کے ارادے سے نکلا' اس نے انہیں اس حالت میں پایا کہ صبح کے وقت بازار کی طرف جا رہے تھے' عبداللہ بن زبیر کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے' اس نے کہا یا امیرالمومنین' میرے آقا مغیرہ نے مجھے جزیے کی اتنی تکلیف دی ہے جس کی مجھے طاقت نہیں' فرمایا انہوں نے تجھے کیا تکلیف دی ہے' اس نے کہا چار درم روزانہ' فرمایا کہ تو کیا بناتا ہے اس نے کہا چکیاں اور اپنے باقی کاموں سے خاموش رہا' پھر پوچھا کہ تو چکی کتنے میں بناتا ہے اس نے بتایا فرمایا کہ اور کتنے میں تو اسے بیچتا ہے' اس نے انہیں بتایا' تو فرمایا کہ انہوں نے تجھے کم تکلیف دی۔ جا اپنے مولیٰ کو وہی دے کہ جو انہوں نے تجھ سے مانگا۔

جب وہ پلٹا تو حضرت عمر نے کہا کہ تو ہمارے لئے ایک چکی نہیں بنا دیتا اس نے کہا کیوں

نہیں میں آپ کے لئے ایسی چکی بناؤں گا کہ بہت سے شہر والے اس کی باتیں کریں گے عمر اس کے کلام سے پریشان ہوگئے علیؑ بھی ہمراہ تھے ان سے کہا کہ آپ کی رائے میں اس نے کیا سوچا؟ علیؑ نے فرمایا اے عمر اس نے آپ کو دھمکی دی عمر نے کہا اس سے ہمیں اللہ کافی ہے میرا گمان یہ ہے کہ اپنے کلام سے اس کی مراد غور ہے یعنی خوب غور سے چکی بنائے گا عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے مروی ہے کہ ابو لولو نہاوند کے قیدیوں میں سے تھا۔

قاتل حضرت عمر کی خود کشی

ابو بکر بن اسماعیل بن محمد بن سعد نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب حضرت عمر کے خنجر مار دیا گیا تو ابو لؤلوہ بھاگا حضرت عمر پکارنے لگے' "کتا' کتا" اس نے ایک جماعت کو زخمی کر دیا' قریش کی ایک جماعت نے اسے گرفتار کر لیا' جس میں عبداللہ بن عوف الزہری' ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص اور بنی سہم کے ایک شخص تھے' عبداللہ بن عوف نے اس پر اپنی چادر ڈال دی' جب وہ پکڑ لیا گیا تو اپنے بھی خنجر بھونک لیا۔

عبداللہ بن نافع نے اپنے والد سے روایت کی کہ اسی نے اپنے آپ کو خنجر سے زخمی کیا یہاں تک کہ اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ عبداللہ بن عوف الزہری نے اس کا سر کاٹ لیا۔

سالم بن عبداللہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے حضرت عمر کو کہتے سنا کہ مجھے ابو لؤلوہ نے خنجر مارا اور میں اسے صرف کتا ہی سمجھتا رہا' یہاں تک کہ اس نے مجھے تیسری مرتبہ خنجر مارا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۱ سطر ۱۸

Presented by www.ziyaraat.net/

حضرت عمر کا بدری صحابہ سے استفسار

جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب حضرت عمر بن الخطاب کے خنجر مارا گیا تو بدر کے مہاجرین و انصار ان کے پاس جمع ہوگئے' ابن عباس سے فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور دریافت کرو کہ کیا تم لوگوں کے مشورہ و ایما سے یہ ہوا ہے جس سے مجھے تکلیف پہنچی؟ ابن عباس نکلے اور لوگوں سے دریافت کیا تو قوم نے کہا کہ واللہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ ہماری عمروں سے آپ کی عمر میں اضافہ کر دے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۱ سطر آخر

صف سیدھی کرنے کی ہدایت

عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کو مصیبت پہنچائی گئی تو میں نے انہیں اس حالت میں دیکھا کہ جسم پر زرد تہ بند تھی' ان کی ہیبت سے میں صف اول چھوڑ دیتا تھا' اس روز میں صف ثانی میں تھا' وہ آئے اور فرمایا کہ اے اللہ کے بندو نماز پڑھو' صف سیدھی کر لو' پھر انہوں نے تکبیر کہی' اتنے میں دو یا تین خنجر مارے گئے' ان کے بدن پر زرد تہ بند تھی جس کو انہوں نے سینے تک اٹھا کے پھر چھوڑ دیا اور کہتے جاتے تھے **"وَکَانَ اَمرُ اللّٰہِ قَدَرًا" مَقدُورًا"** (اور اللہ کا حکم اندازہ مقرر ہے) (ابو لؤلوہ) لوگوں پر ٹوٹ پڑا' اس نے قتل کیا اور دس سے زائد آدمیوں کو زخمی کیا' لوگ اس کی طرف ٹوٹ پڑے اس نے خنجر کو مضبوط پکڑ لیا اور خود کشی کر لی۔

عمرو بن میمون سے مروی کہ جب حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے **"وَکَانَ اَمرُ اللّٰہِ قَدَرًا" مَقدُورًا"** لوگوں نے قاتل کی جستجو کی' جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا جس کی دو دھاریں تھیں' جو شخص قریب گیا اسے وہ خنجر مارنے لگا' اس نے تیرہ آدمی زخمی کئے جن میں چار بچے اور نو مر گئے' یا نو بچ گئے اور چار مر گئے۔

عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ جس سال عمر کو مصیبت پہنچائی گئی' انہوں نے فجر کی نماز میں **"لَا اُقسِمُ بِھٰذَا البَلَد"** اور **"وَالتِّینِ وَالزَّیتُونِ"** کی سورتیں پڑھیں۔

عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ جس وقت حضرت عمر بن الخطاب کو خنجر مارا گیا تو وہ یہ

کہہ رہے تھے **"وَکَانَ اَمرُ اللّٰہِ قَدَرًا" مَقدُورًا"**

ابن عمر نے حضرت عمر سے روایت کی کہ وہ امرائے لشکر کو لکھا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کفار کو گھسیٹ کر نہ لاؤ' اسی کے مطابق عمل ہوتا تھا' جب انہیں ابو لؤلوہ نے خنجر مارا تو پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام۔ فرمایا کیا میں نے تم لوگوں سے کہا نہیں تھا کہ ہمارے پاس کسی کافر کو گھسیٹ کر نہ لانا' مگر تم لوگ مجھ پر غالب آگئے۔
طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۲ سطر ۶

حضرت عمر کے علاوہ مسلم زخمیوں کی تعداد

عمرو بن میمون سے مروی ہے کہ جس وقت حضرت عمر کو خنجر مارا گیا' میں موجود تھا اور جس نے انہیں خنجر مارا اس نے تیرہ یا انیس آدمیوں کو خنجر سے زخمی کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے ہماری امامت کی' انہوں نے فجر میں قرآن کی سب سے چھوٹی سورتیں والعصر اور اِذَا جَاءَ نَصرُ اللہ پڑھیں۔

سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ جس نے حضرت عمر کو خنجر مارا' اس نے مع حضرت عمر کے بارہ آدمیوں کو اسی خنجر سے زخمی کیا' ان میں سے مع عمر کے چھ مر گئے اور چھ اچھے ہوگئے۔
طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۲ سطر آخر

حضرت عمر کے زخم کی حالت

ابن عمر سے مروی ہے کہ جب عمر کو خنجر مارا گیا تو وہ اٹھا لئے گئے' ان پر غشی طاری ہوگئی' ہوش آیا تو ہم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عمر نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا اور مجھ سے سہارا لگایا ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا میں اپنی یہ بیچ کی انگلی رکھتا مگر سوراخ بند نہ ہوتا' انہوں نے وضو کیا اور صبح کی نماز پڑھی' پہلی رکعت میں "وَالعَصرِ" اور دوسری میں "قُل یَا اَیُّھَا الکَافِرُونَ" پڑھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا چھری کے متعلق بیان

نافع سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے وہ چھری دیکھی جس سے حضرت عمر قتل کئے گئے' انہوں نے کہا کہ کل میں نے یہ ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھی تھی' میں نے پوچھا

Presented by www.ziyaraat.net/

کہ تم دونوں اس چھری سے کیا کرو گے' تو انہوں نے کہا کہ اس سے ہم گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم لوگ گوشت کو چھوتے نہیں' عبید اللہ بن عمر نے پوچھا کیا تم نے وہ چھری ان دونوں کے پاس دیکھی تھی' انہوں نے کہا کہ ہاں' عبید اللہ نے اپنی تلوار لی' ان دونوں کے پاس آئے اور قتل کر دیا۔ عثمان نے انہیں بلا بھیجا وہ ان کے پاس آئے فرمایا کہ تمہیں ان دونوں آدمیوں کے قتل پر کس نے برانگیختہ کیا' وہ تو ہماری پناہ (ذمے) میں تھے۔ عبید اللہ نے عثمان کو پکڑ کر پچھاڑ دیا لوگ اٹھ کر ان کے پاس آئے اور انہیں ان سے چھڑایا۔ جس وقت عثمان نے انہیں بلا بھیجا تو انہوں نے تلوار لٹکائی' مگر عبد الرحمٰن نے قسم دلائی' تو انہوں نے وہ رکھ دی۔

اسلم سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو انہوں نے پوچھا کہ کس نے مجھے مصیبت پہنچائی لوگوں نے کہا کہ ابو لؤلو نے' اس کا نام فیروز ہے اور مغیرہ بن شعبہ کا غلام ہے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو کافروں میں سے کسی کو ہمارے پاس گھسیٹ لانے سے منع کیا تھا مگر تم نے میری نافرمانی کی۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۳ سطر ۱۰

زخمی حالت میں نماز کی ادائیگی

مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر کے زخمی ہونے کے بعد ابن عباس ان کے پاس آئے اور عرض کی نماز (پڑھ لیجئے) فرمایا' اچھا اس آدمی کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جس نے نماز کو ضائع کر دیا انہوں نے نماز پڑھی حالانکہ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر کو جب زخمی کیا گیا تو ان پر بے ہوشی طاری ہونے لگی' کہا گیا کہ نماز جیسی چیز سے تم لوگ ہرگز انہیں پریشان نہ کرو گے (یعنی ان سے نماز پڑھنے کو کہو گے تو وہ ہرگز پریشان نہ ہوں گے) بشرطیکہ ان میں جان ہو' کہا گیا نماز جو ادا ہے دیا' نماز پڑھ لی گئی ہے' وہ ہوشیار ہو گئے' فرمایا کہ نماز' اے اللہ تب تو لے لے' جس نے نماز ترک کر دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ انہوں نے نماز پڑھی حالانکہ ان کا زخم خون بہا رہا تھا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۳ سطر آخر

نماز کی تلقین

مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ جس وقت حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو میں اور ابن عباس

ان کے پاس گئے نماز کی اذان کہہ دی گئی تھی' کہا گیا نماز' انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا کہ نماز' جس نے نماز ترک کر دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ انہوں نے نماز پڑھی حالانکہ زخم خون بہا رہا تھا' طبیب کو بلایا گیا۔ اس نے انہیں نبیذ پلائی تو وہ خون کی ہم شکل ہو کر نکل گئی' پھر اس نے انہیں دودھ پلایا تو وہ سفید نکلا' تب اس نے کہا' اپنی وصیت کر دیجئے۔ انہوں نے اصحاب شوریٰ کو طلب کیا' اس کا یہی سبب تھا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۴ سطر ۲

احساس ذمہ داری

سماک سے مروی ہے کہ میں نے ابن عباس سے سنا کہ جب حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو میں ان کے پاس گیا اور تعریف کرنے لگا' فرمایا تم کس چیز پر میری تعریف کرتے ہو' خلافت پر یا غیر خلافت پر۔ میں نے کہا کہ سب پر' فرمایا کہ کاش مجھے اس سے بچا کے نکال دیا جاتا کہ نہ تو ثواب ملتا نہ عذاب۔

سماک الحنفی سے مروی ہے کہ میں نے ابن عباس کو کہتے سنا کہ میں نے حضرت عمر سے کہا کہ اللہ نے آپؓ کے ذریعے سے شہروں کو بنایا اور آپ کے ذریعے سے بہت سی فتوح دیں' آپ کے ذریعے سے فلاں کام کیا اور فلاں کام کیا۔ فرمایا کہ مجھے یہ پسند تھا کہ میں ان سے اس طرح نجات پا جاتا کہ نہ ثواب ہوتا نہ عذاب۔

زید بن اسلم نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب عمر بن الخطاب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ تم لوگ امارت میں مجھ پر رشک کرتے تھے' واللہ مجھے یہ پسند ہے کہ میں کسی طرح بھی نجات پا جاؤں' نہ کچھ مجھ پر ہو نہ میرے لئے ہو۔

سلیمان بن یسار نے ولید بن عبدالملک سے روایت بیان کی تو مالک نے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا' یا مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔

مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر جب زخمی کئے گئے تو اس شب کو وہ اور ابن عباس ان کے پاس گئے' صبح ہوئی تو لوگوں نے انہیں گھبرا دیا اور کہا کہ نماز' وہ گھبرا گئے اور فرمایا کہ ہاں' اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے جس نے نماز ترک کر دی' پھر انہیں نے نماز

Presented by www.ziyaraat.net/

پڑھی، حالانکہ زخم خون بہا رہے تھے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۴ سطر آخر

حضرت ام کلثوم کی گریہ و زاری

ابن عباس سے مروی ہے کہ میں علیؑ کے ساتھ تھا کہ شور سنا حضرت علیؑ کھڑے ہوگئے اور میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہوگیا، ہم ان کے پاس اس مکان میں گئے جس میں وہ تھے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا کہ یہ آواز کیا ہے۔ کسی عورت نے کہا کہ حضرت عمر کو طبیب نے نبیذ پلائی تو وہ نکل گئی اور دودھ پلایا تو وہ بھی نکل گیا۔ اس طبیب نے کہا کہ مجھے آپ شام کرتے نہیں دکھائی دیتے۔ لہٰذا آپ جو کرنا چاہیں کر لیجئے، ام کلثوم نے کہا، ہائے عمر ان کے ہمراہ عورتیں تھیں وہ بھی رونے لگیں اور سارا گھر رونے سے گونج اٹھا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ واللہ اگر میرے لئے تمام روئے زمین کی چیزیں ہوتیں تو آخرت کے متعلق جو اطلاع دی گئی ہے اس کے ہول سے میں اسے فدیے میں دے دیتا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۵ سطر ۲

طبیب کی رائے

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر زخمی کیے گئے تو لوگ ان کے پاس آنے لگے، ایک شخص سے فرمایا، میرا زخم دیکھو، اس نے ہاتھ اندر ڈال کر دیکھا، فرمایا تم نے کیا محسوس کیا، اس نے کہا کہ میں اسے اس حالت میں پاتا ہوں کہ آپ کی صرف وہی رگ باقی رہ گئی ہے جس سے آپ قضائے حاجت کرتے ہیں، فرمایا کہ تم سب سے زیادہ سچے اور سب سے زیادہ اچھے ہو، پھر اس شخص نے کہا کہ واللہ مجھے امید ہے کہ آپ کی جلد کو آگ کبھی مس نہ کرے گی، انہوں نے اس کی طرف دیکھا، ہم لوگ ان کی خوبیاں بیان کرکے رونے لگے یا ان کے لئے ہمارے دل بھر آئے (اس شخص سے) فرمایا اے فلاں اس کے متعلق تمہارا علم بہت کم ہے، اگر میرے لئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں تو میں خبر دادہ امور کے ہول سے ان کو فدیہ میں دے دیتا۔

محمد سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ جب عمر کے سانحے کی صبح ہوئی تو میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے ان کو اٹھایا، ہم نے ان کو گھر میں پہنچا دیا، کسی قدر افاقہ ہوا تو فرمایا کہ مجھے کس نے مصیبت پہنچائی۔ میں نے کہا کہ مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابو لؤلوہ نے، فرمایا، یہ تمہارے ساتھیوں کا عمل ہے، میں چاہتا تھا کہ مدینتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قیدیوں میں سے کوئی کافر داخل نہ ہو، مگر تم لوگ اتنا مجھ پر غالب آگئے کہ میری عقل مغلوب ہوگئی، میری طرف سے دو باتیں یاد رکھو کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور نہ میں نے کلالہ (وہ میت جس کے ورثے میں نہ اولاد ہو نہ والدین کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا، محمد کے علاوہ دوسروں نے یہ روایت کی کہ انہوں نے فرمایا، میں نے دادا بھائی کی میراث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۵ سطر ۲۰

حضرت عمر کی اپنے فیصلہ کے متعلق وصیت

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کو مصیبت پہنچائی گئی تو میں ان کے پاس گیا اور کہا آپ کو صرف اس شخص نے مصیبت پہنچائی جس کا نام ابو لؤلوہ ہے۔ فرمایا کہ میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تین باتوں میں کوئی فیصلہ نہیں کیا سوائے اس کے کہ میں تم سے جو کچھ کہتا ہوں کہ میں نے غلام میں ایک اور غلام اور باندی کے لڑکے میں دو غلام کئے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۶ سطر ۷

حضرت عمر کی حضرت ابن عباس سے وصیت

ابن عباس نے بصرے میں بیان کیا کہ جس وقت حضرت عمر بن الخطاب کو خنجر مارا گیا تو میں ان لوگوں میں پہلا شخص تھا جو ان کے پاس آئے۔ عمر نے فرمایا کہ مجھ سے تین باتیں یاد رکھو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ مجھے نہ پائیں گے، میں نے کلالہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا، میں نے لوگوں پر کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، اور میرا ہر غلام آزاد ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ خلیفہ بنا دیجئے، فرمایا اس میں سے میں جو بھی کروں تو اس کو انہوں نے کیا ہے جو مجھ سے بہتر

Presented by www.ziyaraat.net/

تھے۔ اگر میں لوگوں کے امر کو ان کے لئے چھوڑ دوں تو اسے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی چھوڑا ہے اور اگر میں خلیفہ بنا دوں تو ابوبکر نے بھی جو مجھ سے بہتر تھے خلیفہ بنایا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو جنت کی خوش خبری ہو کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت اٹھائی اور طویل صحبت اٹھائی آپ امر مسلمین کے والی ہوئے تو اسے قوی کر دیا اور امانت کو ادا کر دیا' فرمایا تمہارا مجھے جنت کی خوشخبری دینا' تو قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اگر میرے لئے دنیا و مافیہا ہو تو قبل اس کے کہ مجھے خبر کا علم ہو جو میرے سامنے ہے اس کے ہول سے یہ سب فدیے میں دے دوں تمہارا مسلمانوں کی حکومت کے بارے میں کہنا تو واللہ مجھے یہ پسند ہے کہ یہ کفاف (برابر سرابر) ہو کہ نہ کچھ میرے لئے ہو نہ کچھ میرے اوپر ہو لیکن تم نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت کے بارے میں بیان کیا تو یہ تو ہے۔

ابی سعید الخدری سے مروی ہے کہ جس وقت حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو میں ان میں سے نواں شخص تھا چنانچہ ہم نے انہیں اندر پہنچایا تو ہم سے اشتداد درد کی شکایت کی۔

کعب سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بادشاہ تھا کہ جب ہم اس کا ذکر کرتے تو حضرت عمر کا ذکر کرتے اور جب حضرت عمر کا ذکر کرتے تو اس کا ذکر کرتے' اس کے پہلو میں ایک نبی تھے جن پر وحی کی جاتی تھی' اللہ نے ان نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وحی کی کہ وہ اس سے کہہ دیں کہ تمہیں جو عہد کرنا ہو کر لو اور مجھے اپنی وصیت لکھ کر دے دو' کیونکہ تم تین دن تک مر جاؤ گے' ان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کی خبر دی' جب تیسرا دن ہوا تو وہ بادشاہ تخت اور دیوار کے درمیان پڑ گیا۔ اللہ کی طرف گڑگڑایا اور کہا کہ اے اللہ اگر تجھے معلوم ہے کہ میں حکم کرنے میں عدل کرتا تھا اور جب امور مختلف ہوتے تو میں تیری محبت کی پیروی کرتا تھا اور میں چناں تھا اور چنیں تھا تو میری عمر میں اتنا اضافہ کر دے کہ میرے بچے بڑے ہو جائیں اور رعیت بڑھ جائے اللہ نے اپنے نبی کو وحی کی کہ اس بادشاہ نے یہ اور یہ کہا اور اس نے سچ کہا' میں نے اس کی عمر میں پندرہ سال کا اضافہ کر دیا۔ اس زمانے میں اس کے لڑکے بھی بڑے ہو جائیں گے اور رعیت بھی بڑھ جائے گی۔

حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو کعب نے کہا کہ اگر حضرت عمر بھی اپنے پروردگار سے دعا کریں تو

انہیں ضرور باقی رکھے گا' حضرت عمر کو اس کی خبر دی گئی تو فرمایا کہ اے اللہ تو مجھے عاجز ہونے اور نشانہ ملامت بننے سے پہلے اٹھا لے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۶ سطر ۱۲

خوف خلافت

قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جس وقت حضرت عمر بن الخطاب زخمی کئے گئے تو لوگ ان کی تعریف کرنے اور انہیں رخصت کرنے آئے حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا تم لوگ امارت کی وجہ سے میری پاکی وصفائی بیان کرتے ہو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے اس حالت میں اٹھا لیا کہ وہ مجھ سے راضی تھے' پھر میں نے حضرت ابوبکر کی صحبت اٹھائی' میں نے ان کی بھی اطاعت و فرماں برداری کی' حضرت ابوبکر کی وفات بھی اس حالت میں ہوئی کہ میں مطیع و فرماں بردار تھا' مجھے کبھی اپنے اوپر کسی امر کا خوف نہیں ہوا' سوائے تمہاری اس امارت کے۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو لوگ ان کے پاس آنے لگے' فرمایا کہ اگر میرے لئے روئے زمین کی تمام اشیاء ہوتیں تو میں انہیں ہول مطلع (قیامت) سے فدیہ میں دے دیتا۔

شعبی سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے زخمی ہونے کے بعد دودھ مانگا' پیا تو زخم سے نکلا' فرمایا اللہ اکبر' ان کے ہمنشین اس پر ان کی تعریف کرنے لگے تو فرمایا کہ وہ شخص جسے اس کی عمر نے دھوکا دیا وہ ضرور دھوکے میں ہے۔ واللہ مجھے یہ پسند ہے کہ میں اس سے اسی طرح نکل جاؤں جس طرح میں اس میں داخل ہوا تھا' واللہ اگر میرے لئے وہ تمام ہوتا جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے تو میں ہول مطلع (قیامت) سے اسے فدیے میں دے دیتا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۸ سطر ۸

خنجر کی شناخت

سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کہا کہ جس وقت حضرت عمر قتل کئے گئے تو میں ابو لؤلؤ کے پاس سے گزرا اس کے ہمراہ جفینہ اور ہرمزان بھی تھے'

Presented by www.ziyaraat.net/

تینوں سرگوشی کر رہے تھے، جب میں دفعتہً ان کے پاس پہنچ گیا تو وہ بھاگے، ان کے درمیان سے ایک خنجر گر پڑا جس کے دو سرے تھے اور اس کی دھار بیچ میں تھی تم لوگ دیکھو کہ جس سے حضرت عمر قتل کئے گئے وہ کونسا خنجر ہے، انہوں نے وہی خنجر پایا۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے جس کی صفت بیان کی تھی۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۸-۱۱ سطر ۸

ہرمزان کے قتل کا واقعہ

عبید اللہ بن عمر نے یہ بات عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے سنی تو وہ گئے اور ان کی تلوار بھی پاس تھی، انہوں نے ہرمزان کو پکارا، جب وہ نکل کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ چل کہ ہم اپنے ایک گھوڑے کو دیکھیں، وہ اس سے پیچھے ہٹ گئے، جب وہ ان کے آگے سے گزرا تو انہوں نے اسے تلوار مار دی۔ عبید اللہ نے کہا جب اس نے تلوار کی حرارت محسوس کی تو کہا۔ **"لا الہ الا اللہ۔**

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۹ سطر ۱

جفینہ اور دختر ابو لؤلوہ کا قتل

عبید اللہ نے کہا کہ میں نے جفینہ کو بلایا جو الحیرہ کے نصاریٰ میں سے سعد بن ابی وقاص کا رضاعی بھائی تھا، وہ اسے اس رضاعت کی وجہ سے مدینے میں لائے جو ان کے اور اس کے درمیان تھی اور مدینے میں لکھنے کی تعلیم دیتا تھا، جب میں نے اسے تلوار ماری تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان صلیب کا اشارہ کیا، عبداللہ روانہ ہوئے اور انہوں نے ابو لؤلوہ کی چھوٹی لڑکی کو بھی جو اسلام کا دعویٰ کرتی تھی، قتل کر دیا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۹ سطر ۷

عبید اللہ بن عمر اور عمرو بن العاص میں جھگڑا

عبید اللہ نے یہ ارادہ کیا کہ اس روز مدینے میں کسی قیدی کو بغیر قتل کیے نہ چھوڑیں گے، مہاجرین اولین ان کے پاس جمع ہوگئے، انہوں نے منع کیا اور دھمکایا تو انہوں نے کہا واللہ میں ان کو اور دوسروں کو ضرور قتل کردوں گا، انہوں نے بعض مہاجرین پر بھی تعریض کی، عمرو بن العاص برابر ان کے ساتھ رہے اور انہیں تلوار دے دی۔ جب انہوں نے تلوار دے دی تو ان

کے پاس سعد ابن ابی وقاص آئے، ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کا سر پکڑا اور باہم لڑنے لگے یہاں تک کہ ان کے درمیان پڑ کے انہیں روکا گیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۹ سطر ۱۴

عبید اللہ بن عمر اور حضرت عثمان میں ہاتھا پائی

قبل اس کے کہ ان راتوں میں عثمان سے بیعت کی جائے، عثمان آئے، انہوں نے عبید اللہ پر حملہ کیا اور دنوں باہم دست و گریبان ہوئے۔ جس روز عبید اللہ نے جفینہ اور ہرمزان اور ابو لؤلوہ کی لڑکی کو قتل کیا لوگوں پر زمین تاریک ہوگئی، ان کے اور عثمان کے درمیان بیچ بچاؤ کیا گیا۔

جب عثمان خلیفہ بنا دے گئے تو انہوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور کہا کہ مجھے اس شخص کے قتل کے بارے میں مشورہ دو جس نے دین میں وہ رخنہ پیدا کیا، جو پیدا کیا، مہاجرین نے ایک بات پر اتفاق کر لیا اور عثمان کو ان کے قتل پر والی بنا دیا، لوگوں کی اکثریت عبید اللہ کے ساتھ تھی جو جفینہ و ہرمزان کے لئے کہتے تھے کہ خدا ان دونوں کو دور کر دے۔ شاید تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ عمر کے پیچھے ان کے بیٹے کو کر دو۔

اس معاملے میں شور و غل اور اختلاف بہت ہوگیا۔ عمرو بن العاص نے عثمان سے کہا کہ یہ واقعہ تو آپ کی خلافت کے آغاز سے پہلے ہوا لہٰذا آپ ان سے در گزر کیجئے۔ عمرو کی تقریر سے لوگ منتشر ہوگئے، حضرت عثمان بھی باز آگئے اور دونوں آدمیوں اور لڑکی کا خون بہا دے دیا گیا۔

عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ اللہ حفصہ پر رحمت کرے، وہ ان لوگوں میں سے تھیں جنہوں نے عبید اللہ کو ان لوگوں کی قرأت پر بہادر بنایا۔

موسیٰ بن یعقوب نے اپنے باپ دادا سے روایت کی کہ اس روز حضرت عثمانؓ عبید اللہ بن عمر سے ہاتھا پائی کرنے لگے، میں نے عبید اللہ کی پیشانی کے بال حضرت عثمان کے ہاتھ میں دیکھے اس روز زمین لوگوں پر تاریک ہوگئی تھی۔

ابی وجزہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے اس روز عبید اللہ کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ عثمان سے ہاتھا پائی کر رہے تھے، حضرت عثمان کہہ رہے تھے کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے

Presented by www.ziyaraat.net/

ایسے شخص کو قتل کر دیا جو نماز پڑھتا تھا اور چھوٹی بچی کو اور ایک دوسرے شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذمے (ضمان و امان) میں تھا' تیرا چھوڑ دینا حق نہیں ہے' پھر تعجب ہے کہ جس وقت وہ والی ہوئے انہوں نے اسے کیونکر چھوڑ دیا' لیکن مجھے معلوم ہوا کہ عمرو بن العاص نے اس میں دخل دیا انہوں نے اس کو ان کی رائے پر چھوڑ دیا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۹ سطر ۲۱

عبیداللہ کی غضبناکی

محمود بن لبید سے مروی ہے کہ اس روز عبید اللہ ایک جنگلی درندے کی شکل میں تھے' وہ عجمیوں کو تلوار سے روکنے لگے' یہاں تک کہ قید خانے میں قید کر دیئے گئے' میں خیال کرتا تھا کہ اگر عثمان والی ہوں گے تو انہیں قتل کر دیں گے اس لئے کہ جو کچھ انہوں نے ان کے ساتھ کیا میں نے دیکھا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب میں وہ اور سعد سب سے زیادہ ان پر سخت تھے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۰ سطر ۲۲

حضرت عمر کی حضرت حفصہ کو وصیت

ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے حفصہ کو وصیت کی' جب ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے آل عمر کے اکابر کو وصیت کی۔

قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے چہارم (متروکے) کی وصیت کی۔ ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنی وصیت میں کسی کو گواہ نہیں بنایا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۰ سطر آخر

حضرت عمر کا وقف نامہ

ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر کو خیبر میں ایک زمین (حصے میں) ملی تھی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آئے' آپ سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ مجھے خیبر میں ایسی زمین ملی کہ کبھی کوئی مال نہ ملا جو اس سے زیادہ نفیس ہوتا' آپ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں' فرمایا اگر

تم چاہو تو اس کی اصل روک لو اور اسے تصدق کر دو (یعنی زمین وقف کر دو اور اس کی پیداوار خیرات کر دو) حضرت عمر نے اسے تصدق کر دیا۔ کہا کہ اس کی اصل نہ بیچی جائے گی' نہ ہبہ کی جائے گی اور نہ میراث میں دی جائے گی۔ انہوں نے اس کو فقرا اور قرابت داروں اور غلاموں کی اور قرضداروں کی آزادی اور جہاد اور مسافر اور مہمان کے لئے اس طرح وقف کیا کہ جو اس کا متوالی ہو حد شرعی کے اندر رہ کر اس میں سے کھا لے تو کوئی گناہ نہیں اور اس میں سے غیر متمول دوست کو بھی کھلائے۔

بروایت ابن سیرین بجائے غیر متمول کے "غیر متاثل سالا" ہے یعنی جس کے پاس مال جمع نہ ہو۔

ابن عوف نے کہا کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے (یہ وقف نامہ) کسی چمڑے کے ٹکڑے یا سرخ رقعے میں پڑھا کہ "غیر متاثل سالا"۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ اسلام میں جو سب سے پہلے وقف کیا گیا وہ ثمغ (نام زمین) ہے جو حضرت عمر بن الخطاب کا وقف تھا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۱ سطر ۲

حضرت عمر کے قرض کی ادائیگی

عثمان بن عروہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے بیت المال سے اسی ہزار درہم قرض لیے تھے' عبداللہ بن عمر کو بلایا اور فرمایا کہ اس قرض میں حضرت عمر کے اموال بیچ ڈالو' پورا ہو جائے تو خیر ورنہ بنی عدی سے مانگو' اس کے بعد بھی تکمیل نہ ہو تو قریش سے مانگو اور ان کے آگے نہ بڑھو۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ آپ بیت المال سے کیوں نہیں قرض لے لیتے کہ اسے ادا کر دیں' فرمایا معاذ اللہ' تم اور تمہارے ساتھی میرے بعد کہو کہ ہم نے اپنا حصہ حضرت عمر کے لئے چھوڑ دیا' تم تو مجھے اس سے تسلی دے دو' مگر اس کا خمیازہ میرے پیچھے ہو اور میں ایسے امر میں پڑ جاؤں کہ بغیر اس سے رہائی کے نجات نہ ملے۔ پھر عبداللہ بن عمر سے فرمایا اس کے ذمہ دار ہو جاؤ' وہ ذمہ دار ہو گئے' حضرت عمر اس وقت تک دفن نہیں کئے گئے جب تک کہ ابن عمر نے اس کے متعلق اہل شوریٰ اور متعدد انصار کو اپنے اوپر گواہ نہ بنا لیا' تدفین کو ایک جمعہ بھی نہ

Presented by www.ziyaraat.net/

گزرا کہ ابن عمر عثمان بن عفان کے پاس مال لے آئے اور انہوں نے ادائے مال کی سبکدوشی پر گواہوں کو حاضر کیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۱ سطر ۲۰

حضرت عمر کی تجہیز و تکفین کے متعلق وصیت

یحیٰی بن ابی راشد النصری سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جب میری وفات ہو تو مجھے جھکا کے اپنے دونوں گھٹنے میری پشت میں لگا دینا اپنا داہنا ہاتھ میری پیشانی پر اور بایاں ٹھڈی پر رکھنا' روح قبض کر لی جائے تو میری آنکھیں بند کر دینا کفن اوسط درجے کا دینا' اگر اللہ کے پاس میرے لئے خیر ہوگی تو وہ مجھے اس سے اچھا (لباس) بدل دے گا اور اگر میں اس کے سوا ہوں گا تو وہ مجھ سے چھین لے گا اور چھیننے میں تیزی کرے گا۔ قبر بھی معمولی ہو' اگر اللہ کے پاس میرے لئے خیر ہے تو وہ اس میں بقدر میری نظر پھیلنے کی وسعت کر دے گا اور اگر میں اس کے سوا ہوا تو وہ مجھ پر اتنا تنگ کر دے گا کہ میری پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گی' میرے ساتھ ہرگز کسی عورت کو نہ لے جانا' نہ میری ایسی تعریف بیان کرنا جو مجھ میں نہیں ہے کیونکہ اللہ مجھے زیادہ جانتا ہے' مجھے لے چلنے میں جلدی کرنا' اگر اللہ کے پاس میرے لئے خیر ہے تو تم مجھے اس چیز کی طرف بھیجتے ہو جو میرے لئے زیادہ بہتر ہے اور اگر اس کے سوا ہو تو تم اپنی گردن سے اس شر کو ڈال دو گے جو تم اٹھائے ہوئے ہو۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۲ سطر ۲

حضرت عمر کی حضرت عبید اللہ بن عمر کو وصیت

لیث نے مدینتہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک شخص سے روایت کی کہ موت کے وقت حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے فرزند عبداللہ کو وصیت کی کہ پیارے بیٹے ایمان کی خصلتوں کو لازم پکڑنا عرض کی ارشاد ہو وہ کیا ہیں۔ فرمایا گرما کی شدت میں روزہ رکھنا' تلوار سے دشمنوں کا قتل کرنا' مصیبت پر صبر کرنا' سردی کے دن اچھی طرح وضو کرنا' ابر کے دن نماز میں تعجیل کرنا اور شراب خوری کو ترک کرنا۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۲ سطر ۱۶

امارت کے غلاموں کو آزادی

ابی رافع سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے سعید ابن زید عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس سے فرمایا کہ تم لوگ جان لو کہ میں نے خلیفہ نہیں بنایا اور عرب کے وہ قیدی جو اللہ کے مال میں ہیں ان میں سے جو میرے بعد زندہ رہے وہ آزاد ہے۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے موت کے وقت یہ وصیت کی کہ امارت کے غلاموں میں سے جو نماز پڑھتا ہے وہ آزاد کر دیا جائے اور اگر میرے بعد والی یہ چاہے کہ تم لوگ اس کی دو سال تک خدمت کرو تو یہ اس کا حق ہے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۲ سطر ۲۲

عمال کے متعلق وصیت

ربیعہ بن عثمان سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے وصیت کی کہ ان کے عمال ایک سال تک برقرار رکھے جائیں حضرت عثمان نے انہیں یک سال برقرار رکھا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۳ سطر ۱

حضرت سعد بن وقاص کے متعلق وصیت

عامر بن سعد سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا اگر تم لوگ سعد کو والی بناؤ تو یہی مقصود ہے ورنہ والی انہیں اپنا مشیر بنا لے' میں نے انہیں ناراضی کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص

حضرت عمر کی انکساری

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے عبداللہ بن عمر سے جب کہ ان کا سر ان کے آغوش میں تھا' فرمایا میرا رخسارہ زمین پر رکھ دو' عرض کیا آپ کو اس سے کیا کہ وہ زمین پر ہو یا میرے آغوش میں' فرمایا زمین پر رکھ دو پھر تین مرتبہ فرمایا کہ اگر اللہ نے میری مغفرت نہ کی تو میری اور میری ماں کی خرابی ہے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۳ سطر ۸

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو دیکھا کہ انہ

Presented by www.ziyaraat.net/

نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا کاش میں یہ تنکا ہوتا کاش میں نہ پیدا کیا جاتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی' کاش میں کوئی چیز نہ ہوتا' کاش میں نَسْیاً مَنْسِیّاً ہوتا (یعنی بالکل مٹ جاتا)

حضرت عمر کے آخری کلمات

حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ حضرت عمر سے میری ملاقات کا وقت تم سب کے آخر میں ہے' میں اس حالت میں ان کے پاس گیا کہ سر ان کے فرزند عبداللہ بن عمر کے آغوش میں تھا۔ ان سے فرمایا کہ میرا رخسارہ زمین پر رکھ دو۔ انہوں نے کہا کہ میری ران اور زمین تو بالکل یکساں ہیں' فرمایا میرا رخسارہ زمین پر رکھ دو' دوسری یا تیسری مرتبہ (یہ بھی فرمایا کہ) تمہاری ماں نہ رہے' پھر اپنے دونوں پاؤں ملائے میں نے انہیں کہتے سنا کہ میری اور میری ماں کی خرابی ہے اگر اللہ نے میری مغفرت نہ کی' یہاں تک کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔

عثمان سے مروی ہے کہ آخری کلمہ جو عمر نے فرمایا' یہاں تک کہ قضا کر گئے' یہ تھا کہ "اگر اللہ نے میری مغفرت نہ کی تو میری اور میری ماں کی خرابی ہے۔"

سالم بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کاش میں ہرگز کچھ نہ ہوتا' کاش میں نسیاً منسیاً ہوتا انہوں نے تنکے یا لکڑی کے مثل کوئی چیز اپنی چادر میں سے لی اور فرمایا کہ کاش میں ان کے مثل ہوتا۔

ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان نے حضرت عمر بن الخطاب کا سر اپنے آغوش میں رکھ لیا تو فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ اگر میری مغفرت نہ ہوئی تو میری اور میری ماں کی خرابی ہے۔

ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کو خنجر مارا گیا تو کعب روتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دروازے پر آئے کہ واللہ اگر امیرالمومنین اللہ پر قسم کھالیں کہ وہ انہیں مہلت دے دے تو ضرور انہیں مہلت دے دے گا۔ ابن عباس ان کے پاس آئے اور کہا یا امیرالمومنین یہ کعب ہیں جو یہ کہتے ہیں' فرمایا تب تو واللہ میں اس سے نہیں مانگوں گا' پھر فرمایا اگر اللہ نے میری مغفرت نہ کی تو میری اور میری ماں کی خرابی ہے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۳ سطر ۱۵

تجویز شوریٰ

ہم علامہ شبلی کی زبانی اس واقعہ کو سناتے ہیں' وہ کہتے ہیں "جوں ہی نماز شروع کی فیروز نے دفعتۃً گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمر نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمے سے گر پڑے۔

ایک طبیب بلایا گیا۔ اس نے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل آئیں اس وقت لوگوں کو یقین ہوگیا کہ وہ اس زخم سے جاں بر نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کرلیں۔

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے زیادہ اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا تمام اصحاب بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے حضرت عمر نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا اور اکثر سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

حضرت حفصہ کو خوبیاں بیان کرنے کی ممانعت

مقدام بن معدی کرب سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر کو مصیبت پہنچائی گئی تو ان کے پاس حفصہ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خسر اور امیرالمومنین کہہ کے پکارا تو آپ نے ابن عمر سے فرمایا کہ عبداللہ مجھے بٹھا دو' میں جو سنتا ہوں اس پر مجھے صبر نہیں ہے' عبداللہ نے اپنے سینے سے لگالیا۔ آپ نے حفصہ سے فرمایا' میں اپنے اس حق کی وجہ سے جو تم پر ہے تمہیں آج کے بعد رو رو کے میری خوبیاں بیان کرنے سے منع کرتا ہوں تمہاری آنکھ پر مجھے قابو نہیں ہے' جس میت کی وہ خوبیاں بیان کی جاتی ہیں جو اس میں نہیں ہیں تو ملائکہ اسے لکھ لیتے ہیں۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۴۴ سطر ۱

Presented by www.ziyaraat.net/

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر نہ جمی تھی۔ بارہا ان کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑ سکتی تھی۔ علیؑ عثمان' زبیر' طلحہ' سعد بن وقاص' عبدالرحمٰن بن عوف۔ مگر حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔"

الفاروق مطبوعہ ۱۹۰۸ء مطبع مفید عام آگرہ حصہ اول صفحہ ۲۰۲ لغایت ۲۰۶

الفاروق کے اس ایڈیشن کی یہ خوبی ہے کہ مصنف مرحوم کی حیات میں طبع ہوئی تھی اس میں ان کے اپنے حاشیے بھی ہیں چنانچہ صفحہ ۲۰۴ پر اس فقرہ کے اوپر لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے یہ حاشیہ درج ہے۔

"حضرت عمر نے ان بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے کہ یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا کہ لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے"

حضرت عمر کا یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ہجری مطابق ۶۴۴ء ہوا تھا۔

ابو محمد عبداللہ بن مسلمہ بن قتیبہ متوفی سنہ ۲۷۰ ہجری اپنی کتاب الامامت والسیاست کے صفحہ ۲۲ پر زیر عنوان تولیتہ عمر بن الخطاب الستہ الشوریٰ وعہدہ الیہم لکھتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ پھر مہاجرین حضرت عمر کے پاس آئے وہ اس وقت اپنے مکان میں زخم خوردہ پڑے ہوئے تھے' ان لوگوں نے کہا اے امیرالمومنین ہم پر خلیفہ اور حاکم مقرر کرو' حضرت عمر نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہارا بوجھ زندگی اور مرنے کے بعد بھی اٹھاؤں یہ ہرگز نہ ہوگا پھر فرمایا اگر میں اپنا جانشین مقرر کروں تو بیشک اس نے جو مجھ سے بہتر تھا اپنا جانشین مقرر کیا یعنی ابوبکر نے اگر میں اپنا جانشین مقرر نہیں کروں۔ تو بیشک اس نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ جو مجھ سے بہتر

تھا یعنی رسول خداؐ ان لوگوں نے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے فرمایا وہی ہوگا جو خدا چاہے گا میری تو خواہش ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ مواخذہ کیا جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب دیا جائے تو اس کو میں غنیمت سمجھوں گا۔ پس جب حضرت عمر نے موت کو آتے ہوئے محسوس کیا تو اپنے لڑکے سے کہا کہ عائشہ کے پاس جاؤ میرا سلام کہو اور ان سے اجازت مانگو کہ میں ان کے گھر میں جناب رسول خدا اور ابوبکر کے پاس دفن کر دیا جاؤں پس عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ کے پاس آئے اور یہ پیغام پہنچایا انہوں نے کہا سر آنکھوں سے بڑی خوشی سے اور کہا اے بیٹے عمر کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ امت محمد کو بغیر محافظ کے نہ چھوڑ جاؤ اپنا جانشین ان پر مقرر کردو اپنے بعد ان کو حیران اور بغیر نگہبان کے نہ چھوڑ جانا مجھے ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو پس عبداللہ آئے اور حضرت عمر کو یہ پیغام پہنچایا' حضرت عمر نے کہا کہ عائشہ نے کس کو حکم دیا ہے کہ میں خلیفہ مقرر کروں اگر ابو عبیدہ بن الجرح زندہ ہوتے ... کے بعد کہا کہ میں نے لوگوں کے امر پر نظر ڈالی پس سب کو میں نے حضرت عثمان کی طرف مائل دیکھا اب اے علیؑ تم اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالنا ورنہ یہ تلوار ہے پھر عثمان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی بیعت کرلی اور تمام لوگوں نے ان کی بیعت کرلی۔

مورخ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے

پھر حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا عہد تمہارے سپرد کر دوں عبدالرحمٰن نے کہا کیا آپ مجھ سے خلافت کے متعلق مشورہ کرنا چاہتے ہیں حضرت عمر نے کہا کہ نہیں عبدالرحمٰن نے کہا کہ بخدا میں اس بوجھ کو نہیں اٹھاؤں گا حضرت عمر نے کہا کہ وعدہ کرو کہ تم کسی سے میری گفتگو کا ذکر کروگے یہاں تک کہ میں ان لوگوں کی طرف اس امر کو موڑ دوں جن سے جناب رسول خدا بوقت رحلت راضی تھے پھر عمر نے علی و عثمان و زبیر و سعد کو بلایا' عبدالرحمٰن بھی ان کے ساتھ تھے اور کہا کہ تین دن انتظار کرنا اگر طلحہ آجائے تو شامل کر لینا جو خلیفہ مقرر ہو اس کو چاہئے کہ اپنے قرابتداروں کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرے پھر حضرت عمر نے ابو طلحہ انصاری کو بلایا اور کہا کہ تم ان لوگوں کے دروازے پر کھڑے

سہیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

رہنا اور جب تک یہ لوگ فیصلہ نہ کرلیں کسی کو اندر نہ آنے دینا پھر عبداللہ ابن عمر سے کہا کہ اگر ان چھ لوگوں میں اختلاف ہو تو تم اکثریت کے ساتھ ہونا اور اگر طرفین برابر ہوں تو تم اس گروہ کے ساتھ ہو جانا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہو پھر علی اور ابن عباس آئے اور حضرت عمر کے سرہانے کھڑے ہوگئے پھر طبیب آیا اس نے نبیذ شراب پلائی وہ زخم کے راستہ نکل گئی پھر دودھ پلایا وہ بھی زخم کے راستہ نکل گیا۔ طبیب نے کہا اب آخری وقت کی وصیت کرلیں۔ عمر نے کہا کہ میں پہلے ہی کرچکا ہوں۔ اور اپنی موت تک خدا کو یاد کرتے رہے آپ کی موت شب چہار شنبہ کو ہوئی جب کہ تین راتیں ذی الحجہ ۲۳ ھ کے ختم ہونے میں باقی تھیں نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی اور یہ آپ کی خلافت کے دس سال اور چھٹے مہینے میں ہوا اور اب ابو طلحہ الانصاری آئے اور ان کے ساتھ مقاد بن الاسود تھے اور ان دونوں کو حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کریں اور ان سے کہیں کہ اپنے میں سے جس کو خلیفہ مقرر کریں اس کو لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اگر اختلاف کریں تو اکثریت کی پیروی کی جائے اور اگر طرفین برابر ہیں تو میرا بیٹا ثالث ہوگا لیکن عبداللہ ادھر ہوگا جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہونگے تین دن تک ان کو اس مکان میں رکھیں اور مہلت دیں اس عرصہ تک صہیب امامت نماز کریں عبداللہ ابن عمر کو مشورہ کے لئے بلالیں لیکن اس کا حصہ خلافت میں نہ ہوگا۔ اور اگر تین دن میں طلحہ آجائے تو وہ بھی شریک ہو جائے پس ابو طلحہ و مقداد نے ان کو مسور بن مخرمہ کے گھر میں جمع کیا۔ روایت یہ بھی ہے کہ یہ سب عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے عمرو بن العاص و مغیرہ بن شعبہ آئے اور اس مکان کے دروازہ پر بیٹھ گئے لیکن سعد نے یہ کہہ کر ان کو وہاں سے ہٹا دیا کہ تم اس لئے یہاں آئے ہو کہ کل کو کہو کہ ہم بھی حاضر تھے اور ہم بھی اہل شوریٰ سے تھے پھر ارباب شوریٰ میں انتخاب خلیفہ کی بابت بحث و مباحثہ ہونے لگا عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ آیا تم میں ایسا کوئی شخص ہے جو اپنے تئیں خلافت کی امیدواری سے علیٰحدہ کرکے افضل ترین شخص کو منتخب کرے میں تو ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں اور سب تو راضی ہوگئے مگر حضرت علیؑ خاموش رہے عبدالرحمٰن نے ان سے کہا کہ اے ابوالحسن تم کیا کہتے جو حضرت علیؑ نے کہا کہ یہ بھی تو شرط کرو کہ تم حق کروگے اپنے خواہش نفس کی پیروی نہ کروگے نہ کسی سے رشتہ داری کا پاس و

لحاظ کروگے حق کہنے میں کسی کی ملامت اور کسی کے مشورہ کا خیال نہ کروگے اس بات کا اقرار تم ہم سے کرو عبدالرحمٰن نے کہا کہ تم لوگ مجھ سے یہ اقرار کرو کہ تم میرے ساتھ ہوگے اور اس کی مخالفت کروگے جو میرے فیصلہ کی مخالفت کرے اور اس کے خلیفہ ہونے سے راضی ہوگے جس کو میں مقرر کروں پھر عبدالرحمٰن نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم سب ان موجودہ لوگوں میں سے رسول اللہؐ کی قرابتداری و سبقت اسلامی اور حسن مساعی دین کی وجہ سے ان سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہو اور تم سے زیادہ موزوں اور کوئی شخص اس خلافت کے لئے نہیں ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ ان لوگوں میں سے جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں تمہارے بعد کون زیادہ مستحق ہے حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ عثمان پھر عثمان سے تخلیہ ئیں لیجا کر یہی کہا انہوں نے جواب دیا علی اور عبدالرحمٰن تمام راتوں کو جناب رسول خداؐ کے اصحاب و امراء لشکر و اشراف سے جو مدینہ میں تھے ملتے تھے اور مشورہ کرتے تھے چوتھے دن کی صبح تک انہوں نے ایسا کیا۔ چوتھے دن کی صبح کو مسور بن مخرمہ کے مکان پر عبدالرحمٰن آئے اور وہاں سعد و زبیر کو بلا کر ان سے کہا کہ عثمان یا علی ان دونوں میں سے ایک کو منتخب کرلو ان دونوں نے متفق ہو کر علیؑ کو منتخب کیا پھر اس کے بعد سعد نے کہا کہ تم اپنے لئے کیوں بیعت نہیں لیتے اور ہم پر رحم نہیں کرتے عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں کے سامنے اپنے تئیں علیٰحدہ کرچکا ہوں اور اگر ایسا نہ کرتا تب بھی خلافت کو اختیار نہ کرتا پھر عبدالرحمٰن نے علی و عثمان کو بلا کر علیٰحدہ علیٰحدہ ان سے گفتگو کی تاکہ یہ آپس میں راضی ہو جائیں لیکن صبح کا وقت اس ہی میں گزر گیا۔ اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ انہوں نے کیا کہا پھر عبدالرحمٰن نے مہاجرین کو اور انصار میں سے سابق الاسلام اور امراء لشکر کو جمع کیا یہاں تک کہ مسجد کھچا کھچ بھر گئی پھر عبدالرحمٰن نے کہا کہ جس کو تم لوگ خلافت کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہو اس کی طرف اشارہ کردو عمار نے علی کی طرف اشارہ کیا ابن ابی سرح نے کہا کہ اگر چاہتے ہو کہ قریش میں اختلاف نہ ہو تو عثمان کی بیعت کرلو عبداللہ ابن ربعیہ نے اس بات پر اتفاق کیا۔ عمار اور ابن ابی سرح میں گفتگو بڑھ گئی۔ سخت کلامی کی نوبت آگئی اس پر سعد نے ندا کی کہ اے عبدالرحمٰن اس قضیہ کو ختم کرو قبل اس کے کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہو۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کرلیا ہے اور رائے قائم کرلی ہے اے لوگو ذرا دم

Presented by www.ziyaraat.net/

بھر خاموش رہو پھر علیؑ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کا عہد و میثاق دو کہ اگر خلافت تم کو دی جائے تو تم کتاب اللہ و سنت رسول اور سنت ہر دو خلفاء گذشتہ پر عمل کروگے علی نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کرونگا۔ یہ جواب پا کر عبدالرحمٰن نے عثمان سے مخاطب ہو کر یہی الفاظ کہے عثمان نے فوراً اقرار کر لیا اور کہا کہ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ ایسا ہی کرونگا یہ سنتے ہی عبدالرحمٰن نے سقف مسجد کی طرف سر اٹھایا۔ اور ان کا ہاتھ عثمان کے ہاتھ میں تھا اور یہ کہہ رہے تھے کہ خداوندا گواہ رہیو کہ اس امر خلافت کا جو فرض میری گردن میں تھا وہ میں نے عثمان کی گردن میں ڈال دیا۔

ابن خلدون :۔ بقیہ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ دار الطباعۃ الخدیو بولاق مصر المغربیہ در ۱۲۸۴ ہجری صفحہ ۱۲۴ تا صفحہ ۱۲۶

قبل اس کے کہ ہم اپنے نفس مضمون میں آگے چلیں یہاں ذرا مورخین جماعت کی ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب اپنے خدا کے پاس جاتا اور وہ پوچھتا کہ کس کو امت محمدیہ پر حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اس شخص کو جس کی بابت تیرے بندہ اور رسول کو یہ کہتے سنا تھا کہ ہر ایک امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے یا اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب میں خدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے دریافت فرماتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اے میرے رب اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت تیرے بندہ اور رسول کو میں نے کہتے ہوئے سنا تھا کہ قیامت کے دن معاذ بن جبل علماء کے گروہ میں ہوگا یا اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے سوال کرتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں کہتا کہ اے میرے خدا اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت میں نے تیرے بندہ و نبی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ خالد بن ولید خدا کی تلوار میں سے ایک تلوار ہے جس کو خدا نے مشرکین کے اوپر کھینچا ہوا ہے اچھا اب میں ان لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسول خدا بوقت رحلت خوش تھے پس ان سب کو حضرت عمر نے بلایا اور وہ یہ تھے۔ علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف طلحہ اس دن مدینہ میں موجود نہ

تھے۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ اے گروہ مہاجرین اولین میں نے لوگوں کے امور پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان میں نفاق و کینہ نہیں ہے اور اگر میرے بعد ان میں نفاق و دشمنی ہوئی تو یہ تمہاری وجہ سے ہوگی پس تم آپس میں تین دن مشورہ کرنا۔ اگر طلحہ بھی تم میں آملے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ کر لینا۔ تیسرے دن تم اپنی جگہ سے متفرق نہ ہونا جب تک کہ خلیفہ نہ مقرر کر لو۔ اگر تم نے طلحہ کا مشورہ لیا تو وہ اس کا اہل ہے اور ان تین ایام تک صہیب نماز پڑھائے کیونکہ وہ موالی میں سے ہے اور وہ تم سے امر خلافت میں تنازعہ نہیں کریگا تم انصار کے بڑے آدمیوں کو بھی بلا لینا مگر ان کے لئے امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں ہے اور تم حسن بن علی و عبداللہ بن عباس کو بھی بلا لینا کیونکہ ان کو درجہ قرابت حاصل ہے اور مجھے امید ہے کہ ان کے حضور میں تم کو برکت ہوگی مگر ان دونوں کے لئے بھی امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ میرے بیٹے عبداللہ کو بھی مشورہ کے لئے بلا لینا لیکن اس کے لئے بھی امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمر کو خلافت کا حق پہنچتا ہے اس کو خلیفہ مقرر کر دو ہم راضی ہیں حضرت عمر نے جواب دیا کہ آل خطاب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں کا ایک شخص خلافت کے بار گراں کو اٹھائے عبداللہ بن عمر کے لئے اس میں حصہ نہیں ہے پھر کہا کہ خبر دار عبداللہ خبر دار خلافت کے ساتھ اپنے تئیں ملوث نہ کرنا پھر ان اصحاب شوریٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم میں سے پانچ ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل کر دینا اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو مخالف ہوں تو ان دو کی گردن مار دینا۔ اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سرپنچ میرا لڑکا عبداللہ ہوگا۔ ان تین میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہ خلیفہ ہوگا اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو ان تینوں کو قتل کر دینا۔ پھر ان اصحاب شوریٰ نے کہا کہ اے امیرالمومنین ایسی گفتگو فرمایئے جس سے ہماری رہنمائی ہو اور ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اس پر عمر نے فرمایا کہ اے سعد کسی چیز نے مجھے تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے نہیں روکا الا اس امر نے کہ تو سخت ہے اور تیری فطرت غلیظ ہے حالانکہ تو مرد میدان ہے اور اے عبدالرحمٰن مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ تو اس امت کا فرعون ہے اور اے زبیر مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے باز رکھا کہ تو

Presented by www.ziyaraat.net/

اپنی رضا مندی کے وقت تو مومن ہے مگر غصہ کے وقت کافر ہے اور طلحہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ اس میں نخوت و غرور ہے اور اگر وہ حاکم ہوگا تو حکومت کی انگوٹھی اپنی عورت کے ہاتھ میں پہنا دے گا اور اے عثمان تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے مجھ کو اس امر نے باز رکھا کہ تجھ میں تعصب قبیلہ اور اپنی قوم کی محبت ہے اور اے علیؑ تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے اور کسی امر نے نہیں روکا صرف اس بات نے روکا کہ تم کو اس کی خواہش ہے ورنہ تم سب سے زیادہ حق پر چلنے والے ہو اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم اس کو حق مبین اور صراط مستقیم پر چلاؤ گے پھر حضرت عمر حضرت علیؑ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے علی یہ لوگ تمہارے حق اور قرابت رسول سے آگاہ ہیں تمہاری عظمت اور بزرگی ان کو معلوم ہے اور خدا نے تم کو جو علم و فقہ و دین حق عنایت کیا ہے اس سے بھی یہ اچھی طرح آگاہ ہیں اگر یہ تم کو خلیفہ مقرر کریں تو اے علی خدا سے ڈرتے رہنا اور بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو بھی لوگوں کی گردانوں پر سوار نہ کرنا پھر آپ حضرت عثمان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے عثمان اگر یہ لوگ تمہاری عمر اور شرافت کا خیال کر کے تم کو خلیفہ مقرر کریں اور تم کو حکومت مل جائے تو بنو امیہ میں سے ایک کو بھی لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا پھر انہوں نے صہیب کو بلا کر کہا کہ اے صہیب تین دن تک لوگوں کی امامت نماز کرنا جب تک یہ لوگ جمع رہیں اور مشورہ کرتے رہیں۔

شوریٰ و بیعت عثمان بن عفان کا حال

پھر حضرت عمر کی موت کے بعد اصحاب شوریٰ اپنے میں سے ایک کے گھر پر جمع ہوئے۔ عبداللہ ابن عباس، حسن بن علی و عبداللہ بن عمر کو بلا لیا۔ تین دن تک آپس میں مشورہ کرتے رہے مگر کچھ بھی فیصلہ نہ کر سکے (افسوس ہے کہ فاضل مولف نے ان تین دنوں کی کاروائی نہیں بیان کی) جب تیسرا دن ہوا۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے کہا کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ آج کون سا دن ہے آج وہ دن ہے کہ جس کے لئے تمہارے ساتھی عمر نے حکم دیا ہے کہ اس دن اپنی جگہ سے نہ جانا جب تک کہ اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر نہ کر لو۔ انہوں نے کہا کہ

میں تمہارے سامنے اپنی ایک تجویز پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر تم مجھے اپنے اس کام کا مختار بنا دو تو میں اپنا وہ حق جو مجھ کو بقول عمر اس خلافت میں حاصل ہے تمہارے حق میں ترک کر دوں اور تم میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر دوں ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے تم کو وہ عطا کیا جو تم نے مانگا۔ جب ان لوگوں نے یہ بات تسلیم کر لی تو عبدالرحمٰن نے ان سے کہا کہ تم اپنے اس امر کو اپنے میں سے تین آدمیوں کی طرف مخصوص کر دو۔ پس زبیر نے اپنا حصہ علی کو دیا طلحہ نے عثمان کو اور سعد نے عبدالرحمٰن بن عوف کو مسور بن مخرمہ کہتا ہے کہ تب عبدالرحمٰن نے ان سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرے رہنا جب تک کہ میں تمہارے پاس آؤں یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے اور تمام اطراف مدینہ میں بھیس بدل کر تمام لوگوں سے ملاقات کی اس طرح کہ کسی نے نہ پہچانا کہ یہ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں انصار اور مہاجرین اور ان کے علاوہ دیگر اشخاص میں سے کسی کو نہیں چھوڑا جس سے اس امر خلافت کی بابت سوال نہ کیا ہو یا مشورہ نہ لیا ہو جو لوگ اہل الرائے تھے ان سے تو وہ مشورہ کرتے تھے اور ان کے علاوہ جو اور لوگ تھے ان سے سوال کرتے تھے کہ حضرت عمر کے بعد کس کو خلیفہ چاہتے ہو پس ایک بھی ایسا نہ تھا کہ جس سے ملاقات کی ہو اور یہ سوال اور مشورہ کیا ہو اور اس نے یہ نہ کہا ہو کہ میں عثمان کو پسند کرتا ہوں پس جب عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ تمام لوگوں کو اتفاق عثمان پر ہے تو مسور کہتے ہیں کہ وہ میرے پاس بوقت عشاء آئے میں اس وقت سویا ہوا تھا میں ان کے پاس باہر آیا تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں سوتا ہوا پاتا ہوں لیکن قسم بخدا ان تین راتوں میں میری آنکھ نے نیند نہیں دیکھی میرے پاس فلاں فلاں شخص کو مہاجرین میں سے لاؤ پس میں ان کو بلا کر لایا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے ان سے مسجد میں بہت دیر تک صلاح و مشورہ کیا پھر وہ لوگ وہاں سے چلے گئے پھر حضرت علیؑ کو بلا کر دیر تک تخلیہ میں گفتگو کی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آئے اور کہا کہ عثمان کو بلا لاؤ میں ان کو بلا لایا ان سے بھی تخلیہ میں دیر تک گفتگو کی یہاں تک کہ وہ بھی چلے گئے پھر نماز صبح کا وقت ہوا اور سب نے نماز صبح ادا کی پھر ان میں سے ہر ایک سے عہد و میثاق لیا کہ اگر میں تم سے بیعت کروں تو تم کتاب اللہ سنت رسول و سنت خلفاء سابقین پر عمل کرو گے جب یہ ختم ہوا تو عبدالرحمٰن نے عثمان بن عفان کا ہاتھ پکڑا اور سوال کیا کہ تم خدا کو درمیان میں ضامن ڈال کر اقرار کرو کہ اگر تم سے بیعت

Presented by www.ziyaraat.net/

کروں تو تم کتاب اللہ و سنت رسول و سنت خلفاء سابقین پر عمل کروگے اور نیز شرط عمر کو بجا لاؤگے کہ بنو امیہ میں سے کسی کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کروگے حضرت عثمان نے جلدی سے عہد کر لیا کہ ہاں پھر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میں تم سے عمر کی اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم بنو ہاشم میں سے کسی کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کروگے حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ اس سوال سے تمہاری کیا غرض ہے جب تم نے حکومت کو میری گردن میں ڈال دیا تو پھر امت کے امور کو میرے اجتہاد پر چھوڑ دو جس کو قوت اور امانت والا پاؤں گا اور دیکھوں گا کہ اس سے امت محمدؐ کو مدد پہنچتی ہے تو چاہے وہ بنی ہاشم میں سے ہو یا ان کے غیر میں سے اس سے کام لوگوں گا عبدالرحمٰن نے کہا کہ قسم بخدا میں یہ تم پر نہیں چھوڑ سکتا تو حضرت علیؑ نے کہا کہ قسم بخدا میں تمہاری شرط کو کبھی قبول نہ کروں گا۔ پس عبدالرحمٰن نے ان کو چھوڑ دیا اور دیگر لوگ بھی وہاں سے چلے گئے عبدالرحمٰن مسجد رسولؐ میں آئے۔ لوگوں کو جمع کیا پھر حمد و ثنا باری تعالیٰ ذہنیت او تعصب کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عبارت ابن خلدون مندرجہ بالا کا ترجمہ حکیم احمد حسین آلہ آبادی نے اپنے ترجمہ تاریخ ابن خلدون کی جلد چہارم صفحہ ۱۸۳ پر کیا ہے۔ اس میں دو اہم مقامات پر ترجمہ سے اعراض کرکے بلکہ اصلی عبارت کے مفہوم کو بھی ترک کرکے ضروریات مناظرہ کو مدنظر رکھ کر کچھ کا کچھ ترجمہ کر دیا جو اصل عبارت عربی سے بالکل مختلف ہے اول تو جب عبدالرحمٰن نے خود ساختہ ثالث بننا چاہا تو عربی کی عبارت یہ ہے کہ حضرت علی راضی نہ ہوئے ایک نہایت ضروری شرط پیش کر دی کہ فیصلہ حق پر مبنی ہو۔ خود غرضی و ہوائے نفس کا اس پر اثر نہ ہو' رشتہ داری کا لحاظ نہ کیا جائے۔ عبدالرحمٰن نے اس کا جواب دینے سے اعراض کیا' اس شرط کو قبول نہ کیا اور وہ معاملہ وہیں ختم ہوگیا۔ سوائے حضرت علیؑ کے دیگر اشخاص نے رضا مندی دے دی لیکن مترجم صاحب یوں ترجمہ کرتے ہیں "الغرض دونوں بزرگوں اور حاضرین جلسہ نے باہم عہدو پیمان کیا" یہ اصل عربی عبارت میں ہرگز نہیں ہے

دوم یہ کہ جب عبدالرحمٰن نے سعد و زبیر کو بلایا تو ان سے یہ کہا کہ یا علیؑ یا عثمان کے حق میں ہو جاؤ اور ان دونوں نے علیؑ کو منتخب کیا یہ تو عربی عبارت کا صحیح ترجمہ ہے لیکن مترجم صاحب کہتے ہیں "زبیر و سعد کو بلا کر کہا لوگوں کا اتفاق علی و عثمان کی

خلافت پر ہوا ہے تم لوگ کیا کہتے ہو۔ ان دونوں بزرگوں نے بھی اس سے اتفاق کیا" ناظرین ملاحظہ کریں کہ یہ ترجمہ اصل عربی عبارت کا ہرگز نہیں ہے۔ مترجم صاحب نے مناظرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ الفاظ لکھ دیئے اور وہ بے معنی ہیں مترجم کے بموجب تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ لوگوں کا اتفاق علیؑ و عثمان کی خلافت پر ہوا ہے۔ اور سوال کیا کہ تم ان دونوں میں سے کس کو منتخب کرتے ہو۔ یہی غرض اس سوال کرنے کی تھی ورنہ یہ گفتگو لغو سی ہو جاتی ہے اس کا جواب جو مترجم اپنی طرف سے ترجمہ کرکے پیش کرتے ہیں یعنی یہ کہ ان دنوں یعنی سعد و زبیر نے بھی اس سے اتفاق کیا بے معنی ہے۔ کس سے اتفاق کیا علیؑ و عثمان کی مشترکہ خلافت سے؟ غرض یہ کہ یہ اصحاب اسی پیرایہ میں تاریخ کی کتابوں کو کتب مناظرہ بنا لیتے ہیں اور ان کتابوں کی تاریخی حیثیت جاتی رہتی ہے۔

شمس التواریخ مبیں حضرت عمر کا نثر میں قصیدہ ہے جس کو مؤلف نے حضرت فاروق اعظم کے نام سے معنون کیا ہے اور مؤلف نے وہ کتاب اس یقین کے ساتھ لکھی ہے کہ اس کے تحریر کرنے کی ہدایت اس کو خود حضرت عمر نے ایک خواب کے ذریعے سے کی ہے اس کے صفحات ۱۲۱۱' ۱۲۱۲' ۱۲۱۳' ۱۲۱۴ سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں۔

"ادھر تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے تھے اور وہ عمر میں بھی جناب مرتضوی سے بڑے تھے اس لئے لوگوں کا رجحان زیادہ تر ان ہی کی طرف تھا۔"

"اس پر بھی عثمانیوں کو صبر نہ ہوا اور تدبیر سے باز نہ آئے۔ سمجھے کہ اگر عبدالرحمٰن بن عوف نے جناب علی کے علم و جلاوت پر نظر کر کے انہیں پسند کر لیا تو ہماری ہیٹی ہوئی ان ہی میں حضرت عمرو بن العاص بڑے چلتے ہوئے اور ذہن و چالاک تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ جناب ایسے وقت میں مدد فرمایئے۔ وہ دوڑتے ہوئے جناب علی کے پاس پہنچے جا کر ان کے خیر خواہ بنے اور کہا حضرت کل عبدالرحمٰن آپ سے اور عثمان سے یہ پوچھیں گے کہ اگر تمہیں خلافت دی جائے تو تم رسول اللہ اور ان کے دونوں خلفاء کی پیروی کروگے یا نہیں اس کے جواب میں تم کہہ دینا کہ انشاء اللہ' تاکہ سننے والے یہ نہ سمجھیں کہ آپ کی رال خلافت پر ٹپکے پڑتی ہے اور آپ مارے شوق کے اپنے اختیار سے باہر بات کا ذمہ بھی لئے لیتے ہیں یہ بات حضرت علیؑ کی سمجھ میں آگئی

Presented by www.ziyaraat.net/

اور فرمایا کہ ایسا ہی کروں گا۔"

"پھر حضرت ابن العاص جناب عثمان کے پاس گئے اور ان سے اپنی خیر خواہی جتا کے کہا کہ کل کے جلسہ میں آپ سے یہ سوال کیا جائے گا آپ فوراً" سے پیشتر اس کا جواب یہ دیں کہ مجھے بدل و جان ابوبکر و عمر کی تقلید منظور ہے ان ہی کے قدم بقدم چلوں گا۔ حضرت عثمان نے ان کی صلاح مان لی"

"اس کے بعد ہمارے حضور عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس پہنچے۔ اور بولے حضرت آپ کس دلدل میں پھنس گئے۔ جس راستہ پر آپ پڑ لئے ہیں۔ اس سے برسوں بھی فیصلہ نہ ہوگا۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی ترکستان است

میں اس جھگڑے سے نکلنے کی ایک ترکیب آپ کو بتاؤں جس سے ایک دم فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن :۔ اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں، پھر بتلاتے کیوں نہیں۔

حضرت ابن العاص :۔ جب کل انتخاب کے لئے لوگ جمع ہوں تو آپ علی و عثمان کی طرف مخاطب ہو کر یہ سوال کریں تم لوگ رسول اللہ اور ان کے دونوں خلفاء کی سنت پر بھی عمل کرنے کو راضی ہو یا نہیں دونوں میں سے جو صاحب اس کا جواب معقول اور قابل اطمینان دیں۔ ان ہی سے آپ بیعت کر لیں۔ اور جس سے آپ بیعت کر لیں اسی کی طرف سب رجوع ہو جائیں گے" اور "جناب عبدالرحمٰن کی بھی سمجھ میں یہ بات آگئی اور کہا خاطر جمع رکھو کل ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ دوسرے دن جب جناب مرتضوی اور حضرت عثمان اور سب لوگ جمع ہوئے تو پہلے انہوں نے جناب علیؑ کے سامنے یہ سوال پیش کر کے جواب چاہا۔ جناب علی نے سوال مذکورہ کا یہ جواب دیا جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔"

"اگرچہ حضرت شیر خدا کا جواب نہایت معقول تھا۔ کیونکہ آدمی خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور جو کرتا ہے اپنی بساط کے موافق کرتا ہے۔ اور اپنی مقدور سے باہر اس سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ پس اگر عمرو بن العاص کی تعلیم انہیں نہ بھی ہوتی تو بھی ان کی ذات پاک سے

ہمیں یہی جواب پانے کی امید تھی مگر وہاں تو قوم ابوبکر و عمر کی ہر ادا پر قربان ہو چکی تھی۔ ان کے عہد میں مسلمانوں نے بڑی بڑی موجیں کی تھیں اور ایسے امن و چین سے رہے تھے جیسے ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں وہ جناب مرتضوی کے جواب سے خوش و مطمئن نہ ہوئے اور ان کے قول کا مطلب یہ سمجھے کہ شیر خدا خلیفہ اول و ثانی کے قدم بقدم چلنا پسند نہیں فرماتے لہٰذا ان کا ٹھیک جواب جو موقع اور وقت کے خلاف تھا الٹا پڑا۔"

اب جو عبدالرحمٰن نے جناب عثمان سے پوچھا تو انہوں نے چھاتی ٹھونک کر کہا کہ بسر و چشم ابوبکر و عمر کی تقلید منظور ہے۔

شمس التواریخ صفحات ۱۲۱۱ لغایت ۱۲۱۴

اگرچہ مضمون طویل ہوگیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری سے کچھ عبارات نقل کروں۔

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو ان سے لوگوں نے کہا کہ امیرالمومنین آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ابوعبید زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا۔ اور خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں کہتا کہ ابو عبیدہ اس امت کا امین ہے اور اگر سالم ابو حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور اگر خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں جواب دیتا کہ اے خدا میں نے تیرے نبی کو کہتے سنا تھا کہ سالم میں خدا کی محبت ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ مقرر کر دیں انہوں نے جواب دیا کہ خدا تجھے غارت کرے یہ تو نے کیا کہا میں اس کو خلیفہ مقرر کروں جو عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتا ------------ پھر لوگوں نے کہا کہ امیرالمومنین اپنا جانشین مقرر کر دو حضرت عمر نے کہا کہ تمہاری پہلی گفتگو کے بعد جو میں نے غور کیا تو نتیجہ نکالا کہ اگر میں علیؑ کو خلیفہ مقرر کروں تو وہ تمہیں راہ حق پر چلا دے گا وہ تم سب سے زیادہ افضل ہے اور علیؑ کی طرف اشارہ کیا ------------ (شوریٰ کا تذکرہ ہونے کے بعد) سب لوگ باہر آگئے تو عباس نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم ان کے ساتھ شوریٰ میں داخل نہ ہونا حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ میں اختلاف نہیں چاہتا۔ (شوریٰ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا، تم سب حجرہ عائشہ میں جا کر مشورہ کرنا اور اپنے میں سے ایک کو

Presented by www.ziyaraat.net/

خلیفہ مقرر کر لینا پھر کہا کہ حجرہ عائشہ میں نہ جانا بلکہ اس کے قریب ہی رہنا-------- صہیب سے حضرت عمر نے کہا کہ تین دن لوگوں کو تم نماز پڑھانا اور شوریٰ میں علیؑ و عثمان و زبیر و سعد و عبدالرحمٰن اور طلحہ کو اگر وہ آجائے تو داخل کرنا، عبداللہ بن عمر کو بھی بلا لینا لیکن اس کا حصہ خلافت میں نہیں ہے اور تم ان لوگوں کے سر پر کھڑے رہنا پس اگر ان میں سے پانچ ایک طرف ہوں اور چھٹا مخالف ہو تو اس چھٹے کو قتل کر دینا اور اگر چار ایک طرف ہوں اور دو مخالف ہوں تو ان دو کو قتل کر دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں اور تین ان کے مخالف ہوں تو میرے بیٹے عبداللہ کو ثالث مقرر کر لینا اور جس فریق کے حق میں عبداللہ فیصلہ کرے اس میں سے ایک شخص کو خلیفہ بنا لینا اور اگر عبداللہ کے فیصلے سے یہ لوگ راضی نہ ہوں تو پھر تم سب اس طرف ہونا جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اور اگر فریق مخالف اس فیصلہ سے ناراض ہو تو ان سب کو قتل کر دینا۔ پھر وہ سب لوگ باہر آگئے علیؑ نے بنو ہاشم کی جماعت سے جو ان کے ساتھ تھی کہا کہ اگر میں ان کی اطاعت کرتا رہوں گا تو یہ لوگ کبھی تم کو خلیفہ نہ بنائیں گے اور عباسؓ ان سے [illegible] حضرت علیؑ نے کہا کہ اس دفعہ بھی ہم سے ملے خلافت کو دور کر دیا گیا۔ عباس نے کہا کہ یہ کیونکر، حضرت علیؑ نے کہا کہ میرے ساتھ عثمان کو لگا دیا ہے اور شرط رکھی ہے کہ اکثریت جس کے ساتھ ہو وہ خلیفہ ہو۔ پس اگر دو ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں اور اس شرط کی وجہ سے وہ خلیفہ ہو جس کی طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہو یہ نتیجہ ہوگا کہ سعد تو اپنے ابن عم عبدالرحمٰن کی مخالفت نہ کرے گا اور عبدالرحمٰن اور عثمان میں رشتہ سسرال کا ہے۔ پس عبدالرحمٰن عثمان کو یا عثمان عبدالرحمٰن کو خلیفہ کر دیں گے پس اگر دو باقی میرے ساتھ ہوں گے تب بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا اور میرا تو خیال ہے کہ شاید ایک ہی میرے ساتھ ہو-------- (حالت شوریٰ) عبدالرحمٰن نے ممبران شوریٰ سے کہا کہ تم میں سے کون اپنے تئیں اس امر سے خارج کرتا ہے اور مجھے اعتبار دیتا ہے کہ میں تم سب میں سے بہترین شخص کو خلیفہ مقرر کر دوں کسی نے اس کا جواب نہ دیا اس پر عبدالرحمٰن نے کہا کہ اچھا میں اپنے تئیں نکال لیتا ہوں اس پر عثمان نے کہا کہ سب سے پہلے میں تم پر راضی ہوں کیونکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو اس دنیا میں امین ہے وہی آسمانوں پر بھی امین ہے پس وہ لوگ بولے کہ ہم راضی ہیں لیکن

علیؑ خاموش رہے عبدالرحمٰن نے کہا کہ ابوالحسن تم کیا کہتے ہو حضرت علیؑ نے کہا کہ میری یہ شرط ہے کہ اگر تم انصاف کرو حق کی طرف ہو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو اپنے رشتہ دار کا پاس نہ کرو۔ اور عبدالرحمٰن راتوں کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرتے تھے اور نیز مدینہ کے شرفاء و امراء لشکر سے جو مدینہ میں تھے مشورہ کرتے تھے پس جس سے وہ ملتے تھے وہ عثمان کو ہی خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا تھا۔ پس اس رات کو جس کی صبح کو یہ امر خلافت طے ہونا تھا۔ عبدالرحمٰن مسور بن مخرمہ کے مکان پر آئے اور ان کو جگایا اور کہا اس رات میری تو پلک نہیں جھپکی۔ پس تم جاؤ اور سعد و زبیر کو بلا لاؤ پس وہ دونوں آگئے، عبدالرحمٰن نے پہلے زبیر سے مسجد میں خلوت کی اس جگہ پر جو مروان کے مکان سے متصل تھی اور ان سے کہا کہ اولاد عبدالمناف میں سے کس کے لئے تمہاری رائے ہے۔ زبیر نے کہا کہ میرا حصہ تو علیؑ کے لئے ہے پھر عبدالرحمٰن نے سعد سے کہا کہ ہم تم تو ایک ہی ہیں۔ تم اپنا حصہ مجھ کو دے دو سعد نے کہا کہ منظور ہے اگر تم خود خلیفہ بنو، لیکن اگر تم عثمان کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو تو میں علیؑ کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم خود بیعت لے لو۔ اور ہم کو اس مخمصہ سے آزاد کرو۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اے ابا اسحٰق میں نے تو اپنے تئیں اس سے نکال لیا ہے۔-------- سعد نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم میں ضعف آگیا ہے جو تمہاری رائے ہو وہ کرو یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ عمر کیا چاہتے تھے اس کے بعد زبیر و سعد چلے گئے تو عبدالرحمٰن نے مسور کو علیؑ کے پاس بھیجا۔ پس علیؑ آئے اور دیر تک عبدالرحمٰن نے علیؑ سے ایسی گفتگو کی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ علی کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ پھر عبدالرحمٰن اٹھے اور مسور کے ذریعہ سے عثمان کو بلایا وہ آئے تو ان سے صبح تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے کہا کہ اے عمرو جس نے تم سے یہ کہا کہ وہ جانتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے علیؑ و عثمان سے کیا گفتگو کی تو وہ ایسی بات کہتا ہے کہ جس کا اس کو علم نہیں ہے۔ غرض یہ کہ قضائے ربانی عثمان کی طرف تھی ---- عمار نے کہا کہ اے لوگو خداوند تعالیٰ نے ہم کو اپنے رسول کی وجہ سے عزت دی ہے تم لوگ کیوں خلافت کو رسولؐ کے خاندان سے نکالتے ہو-------- پس سعد نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن اپنا کام فوراً ختم کرو قبل اس کے کہ لوگوں میں فتنہ پیدا ہو۔ عبدالرحمٰن

Presented by www.ziyaraat.net/

نے کہا کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اے لوگو! تم فساد نہ کرو اور پھر علیؑ کو بلا کر کہا کہ تم عہد کرتے ہو کہ کتاب خدا و سنت رسول اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کرو گے علیؑ نے کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میں اپنے علم و طاقت کے مطابق کام کروں پھر عثمان کو بلا کر انہوں نے یہ بات کہی تو عثمان نے فوراً" اقرار کر لیا پس عبدالرحمٰن نے عثمان سے بیعت کر لی اس پر حضرت علیؑ نے کہا کہ تم نے عثمان کو بغیر حق و استحقاق کے بخشش کی ہے۔ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ امر خلافت میں تم نے ہم پر غلبہ کیا ہے پس صبر جمیل ہی مناسب ہے اور خداوند تعالیٰ ہماری مدد کرے گا جو تم کرتے ہو۔ بخدا تم نے عثمان کو اس وجہ سے حکومت دی ہے کہ وہ یہ حکومت تم کو ہی واپس کر دے۔ یعنی دراصل تم ہی حاکم ہو اور وہ تمہارے ماتحت کام کرے خداند تعالیٰ غنی و حمید ہے ———— پس علیؑ باہر آئے اور کہتے جاتے تھے کہ کتاب قدر کا لکھا ہوا پورا ہو کر رہے گا ———— مقداد نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن بخدا تم نے اس کو چھوڑ دیا جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور انصاف کرتا ہے ———— پس مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا ظلم کبھی نہیں دیکھا۔ جیسا ظلم و ستم اس گھر کے لوگوں پر ان کے نبی کے بعد ہوا مجھے قریش سے تعجب ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کو چھوڑا۔ جس سے زیادہ علم و عدل والا کوئی اور نہیں، کاش میرے مددگار ہوتے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اے مقداد خدا سے ڈر مجھے ڈر ہے کہ تیرے اوپر آفت نہ آجائے ایک آدمی نے مقداد سے کہا کہ تم پر خدا رحم کرے اس گھر سے تمہارا کیا مطلب ہے اور اس شخص سے تمہارا کیا مطلب ہے مقداد نے کہا کہ اس گھر سے بنو عبدالمطلب اور اس شخص سے مطلب علی ابن ابی طالب ہیں حضرت علیؑ نے کہا اور لوگ تو قریش کی طرف دیکھتے ہیں یعنی اپنی دنیاوی فائدہ کو مد نظر رکھتے ہیں اور قریش اپنے گھر کو دیکھتے ہیں یعنی اپنا فائدہ چاہتے ہیں پس وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اگر بنو ہاشم تمہارے اوپر حاکم ہو گئے تو پھر یہ حکومت ان کے خاندان سے کبھی نہیں نکلے گی اور اگر ان کے علاوہ قریش میں سے کوئی اور حاکم ہوا تو یہ خلافت قریش میں ایک سے دوسرے کی طرف پھرتی رہے گی ————

محمد بن جریر الطبری :۔ تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس صفحہ ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸۔ نیز ملاحظہ ہو۔

تاریخ حبیب السیر :۔ جلد اول جز چہارم صفحہ ۲۷، ۲۸ ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغتہ الجزء الثانی صفحہ ۴۰۹، تاریخ ابی الفدا۔ الجزء الاول صفحہ ۱۶۵۔۱۶۶

حضرت عمر حضرت علیؑ کو سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے لیکن ان کو خلیفہ مقرر نہ کرنیکی کبھی کچھ وجہ بیان کر دیتے تھے کبھی کچھ

ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب المصری الفقیہ الماوردی متوفی ۴۵۰ ہجری اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں۔ جس کا اردو ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب ایم۔ اے نے کیا ہے۔

ترجمہ :۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر زخمی ہو کر اپنے مکان میں تشریف لائے تو آپ نے شور و غوغا سنا۔ پوچھا کیا ہے؟ بیان کیا گیا کہ لوگ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ آپ نے انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ ان لوگوں نے کہا امیرالمومنین آپ عثمان کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کر دیجئے آپ نے فرمایا بھلا ایسا شخص کیسے اس منصب کا اہل ہو سکتا ہے جو دولت کو بھی چاہے اور جنت کا بھی طلب گار ہوگا۔ یہ جواب سن کر یہ لوگ آپ کے پاس چلے آئے پھر ایک ہنگامہ کی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا کیا ہے؟ کہا گیا کہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں آپ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ اس جماعت نے کہا کہ آپ علیؑ کو ہمارا خلیفہ مقرر فرماتے جایئے آپ نے فرمایا کہ وہ تمہیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں آپ پر جھک گیا اور میں نے کہا امیرالمومنین پھر آپ علیؑ کو خلیفہ نہیں بنا دیتے آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے کیا تم زندگی اور موت دونوں میں اس طرز عمل کو برداشت کر لوگے"۔

ہمیں رنج ہوتا ہے کہ اکثر ان مورخین کے متعصبانہ رویہ کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنی پڑتی ہے۔ ہم نے یہاں اصل عبارت بھی نقل کر دی۔ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب نے ترجمہ کیا ہے وہ (علیؑ) تمہیں بالکل ظاہری شریعت کے احکام پر چلائیں گے۔" یہ ظاہری اور اندرونی شریعت جناب مترجم صاحب نے کہاں سے لی۔ اصلی عربی فقرہ ہے **انا یحملکم علی طریقۃ ہی الحق** اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "وہ تم کو اس راستہ پر چلائیں گے جو بالکل حق

Presented by www.ziyaraat.net/

ہے" جب حالت یہ ہے تو ان بزرگوں کی کتابوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ آپ حضرت عثمان کو خلافت کا نااہل سمجھتے تھے اور علی کو اس کا مستحق جانتے تھے۔ یہاں تو یہ عذر کر دیا کہ میں لوگوں کا یہ بوجھ زندگی اور موت میں نہیں اٹھا سکتا۔ اور تدبیر وہ اختیار کی جس سے عثمان خلیفہ ہو جائیں اور حضرت علیؑ محروم ہو جائیں۔ حضرت علیؑ کے متعلق حضرت عمر کی اس رائے کو اور ان کے اس جواب کو طبری نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تاریخ طبری۔ الجزء الخامس صفحہ ۳۴، ۳۵، ابن الاثیر۔ بہ تاریخ الکامل۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۵، ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری۔ الجزء السابع صفحہ ۵۵

ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عمر کے ساتھ جا رہا تھا کہ یکایک انہوں نے ایسا گہرا سانس لیا کہ میں سمجھا کہ ان کی ساری پسلیاں توڑ کر سانس نکلا ہے میں نے کہا اے امیرالمومنین وہ کونسا امر عظیم تھا جو ان سرد آہوں کا باعث ہوا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے ابن عباس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امت محمد کے ساتھ کیا کروں میں نے کہا سبحان اللہ آپ تو اس امر پر قادر ہیں کہ اس کو اس کے اہل کے حوالہ کر دیں۔ یعنی مستحق شخص کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ اور میں یہ ان کی سبقت اسلامی علم، قرابت رسول اور دامادی رسول کی وجہ سے کہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ واقعی علیؑ ایسے ہی ہیں لیکن ان میں مزاح کی عادت ہے۔

ابن عبدالبر۔ الاستیعاب فی معرفتہ اصحاب ترجمہ علی ابن ابی طالب۔ صفحہ ۴۸۰، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغتہ الجزء الثانی صفحہ ۱۱۴ ۔۔ شاہ ولی اللہ۔ ازالتہ الخفاء

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے ساتھ رات کو جا رہا تھا۔ وہ خچر پر سوار تھے میں گھوڑے پر سوار تھا۔ ایک آیت حضرت عمر نے پڑھی۔ جس میں حضرت علیؑ کا ذکر تھا اور کہا کہ قسم بخدا اے نبی عبدالمطلب تمہارا صاحب یعنی علی مجھ سے اور ابوبکر سے زیادہ خلافت کا حق دار تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اب میں انہیں جواب شافی دوں گا میں نے ان سے کہا کہ اے

امیرالمومنین آپ یہ کہتے ہیں اور آپ اور آپ کے دوست ابوبکر ہی تو تھے جو خلافت کے لئے اوچکے اور تمام آدمیوں کی نسبت آپ دونوں نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کیا۔ اس پر عمر کھسیانے ہو گئے اور کہا کہ چلو۔ پس میں چلا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اپنے کلام کو دہراؤ۔ میں نے جواب دیا کہ آپ نے ایک بات کہی تھی میں نے اس کا جواب دے دیا تھا۔ اور اگر آپ خاموش رہتے ہیں تو میں بھی خاموش ہوں انہوں نے کہا کہ قسم بخدا جو کچھ ہم نے کیا وہ کسی عداوت سے نہیں کیا بلکہ وہ عمر میں کم تھے۔ ہم نے خیال کیا کہ عرب و قریش ان کی اطاعت نہ کریں گے پس میں نے ارادہ کیا کہ میں جواب دوں اور میں نے کہا کہ جب جناب رسول خداؐ نے علی کو مشکل مہمات پر بھیجا اور سورہ برات کی تبلیغ کے لئے بھیجا تب تو نہ آپ نے اور نہ آپ کے دوست نے علی کو کمسن سمجھا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے ہم جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔

طراز المحدثین ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ۔ کتاب المناقب۔

حضرت عمر کا جواب قابل غور ہے۔ اس جواب کا مطلب ہے کہ جناب رسول خدا نے واقعی غلطی تو کی لیکن ہم کیا کرتے مجبور تھے۔ جب تک وہ زندہ تھے ان کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ ابوالحسن علی الماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ کے اردو ترجمہ سے ہم ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں۔

"ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے عمر کو بہت بے چین پایا اور وہ فرمانے لگے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خلافت کے بارے میں کیا کروں۔ میں نے کہا آپ علیؑ کو خلیفہ مقرر کر دیجئے۔ فرمایا بے شک وہ اس کے اہل ہیں مگر ان میں ظرافت ہے۔"

خلیفہ کے لئے ضروری شرط کہ سیرت شیخین کی پیروی کرے

پس عبدالرحمٰن ابن عوف نے علی سے شروع کیا اور کہا کہ میں آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سنت شیخین ابوبکر و عمر کی پیروی آپ کریں گے حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ کتاب اللہ و سنت رسولؐ کی پیروی تو منظور کرتا ہوں لیکن سیرت شیخین کا وعدہ نہیں کرتا میں اپنے اجتہاد و رائے پر عمل کروں گا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف

Presented by www.ziyaraat.net/

نے پھر تنہائی میں اسی طرح عثمان کو بلا کر ان سے عہد کر لیا انہوں نے فورا" منظور کر لیا عبدالرحمٰن نے اسی طرح تین دفعہ علی و عثمان سے پوچھا تینوں دفعہ حضرت علیؑ نے سنت شیخین کی پیروی کرنے سے انکار اور عثمان نے اقرار کیا۔ اس پر عبدالرحمٰن نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الاول صفحہ ۶۳-- تاریخ ابن خلدون۔ بقیۃ الجزء الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ ۱۲۸۴ ہجری صفحہ ۱۲۶ -- شمس التواریخ۔ صفحہ ۱۲۱۴ -- تاریخ طبری۔ الجزء الخامس صفحہ ۳۷ -- تاریخ حبیب السیر۔ جلد اول جزو چہارم صفحہ ۲۷' ۲۸ -- تاریخ الفدا۔ الجزء الاول صفحہ ۱۶۵' ۱۶۶ -- تاریخ الکامل۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۷

حضرت عمر کی خواہش کی اگر فلاح شخص زندہ ہوتا تو میں اس کو خلیفہ مقرر کرتا

جب حضرت عمر مجروح ہوئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ خلیفہ مقررر کر کے جائیں تو انہوں نے فرمایا۔ کہ کس کو خلیفہ مقرر کروں اگر ابوعبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے یا معاذ زندہ ہوتے یا سالم مولیٰ حذیفہ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں یہ اور جواب دیتا۔

تاریخ طبری۔ تاریخ الامم و الملوک الجزء الخامس صفحہ ۳۴ -- تاریخ خمیس۔ الجزء الثانی صفحہ ۲۷۲ -- تاریخ الکامل ۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۵

حضرت عمر کا اپنے بیٹے عبداللہ کو ثالث بنوانا اور پھر اس سے کہنا کہ تم ادھر ہونا جس طرف عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں

فحکموا عبداللہ ابن عمر فای الفریقین حکم لہ فلیختار وارجلا منھم

تاریخ طبری۔ الجزء الخامس صفحہ ۳۵ -- تاریخ الکامل۔ الجزء الثالث صفحہ ۲۰

اگر تین ایک طرف ہوں اور تین ایک طرف ہوں تو) عبداللہ بن عمر کو ثالث مقرر کرنا پس جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ کرے خلیفہ اس میں سے ہو۔

اے عبداللہ اگر اصحاب شوریٰ میں اختلاف ہو تو تم کثرت کی طرف ہونا اور اگر وہ مشورہ

کریں تو تم اس جماعت کی طرف ہونا جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں۔

واقعہ شوریٰ کے حالات ثابت کرنے کے بعد ہم ان واقعات و حالات پر ایک تبصرانہ تنقیدانہ نظر ڈالتے ہیں۔ سقیفہ کے واقعات سے بھی حضرت عمر کی سیاست کا اچھا اندازہ ہوتا ہے مگر شوریٰ کے واقعات سے تو وہ سیاست بالکل ہی عریاں ہو جاتی ہے۔

بہت غور و خوص کے بعد حضرت عمر نے شوریٰ کی تجویز سوچی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر اعلان کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔ اگرچہ اس تجویز کا نام شوریٰ ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی ثابت کریں گے' امرواقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کو خود حضرت عمر ہی نے خلیفہ مقرر کیا۔ دوسروں سے مقرر کرانا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود مقرر کرنا۔ اس طرح گویا حضرت عمر نے سنت رسول کی عمدا" مخالفت کی۔

جب تجویز شوریٰ حضرت عمر کے دماغ میں مکمل ہوگئی۔ تو انہوں نے سب سے پہلے تنہائی میں عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا۔ اس سے کچھ باتیں کیں اور یہ عہد کر لیا کہ اس گفتگو کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ مگر جائز قیاس و صحیح استدلال کے ذریعے سے معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کیا بات ہوگی۔ جس کے اخفا کا وعدہ حضرت عمر نے لیا۔ ان بزرگواروں کے اقوال و افعال ہی چغلی کھاتے ہیں۔ حضرت عمر نے تاکید کی۔ کہ ممبران شوریٰ میں اختلاف ہو تو میرا بیٹا عبداللہ ثالث ہو اور عبداللہ کو ہدایت کی کہ تم ادھر ہو جانا جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں۔ بلکہ دیگر لوگوں کو بھی ہدایت کی کہ جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں وہ ہی خلیفہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کا طرز عمل صریحاً بتا رہا ہے کہ ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ پھر شوریٰ کی ترکیب و ساخت جس کا تذکرہ ہم ابھی کرتے ہیں۔ ایسی تھی کہ علی خلیفہ ہو ہی نہیں سکتے تھے اور عثمان کا خلیفہ ہونا تقریباً یقینی تھا۔ ان تمام امور کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تجویز شوریٰ سے پہلے ہی حضرت عمر نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہوں تو پھر ہم کو تیقن ہو جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف سے تنہائی میں بلا کر حضرت عمر نے کیا ہدایت دی تھی جس کے اخفاء کا حکم دیا گیا۔ وہ ہدایت یہی تھی کہ دیکھو کسی نہ کسی طرح حضرت عثمان ہی کو خلیفہ مقرر کرانا۔ جب ہی تو ہم دیکھتے ہیں کہ جب شوریٰ میں تین دن کے اندر کچھ فیصلہ نہ ہوسکا۔ تو عبدالرحمٰن

Presented by www.ziyaraat.net/

بن عوف نے باہر جا کر لوگوں سے تجاویز و تدابیر سوچنی شروع کیں کہ کس طرح عثمان کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ آخر کار عمرو بن العاص نے وہ ترکیب بتائی جو کامیاب ہوگئی۔ اس طرح باہر جا کر تمام لوگوں سے دریافت کرنا' حضرت عمر کی ہدایت کے خلاف تھا۔ انہوں نے تو صہیب کو حکم دیا تھا۔ کہ پچاس آدمیوں کے ہمراہ تم دروازہ پر رہنا۔ جب تک یہ لوگ اپنے فیصلہ کا اعلان نہ کر چکیں اور اتنے عرصہ میں کسی کو اندر نہ آنے دینا اور ان سے گفتگو نہ کرنے دینا۔ مگر عبدالرحمٰن نے اس کے خلاف کیا کیوں؟ وہ جانتے تھے کہ یہ تو محض تدابیر تھیں۔ حضرت عمر کے اصلی مقصد کو مدنظر رکھنا چاہیئے اگر خلاف قیاس ممبران شوریٰ حضرت علی کی معقول و مدلل گفتگو اور ان کے احتجاجات سے متاثر ہوکر مذبذب ہو جائیں تو پھر حضرت عمر کے ولی مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے ان کی ظاہری ہدایات کے باہر بھی چلے جائیں تو کچھ ہرج نہیں۔ یہ امر کہ حضرت عمر نے اپنے زخمی ہونے سے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ عثمان کو خلیفہ کرنا ہے۔ عیاں ہے۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت عمر سے مدینہ میں پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ عثمان۔

علی المتقی۔ کنزالعمال الجزء الثالث صفحہ ۱۵۸' حدیث ۲۴۴۸' مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن۔

(مطرف کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس امر میں مطلقاً شک نہ تھا کہ حضرت عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے)

علی المتقی۔ کنزالعمال الجزء الثالث صفحہ ۱۶۰ حدیث نمبر ۲۴۵۹

اب ہم ان واقعات پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہے کہ تجویز و ترکیب و تنظیم شوریٰ محض حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے کا ایک بہانہ تھا۔ ساخت شوریٰ اور وہ ہدایات جو ارباب شوریٰ اور اس کے متعلقین کو دی گئیں وہ نہ کسی اصول پر مبنی تھیں اور نہ قواعد سے وابستہ اور نہ سنت رسول کی پیروی مطلوب تھی۔ اس کی حمایت نہ منطق کر سکتی ہے اور نہ عقل اس کا مقصد واحد یہ تھا کہ کسی طرح خلافت بنو ہاشم و اہل بیت رسول میں نہ چلی جائے۔

تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عمر حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے ہر طرح سے

اہل سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ اگر حکومت حضرت علیؑ کو مل گئی تو وہ اس کو حق مبین و صراط مستقیم پر چلائیں گے۔ مسلمانوں کی ہدایت و صراط مستقیم پر استقامت ہی تو خلافت و حکومت الٰہیہ کی وجہ ہست و بود تھی۔ یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ خلافت حضرت علیؑ کا حق ہے اور ان پر ظلم ہوا ہے چونکہ کوئی معقول وجہ حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ مقرر کرنے کی نہیں تھی لہٰذا حضرت عمر نے کبھی تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں تو اب مر رہا ہوں اپنے اوپر یہ بوجھ اور ذمہ داری کیوں لوں۔ کبھی یہ کہہ دیا کہ چونکہ حضرت علیؑ کو خلافت کی خواہش ہے لہٰذا میں ان کو خلیفہ مقرر نہیں کرتا کبھی یہ کہہ دیا کہ حضرت علیؑ کی خوش مزاجی (دعابہ) ان کے اور خلافت کے درمیان حائل ہے۔ حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں اسلام و حکومت الٰہیہ خراب ہو رہے ہیں۔ تو ضرور ان کے دل میں خواہش ہونی چاہیئے۔ تھی کہ حکومت کو خود لے کر اسے برائی کی طرف جانے سے بچانا چاہیئے۔ بوجھ والا عذر بھی کچھ نہیں شوریٰ کی ترکیب و ساخت اور ارباب شوریٰ کے لئے ہدایتیں تجویز کر کے سارا بوجھ تو اپنے اوپر لے لیا۔ اب باقی کیا رہا۔ اور خوش مزاجی والے عذر کو سن کر تو ہمیں شیخ سعدی کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

یہ تو جناب امیر کا ہنر تھا۔ جس کو وہ عیب سمجھے۔ ایسے مکروہات دنیا میں رہ کر جس میں حکومت کی جماعت نے انہیں ڈال دیا تھا خوش مزاج رہنا ایک صفت تھی۔ حضرت عمر کی اس نکتہ چینی کے متعلق علامہ شبلی کہتے ہیں۔

"حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اس میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخی کتابوں میں منقول ہے۔ یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے۔ یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ گویا حضرت علیؑ میں کوئی عیب نہ تھا۔ اور عذر دعابہ پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

الفاروق۔ حصہ اول صفحہ ۲۰۴ حاشیہ۔

Presented by www.ziyaraat.net/

علامہ شبلی کا یہ فیصلہ اس امر پر قطعی سمجھا جانا چاہئے۔ وہ مانتے ہیں کہ دیگر ممبران شوریٰ کے جو عیب بیان ہوئے۔ وہ واقعی درست تھے اور حضرت علیؑ کے خلاف صرف عادت مزاح ہی بیان کی گئی اور وہ بھی محض خیال ہی خیال تھا۔ گویا حضرت علیؑ میں کوئی عیب نہ تھا۔ اس عذر دعابہ پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

اب علامہ شبلی کی روح کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ جب حالت یہ تھی تو حضرت علی ان سب میں افضل ہوئے۔ افضل ترین شخص کے موجود ہوتے ہوئے اسے خلیفہ نہ مقرر کرنا عدل فاروقی ہی کے اصول و ضوابط کی رو سے جائز ہو سکتا ہے۔ عقل سلیم تو انگشت بدنداں ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید نے بھی اس دعابہ والی نکتہ چینی کا خوب جائزہ لیا ہے۔ اور ان کو ایک عذر نامعقول ثابت کیا ہے۔ آخر میں علامہ مذکور کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ میں اسی طرز اور اسی حد کا مزاح تھا۔ جو جناب رسول خداؐ میں تھا۔ **شرح نهج البلاغة** الجزء الاول صفحہ ۸۔ باوجود مستحق ترین ہونے کے خلافت سے حضرت علیؑ محروم کئے گئے۔ اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمر کی سیاست کا یہ مقصد اول تھا کہ حکومت خاندان رسالت میں نہ جائے اور جس جماعت کو حضرت عمر نے خود خلافت حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؑ کے خلاف مرتب اور منظم کیا تھا اور جس کی سرکردگی و نمائندگی آپ مختلف موقعوں پر جناب رسول خداؐ کی زندگی میں اور ان کے بستر مرگ پر کر چکے تھے وہ نہیں چاہتی تھی کہ حضرت علیؑ خلیفہ ہوں یا بنی ہاشم میں خلافت جائے۔ ان لوگوں کو خلیفہ گری کا چسکہ پڑ گیا تھا۔ ایسے کو خلیفہ کریں گے جو اپنے ہاتھوں کے نیچے دبا رہے۔

وہی واقعہ دوبارہ ہوا۔ لہٰذا ہم بھی اپنے تبصرہ کی تکرار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور ادھر حضرت عمر کے زخم کاری لگا۔ ادھر لوگوں نے فوراً التجا شروع کر دی کہ آپ ہم پر خلیفہ مقرر کر دیں اور جناب رسول خداؐ کو خلیفہ کے بارے میں وصیت لکھنے سے باز رکھا گیا۔ اس سے اچھی طرح عیاں ہے کہ ایک منظم تدبیر کی وجہ سے حضرت علیؑ کے خلاف ایک جماعت کثیر پیدا ہو گئی تھی۔ جس کا مقصد اولیٰ حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنا تھا۔

اب تو جناب عمر نے حجرہ رسول کو جو متروکہ رسول تھا ورثہ حضرت عائشہ تسلیم کر کے ان سے اپنے دفن کی اجازت چاہی اور اس کو اتنا ملحوظ رکھا کہ جنازہ بھی جائے تو دوبارہ بغیر اجازت کے

اندر داخل نہ ہو۔ لیکن فدک کی واپسی کے وقت لانورث یاد آ گئی۔ غالباً اتنے عرصہ میں وہ حافظہ سے اتر گئی۔ آپ کا حافظہ بھی تو آپ کی سیاسی تدبیر کے ماتحت رہتا تھا۔ ہمیں ان بزرگواروں کے علم فقہ و منطق پر تعجب آتا ہے۔ حضرت عمر کی قبر کے لئے تو حضرت عائشہ نے بہت مستعدی و خوشنودی سے اپنے حجرہ میں جگہ دے دی۔ مگر جب نواسہ رسولؐ کا جنازہ اس غرض سے آیا۔ تو بہت سختی سے آپ نے ممانعت کی۔ اور اس پر بنو امیہ سے تیر برسوائے۔ جناب عمر اور حضرت امام حسنؑ کا طرز عمل بالکل ایک دوسرے کے مخالف ہے۔ حضرت عمر نے تو اس حجرے کو حضرت عائشہ کی ملکیت ظاہر کرنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ زندگی میں بھی ان سے اجازت لی اور وصیت کی کہ مرنے کے بعد بھی جب جنازہ وہاں جائے تو اجازت لی جائے۔ برخلاف اس کے جناب امام حسن علیہ السلام نے حضرت عائشہ کی ملکیت کو مطلقاً تسلیم نہیں کیا اور اپنے بھائی کو وصیت کی کہ ان کو ان کے نانا کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ حضرت عائشہ سے اجازت نہ خود لی اور نہ امام حسینؑ سے کہا کہ وہ اجازت لے لیں اور امام حسین علیہ السلام بھی جنازہ کو ادھر لے چلے بغیر حضرت عائشہ سے اجازت لئے ہوئے اب دیکھنا یہ ہے کہ بروئے شرع محمدی کس کا طرز عمل درست تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ حجرہ اپنے روپے سے نہیں خریدا تھا۔ جناب رسول خداؐ نے یہ حجرے اپنے لئے بنوائے تھے اور اپنی ازواج کو ان میں رکھا ہوا تھا۔ نور الدین سمہودی۔ وفاءالوفا باخبار دار المصطفیٰ الجزء الاول باب الرابع فصل التاسع صفحہ ۳۲۵۔ نہ حضرت عائشہ نے کبھی دعویٰ کیا اور نہ کوئی مورخ کہتا ہے کہ یہ حجرہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا اور جناب رسول خداؐ کا طرز عمل اس کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خداؐ کے اس قول کی بناء پر کہ نبی وہیں دفن کیا جاتا ہے جس جگہ انتقال کرے۔ آنحضرتؐ کو وہاں دفن کیا گیا' آنحضرت جانتے تھے۔ کہ آپ کا انتقال اس جگہ ہو گا۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ میں نے کہا ہوا ہے کہ نبی وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ جہاں وہ انتقال کرے۔ اس پر بھی آنحضرتؐ نے یہ نہ کہا کہ مجھے یہاں عائشہ کی اجازت لے کر دفن کرنا۔ کیونکہ میں یہ حجرہ اسے ہبہ کر چکا ہوں۔ لہٰذا آنحضرت کے انتقال پر یہ حجرہ جناب رسولؐ خدا کا ترکہ ہوا۔ اور اس میں زوجہ و اولاد کا حصہ بروئے شرع محمدی ہوا۔ جناب فاطمہؑ کے انتقال پر ان کا حصہ ان کی اولاد اور شوہر کو ملا اور

Presented by www.ziyaraat.net/

جناب علی مرتضیٰؑ کی رحلت پر ان کا حصہ بھی ان کی اولاد کو ملا۔ اندریں صورت حضرت عائشہ کا حصہ اس میں آٹھواں تھا اور اس سے زیادہ پر وہ قابض تھیں لہٰذا جناب امام کا حق تھا کہ بغیر عائشہ کی اجازت کے وہاں دفن ہونے کی وصیت کریں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا ہم تو فدک کے واقعہ سے مقابلہ کر رہے تھے یہاں تو بغیر شاہد و شہادت طلب کئے ہوئے حضرت عائشہ کی ملکیت تسلیم کرتے ہیں۔ وہاں قبضہ و شہادت اور شاہد کے ہوتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں۔

جناب عمر کی گفتگو سے ثابت ہے کہ ان بزرگواروں کے عقیدہ کے مطابق جناب رسول خداؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا۔ مگر حضرت ابوبکر ہیں جنھوں نے فدک کے معاملہ میں فرمایا تھا۔ کہ میں جناب رسول خداؐ کے عمل سے یک سر مو تجاوز نہیں کرنا چاہتا۔ ان بزرگواروں کی ذہنیت اور دماغی کیفیت ان کے ہر ایک قول سے ہر ایک عمل سے نمایاں ہے دیکھنے والی آنکھ چاہیئے۔ حضرت عمر کی رائے میں جناب ابو عبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل، خالد بن ولید اور سالم حضرت حذیفہ کے غلام حضرت علیؑ سے بدرجہا افضل اور خلافت کے لئے موزوں تھے۔ کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کو بغیر کسی تردد کے خلیفہ کر دیتے۔ زبان و دل کا فرق تو دیکھئے خالد بن ولید وہی ہیں جن کو آپ اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ لشکر کی افسری کر سکیں۔ فوراً خلیفہ ہوتے ہی ان کو معزول کر دیا اور ان کے حق میں طعن آمیز کلمات کہے بلکہ ان کو خائن تک سمجھا لیکن اب اگر زندہ ہوتے تو وہ حضرت علیؑ سے بدرجہا بہتر تھے اور فوراً خلیفہ مقرر کر دیئے جاتے معاذ بن جبل وہی ہیں کہ جب انہوں نے یمن میں تجارت کرکے اپنا مال بڑھایا۔ تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ ان کا سارا مال چھین لو۔ یہ خیانت کا روپیہ ہے۔ صرف قوت لایموت کے لئے رہنے دو۔ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ الجزء الاول۔ ترجمہ معاذ بن جبل۔ سنہ ۱۸ ہجری میں ۶۸ سال کی عمر میں ان کو طاعون ہوگیا۔ اور شام میں انتقال کیا۔ معلوم نہیں حضرت علی سے زیادہ افضل کون سے کارہائے نمایاں کئے تھے کہ اگر زندہ ہوتے تو باوجود کم عمر ہونے کے بھی بغیر شوریٰ کے خلیفہ بنا دیئے جاتے صہیب کو جب امامت نماز کے لئے مقرر کیا تو فرمایا کہ اس کی امامت نماز سے کچھ خطرہ نہیں۔ وہ غلام ہے اس امر خلافت کے لئے تنازعہ نہیں کرے گا۔ اور اپنے تئیں اس کا ایک امیدوار نہیں سمجھے گا۔ اور اب حسرت ہے کاش سالم زندہ ہوتے تو میں

ان کو علیؑ پر ترجیح دیتا۔ آخر ان بزرگوار کے قول و فعل میں کہیں کچھ منطق و اصول بھی ہے یا جیسا موقعہ دیکھا کہہ دیا۔ ان سارے لوگوں کے متعلق تو جناب رسول خداؐ کے مفروضہ اقوال یاد آ گئے۔ لیکن جناب علی مرتضیٰؑ کے متعلق آنحضرتؐ کے جو بے شمار اقوال تھے ان میں سے ایک بھی یاد نہ رہا۔ ابھی تو علیؑ کو مومنین کے مولا ہونے پر مبارکباد دی تھی۔ ابھی بھول گئے۔ حضرت عمر کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کا حافظ ہمیشہ ان کی سیاسی مقاصد و تجاویز کے ماتحت رہتا ہے۔ حضرت علیؑ کا کرار غیر فرار یاد نہ رہا۔ حدیث منزلت بھول گئے۔ حدیث ولایت ”نسیاً منسیاً“ ہوگئی **لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار** کا مشہور فقرہ حافظ سے اتر گیا۔ یہ یاد نہ رہا کہ جس عمرو بن عبدود کی شجاعت کی میں اتنی تعریف کیا کرتا تھا۔ اس کو علیؑ نے ایک وار میں قتل کرکے دربار رسالت سے **ضربۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ** کا تمغہ حاصل کیا۔ خود حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ چار خصوصیات حضرت علیؑ کی ایسی ہیں کہ اگر ایک بھی ان میں سے مجھے ملی ہوتی تو وہ دنیا کی ہر ایک نعمت سے مجھے زیادہ عزیز ہوتی۔ یہ سب امور طاق نسیان میں رکھے گئے یاد رہا تو کیا' سیف اللہ' امین امت' حفظ قرآن حضرت علیؑ کے خطابات کے تو موقعے سب معلوم ہیں معلوم نہیں۔ ان خطابات کے موقعے کب آئے تھے۔ خالد ابن ولید کے متعلق ہم کو فقط اتنا معلوم ہے کہ بنو جذیمہ کی طرف آپ بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ خالد نے کہا کہ اچھا اگر تم مسلمان ہو تو ہتھیار رکھ دو۔ انہوں نے خالد پر بھروسہ کرکے ہتھیار رکھ دیئے۔ حضرت خالد نے اپنا وعدہ توڑ دیا اور ان سب کو تہ تیغ کیا۔ جب آنحضرتؐ کو اس کا علم ہوا۔ تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا **اللھم انی ابرا الیک مما صنع خالد بن ولید** یعنی خداوند میں بری الذمہ ہوں خالد کے فعل سے۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ دیت خون ادا کریں۔ تاریخ طبری۔ الجزء الثالث صفحہ ۱۲۴۔ اگر اس بہادری کے موقعہ پر آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو سیف اللہ کا لقب دیا ہو تو دیا ہو' ورنہ اور تو کوئی موقعہ نہ تھا معلوم نہیں' آنحضرتؐ نے امت کی کون سی امانت جناب ابوعبیدہ بن الجراح کے سپرد کی تھی۔ جو انہوں نے ادا کی۔ ہاں حضرت عمر کی امانت بہت ایمانداری کے ساتھ رکھی تھی۔ حضرت عمر ان سے خلافت کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ کس طرح آنحضرتؐ کے بعد خلافت سے حضرت علیؑ کو محروم کیا جائے وہ تجاویز ابو عبیدہ نے نہایت ایمانداری کے ساتھ

Presented by www.ziyaraat.net/

اپنے سینہ میں محفوظ رکھیں سقیفہ والے دن حضرت عمر کی خوب مدد کی۔

حضرت عمر کو اس بات کا علم تھا کہ خداوند تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا کہ تم نے امت محمدیہ پر کس کو خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر کو بھی اس باز پرس کا علم تھا۔ بلکہ عوام الناس کو اس کا علم تھا۔ جب ہی تو انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا تھا کہ تم خدا کے ہاں کیا جواب دوگے کہ ایسی غلیظ طبیعت والے انسان کو خلیفہ مقرر کر رہے ہو۔ اگر اس باز پرس کا علم نہیں تھا۔ تو جناب رسول خدا ہی کو نہیں تھا۔ کہ انہوں نے اپنا جانشین ہی کوئی مقرر نہ کیا۔

جن چھ بزرگواروں کو جناب عمر نے امیدواران خلافت مقرر کیا تھا ان کو محض اس وجہ سے منتخب کیا تھا کہ جناب رسول خداؐ ان سے رحلت کے وقت راضی تھے۔ کیا اور کسی سے آنحضرتؐ اپنی رحلت کے وقت راضی نہ تھے۔ ممکن ہے کہ جناب عمر کا یہ کہنا درست ہو۔ شاید یہ بزرگوار قضیہ قرطاس کے وقت آنحضرت کے پاس نہ ہوں گے۔ جتنے اس وقت موجود تھے وہ تو حضرت عمر کے زیر اثر تھے اور انہوں نے جناب رسول خداؐ کو ناراض کیا تھا۔ کہ باوجود اس خلق عظیم کے جو آپ میں تھا آنحضرتؐ کو انہیں وہاں سے دھتکار کر نکالنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

عجیب لطف ہے کہ امیدواران خلافت میں کوئی انصار نہ منتخب کیا گیا۔ کیا انصار میں سے کسی سے آنحضرتؐ راضی نہ تھے۔ امرواقعہ تو یہ ہے کہ جناب عمر ان سے راضی نہ تھے کیونکہ سقیفہ بنی ساعدہ والے دن انہوں نے حضرت عمر کی مخالفت کی تھی۔ کہاں ہیں وہ لوگ حضرت عمر کی مساوات اسلامیہ اور عدل فاروقی پر سر دھنتے ہیں۔ آئیں اور اس کا جواب دیں۔ کیا یہ طریقے حکومت الٰہیہ حاصل کرنے کے ہیں یا اس کی ضد کے حاصل کرنے کے۔

حضرت عمر نے امیدواران خلافت کو مخاطب کرکے کہا کہ اب تک تو امت اسلامیہ میں کوئی تفرقہ و نفاق نہیں ہے، اب آئندہ ہوا تو تم اس کے ذمہ دار ہوگے۔ کیا حضرت عمر دل سے اس بات کا یقین کرتے تھے یا یہ محض ایک سیاسی فقرہ تھا۔ قرطاس والے دن تفرقہ ہوا۔ جیشؐ والے دن اختلاف ہوا۔ اور سقیفہ والے دن تو ایسا تفرقہ و اختلاف ہوا کہ اب تک باقی ہے۔ کیا حضرت عمران سب سے غافل تھے۔

صہیب کی امامت نماز کا ہم نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔ صہیب کے لئے تو یہ اتنی ادنیٰ شے [...] حضرت ابوبکر کے لئے وہ اتنی عظیم الشان ہوگئی۔ مساوات کے دلداد گان گریبان میں منہ

ڈالیں۔ ایک شخص محض موالیان میں سے ہونے کی وجہ سے خلافت کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ یہی نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ انصار کا بھی اس میں کچھ حصہ نہیں۔ آپ کی ہدایات ہیں کہ حسن بن علی و عبداللہ ابن عباس کو بلا لینا۔ ان کی موجودگی باعث برکت ہوگی اور انصار کے بڑے بڑے آدمیوں کو بھی بلا لینا' لیکن ان میں سے کسی کا حق خلافت میں نہیں ہوگا۔ جمہوریت کے دلداد گان کے لئے غور کرنے کا موقعہ ہے۔ ایسا بھی کہیں انتخاب جمہوریت دیکھا ہے کہ چھ آدمیوں کے علاوہ سب عہدے سے محروم اور چھ آدمی مقرر کرنے والا ایک مطلق العنان حاکم' چونکہ آج کل لوگ جمہوریت کو اچھا سمجھتے ہیں اور حضرت عمر کو اچھا ثابت کرنا مقصود ہے لہٰذا اب ضرور کہیں گے کہ حضرت عمر نے جمہوریت قائم کی' خواہ قائم کی ہو یا نہ کی ہو۔

حضرت عمر کے طرز عمل سے جو لوگوں میں غلامانہ و خوشامدانہ ذہنیت پیدا ہوگئی تھی وہ ملاحظہ فرمائی۔ حضرت عمر تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ میرے بیٹے عبداللہ کو حالت اختلاف میں ثالث مقرر کر لینا' وہ لوگ کہتے ہیں کہ نہیں حضور' آپ ان کو ہمارا حاکم ہی مقرر کر دیں' ہم راضی' ہمارا خدا راضی ایسے لوگوں کے لئے ادعا کیا جاتا ہے کہ اپنا حاکم مقرر کرنا ان کا حق تھا لہٰذا جناب رسول خدا نے خود جانشین مقرر نہ کیا۔

یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ عبداللہ ابن عمر کو کیوں ان کے والد ماجد نے خلیفہ مقرر نہیں کیا سیدھا اور صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ اس قابل نہ تھے اور یہ ہی جواب حضرت عمر نے دیا کہ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کروں جو اپنی عورت کو طلاق نہیں دے سکتا۔ لیکن اصلی وجہ کچھ اور ہی تھی۔ جب خالد بن ولید ہو سکتے تھے تو عبداللہ بن عمر بہر صورت ان سے تو بہتر تھے۔ ان سے پہلے ایمان لائے تھے اور اسلام کو ظاہری نقصان اتنا نہیں پہنچایا جتنا کہ خالد بن ولید پہنچا چکے تھے۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؑ کے خلاف جو علم بغاوت بلند کیا گیا تھا اس کے نیچے لوگوں کو یہ ہی کہہ کر جمع کیا گیا تھا کہ جناب رسول خداؐ تو خاندان پروری کر رہے ہیں۔ ایک ہی خاندان میں حکومت کا رہنا اچھا نہیں۔ جب اس بحث اور اس اصول پر اس جماعت کا دار و مدار رکھا گیا تو اب کس طرح حضرت عمر اس کے خلاف کرکے اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر کرتے۔ مگر پھر بھی خلیفہ گر کا عہدہ تو دے ہی دیا۔ جو شخص خلیفہ بنا سکتا ہو۔ وہ خلیفہ بننے کے کیوں نہ قابل سمجھا جائے اصلی وجہ وہ ہی تھی جو ہم نے بیان کی۔

Presented by www.ziyaraat.net/

ان امیدواران خلافت کے اوصاف بھی حضرت عمر نے خود ہی بتا دیئے - زبیر غضب کے وقت کافر ہیں، طلحہ نخوت و کبر ہے عبدالرحمٰن بن عوف فرعون امت ہے۔ کفر بہت بری شے ہے خواہ غصہ کے وقت ہی ہو، کبر نخوت دنائت کی دلیل ہے اور خداوند تعالیٰ کو مطلقاً پسند نہیں۔ ابلیس محض ایک دفعہ کے کبر سے ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ ہوگیا اور فرعون امت کے تو کیا کہنے علامہ شبلی کہتے ہیں کہ ان بزرگواروں کے متعلق حضرت عمر کی یہ نکتہ چینی بالکل درست تھی۔ یہ بزرگوار ہیں جو خلافت کے امیدوار ٹھہرائے جاتے ہیں۔ قدرتی طور سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ بات تھی تو حضرت عمر نے ان کو امیدواروں کی فہرست ہی میں کیوں رکھا۔ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ مدعا تو فقط یہ تھا کہ حضرت علیؑ تک کسی طرح حکومت نہ چلی جائے اور اس مقصد کے لئے یہ نہایت موزوں تھے۔ لطف یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہو اس فریق ہی میں سے خلیفہ ہوگا۔ اپنے بیٹے عبداللہ کو ثالث مقرر فرماتے ہیں اور یہ ہدایت دیتے ہیں کہ تم ادھر ہونا جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں گویا خلافت کا فیصلہ کرنے والے عبدالرحمٰن ہوئے جس خلافت کو طے کرنے والا فرعون ہو وہ کہیں خلافت الٰہیہ ہو سکتی ہے۔

یہ بھی حضرت عمر نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کو میں اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں کرتا کہ ان کو خلافت کی خواہش ہے یہ منطق بھی قابل صد گونہ ستائش ہے۔ جس شخص کو جس چیز کی خواہش ہو وہ اس کو ہرگز نہ دینی چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ کو چاہیئے کہ جو لوگ اس سے کسی مطلب کے لئے دعا مانگیں وہ ہرگز قبول نہ کرے۔ ہر ایک انسان کی زندگی کی خواہش ہے۔ لہٰذا وہ اس سے سلب کرلے جن جن کو جنت کی خواہش ہو ان کو دوزخ میں ڈال دے۔ جناب رسول خداؐ کی خواہش تھی کہ کفار مغلوب ہوں خداوند تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ ہر ایک جنگ میں کفار کو غالب، آنحضرتؐ کو مغلوب رکھتا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو خلافت کی خواہش تھی تو محض ہدایت خلق کے لئے تھی اس سے ثابت ہے کہ جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے آپ سے کہا کہ میں تمہاری بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم عمر کی شرط قبول کرو یعنی یہ کہ بنو ہاشم میں سے کسی کو حکومت میں حصہ نہ دو تو آپ نے فوراً" انکار کر دیا، پہلے آپ ہی سے پوچھا تھا۔ اگر اقرار کر لیتے تو عثمان تک نوبت بھی نہ آتی۔ آپ نے حق و انصاف کو مدنظر رکھ کر وہ جواب دیا جو

حکومت الٰہیہ کے حاکم کے لئے مناسب تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو میں مستحق سمجھوں گا اور جو خدمت اسلامیہ کے لائق ہوگا اس سے خدمت لوں گا خواہ وہ بنو ہاشم میں سے ہو خواہ ان کے غیر میں سے۔ اگر مستحق کو اس کا حق حکومت میں نہ دیتے۔ تو یہ ظلم ہوتا اور ظلم کے ساتھ آپ حکومت نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ پھر وہ ہدایت خلق نہ ہوتی لہٰذا آپ نے حکومت ہی لینے سے انکار کر دیا۔ بر عکس اس کے حضرت عثمان نے حکومت کے لالچ میں فوراً" ہاں کر دی اور دل میں جانتے تھے کہ ہم اس شرط پر عمل نہیں کریں گے اس وقت ہاں کرکے حکومت تو لے لیں چنانچہ اپنی حکومت کے کسی زمانہ میں انہوں نے مطلقاً" اس شرط پر عمل کرنے کی کوشش تک نہیں کی، شروع ہی سے بنو امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کرنا شروع کر دیا۔ عبدالرحمٰن ابن عوف انکے اس طرز عمل سے اتنے ناراض ہوئے کہ بولنا تک بند کر دیا۔ اور مرتے دن تک بات نہ کی۔ اس ایک ہی واقعہ سے حضرت علیؑ و حضرت عثمان کی شخصیت کا فرق نمایاں ہے۔ حضرت علیؑ نے جھوٹا وعدہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ اور حضرت عثمان نے اس میں کچھ ہرج نہ دیکھا۔ رہ رہ کر ہمیں حضرت عمر کی منطق پر ہنسی آتی ہے۔ کیا انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ حضرت عثمان کو خلافت کی خواہش نہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف سے کیوں نہ کہہ دیا کہ دیکھو اس کو خلیفہ مقرر نہ کرنا جس میں خلافت کی خواہش پائی جائے۔ اگر یہ ایسی بری خواہش تھی تو پھر ایسی خواہش والے کو امیدواران میں کیوں رکھا۔

حضرت عمر نے ہدایت کی تھی کہ جب تک اہل شوریٰ اپنا فیصلہ نہ دے دیں کوئی باہر کا آدمی ان سے گفتگو نہ کرے، برخلاف اس ہدایت کے عبدالرحمٰن بن عوف وہاں سے چلے گئے اور لوگوں کی رائے لیتے رہے۔ تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے، یہ ساری باتیں مجلس شوریٰ کے کانسٹی ٹیوشن (تعمیری بنیاد) کے خلاف تھیں لہٰذا وہاں جو فیصلہ ہوا وہ ناجائز تھا۔

یا یہ غلط محض ہے کہ حضرت عثمان پر اتفاق رائے تھا، یا عبدالرحمٰن نے دریافت ہی بنو امیہ اور ان کے دوستوں سے کیا ہوگا۔ جس طرح اب تک بنو ہاشم نظر انداز ہوتے آئے تھے انہوں نے بھی سنت شیخین کے مطابق ان کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ ورنہ ناممکن تھا کہ بنو ہاشم اور بہت سے حق ہیں۔ صحابہ مثلاً سلمان فارسیؓ، مقداد، ابوذر، عمار، یاسر وغیرہ حضرت علیؑ کے خلاف رائے

Presented by www.ziyaraat.net/

دیتے دیگر روایات میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بیعت کرنے سے پہلے جو عبدالرحمٰن بن عوف نے گفتگو کی اس میں غلط بیانی سے کام لیا امر واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ سے بیعت اس وجہ سے نہیں کی کہ انہوں نے پیروی سنت شیخین کو نہیں مانا تھا اور خطبہ میں بیان کرتے ہیں کہ عثمان کی بیعت اس وجہ سے کرتا ہوں کہ سب لوگ ان کی خلافت پر متفق ہیں۔

اور اگر اس وجہ سے بیعت کی تو یہ اختیارات سے باہر تھا۔ کیونکہ کسی نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ لوگوں سے رائے لیتے پھریں اگر اس طرح رائے عامہ لینی ہوتی تو حضرت عمر ہی نہ لے لیتے یا اس کی ہدایت کر دیتے۔ رائے عامہ لینے کو موجب فساد سمجھ کر حضرت عمر نے اس امر کو چھ آدمیوں کی بحث میں محدود کر دیا تھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ اگر محض حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم ہی کرنا مقصود تھا تو حضرت عثمان کو مقرر کر دیتے اتنی پیچیدہ ترکیب و تجویز کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔

(ا) طبیعت و فطرت انسانی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کچھ ایسی طبائع ہوتی ہیں جو پیچیدگی و مشکل کو پسند کرتی ہیں۔ سیدھا اور صاف راستہ ان کے ناپسند ہوتا ہے حضرت عمر کی طبیعت ایسی ہی تھی۔

(ب) حضرت عمر اور اس زمانہ کے سب لوگ حضرت علیؑ کو حضرت عثمان سے بدرجہا بہتر و افضل سمجھتے تھے اور خلافت کا بہترین حق دار حضرت علی کو جانتے تھے۔ ان کی موجودگی میں عثمان کو نامزد کرکے حضرت عمر اپنے اوپر ایسی صریح ناانصافی کا الزام نہیں لینا چاہتے تھے۔

(ج) حضرت عمر ظاہرداری کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے تھے جانتے تھے کہ حضرت علیؑ کا حق چھینا گیا ہے' لہٰذا الفاظ سے ان کی دل جوئی کرنا اور زبان سے ان کے ساتھ نبھائے رکھنا حضرت عمر کی سیاست کا اہم پہلو تھا۔ تاکہ بنو ہاشم اور ان کے دوست تنگ آمد بجنگ آمد پر مجبور نہ ہو جائیں۔

(د) حضرت کو خیال ہوا کہ اگر وہ حضرت عثمان کو اپنے حکم سے نامزد کر دیں تو شاید بنو ہاشم کسی ترکیب سے اس تجویز کو قائم نہ رہنے دیں۔ بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی رقابت نے حضرت عمر کے

اس خیال کو اور مضبوط کر دیا۔ لہٰذا انہوں نے تجویز سوچی کہ اگر مختلف قبائل کے چار اور آدمی عثمان کی حمایت کے لئے مقرر کر دیئے جائیں تو وہ اور ان کے قبیلے کے لوگ اپنی بات کی پچ کے لئے عثمان کی حمایت کریں گے اور پھر بنو ہاشم کے لئے ان سب کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگا خصوصاً جب کہ ان لوگوں میں عبدالرحمٰن بن عوف جیسے دولت مند اور طلحہ جیسے کبر و نخوت کے پتلے شامل ہوں گے حضرت عمر کی سیاست نے اپنا یہ رنگ اس شیخ نجدی کی عاقلانہ تجویز سے لیا تھا جس نے قبائل قریش کو صلاح دی تھی کہ تمام قبیلوں کے لوگ ایک ساتھ مل کر (حضرت) محمد کو قتل کریں تاکہ بنو ہاشم کے لئے سب سے قصاص خون لینا مشکل ہو جائے۔

(ہ) حضرت ابوبکر کی مثال زیر نظر تھی۔ ان کو حضرت عمر جیسے مشیر و صلاح کار کی سخت ضرورت رہتی تھی۔ اب حضرت عثمان کو اس یک جہتی کے ساتھ سنبھالنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر نے ان کو چار ارکان ایسے دیئے جو محض اپنی بات کو غرض سے اپنے کہے کو کامیاب بنانے کی کوشش کرینگے۔

(و) اگر مد مقابل کی فضیلت عیاں ہے تو پھر دلیل و حجت بجائے نفع پہنچانے کے نقصان پہنچاتے ہیں لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ کے وقت بھی اور اب بھی حضرت عمر نے وہ طریقہ استعمال کیا۔ جس میں منطق و دلیل کی ضرورت ہی نہ ہو۔ یہ کثرت رائے کا ایسا نسخہ ہے کہ اس میں منطق و دلیل بے کار ہو جاتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ کیوں رائے دیتے ہو۔ اپنی مرضی' ہم رائے دیتے ہیں بس معاملہ ختم۔

(ز) لیکن تمام امت میں اس رائے کے مسئلے کو ڈالنے سے حضرت عمر ڈرتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بھی انہوں نے اس پہلو کو بچالیا اور اب بھی چھ آدمیوں کا شوریٰ مقرر کرکے اس کو بچالیا۔ اگر تمام امت کی کثرت رائے پر چھوڑتے تو فضیلت کی بحث چھڑ جاتی اور حضرت علیؑ کی فضیلت کے ساتھ بنی ہاشم کی فصاحت و بلاغت مل کر سارا ہی کام خراب کر دیتی اب تو ان لوگوں کو موقع مل جاتا۔ حضرت ابوبکر کے وقت تو موقع ہی نہیں ملا۔ حضرت عمر نے ایسی تجویز سوچی کہ کثرت رائے کا جو فائدہ تھا وہ تو مل جائے میں اس سے جو اپنے خلاف بات پیدا ہوتی تھی اس سے بچ جائیں۔ صرف ان آدمیوں اور اس معاملہ کو ڈالا جن پر بھروسہ تھا یہ ماننا پڑے گا کہ اس

Presented by www.ziyaraat.net/

زمانہ کی ساری امت محمدیہ میں ایک ایسا دماغ نہ تھا جو حضرت عمر کی طرح ایسی تیر بہدف تجاویز و تدابیر اپنے مطلب حاصل کرنے کے لئے اس خوبی کے ساتھ سوچ سکتا اور عمل میں لا سکتا۔ ہاں ایک دماغ تھا جس کے آگے یہ ساری بھول بھلیاں بازیچہ طفلاں تھیں مگر ڈالینا ارفع و اعلیٰ تھا کہ ایسی ترکیبیں کرنا اپنی شان وفقہ اسلام کے خلافت سمجھتا تھا لہٰذا حضرت عمر دنیاوی بازی لے گئے۔

اب شوریٰ کی ترکیب و ساخت ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نہایت قریبی رشتہ دار تھے۔ حضرت عثمان کے۔ عبدالرحمٰن ابن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کی بہن تھی ماں کی طرف سے۔ سعد بن ابی وقاص نزدیکی رشتہ دار تھے عبدالرحمٰن ابن عوف کے چنانچہ انہوں نے اپنا حق یہ کہہ کر عبدالرحمٰن ابن عوف کے لئے ہبہ کیا تھا کہ میں اپنا حق اپنے ابن عم عبدالرحمٰن کو ہبہ کرتا ہوں۔ علاوہ اس کے سعد بن وقاص کی ماں حمنہ بنت امیہ بن عبدالشمس تھی۔ یوں بھی ان کا رجحان بنو امیہ کی طرف ہونا ضروری تھا۔ طلحہ کو ہمیشہ حضرت علیؑ سے کینہ رہا۔ چنانچہ حضرت علیؑ اپنے مشہور خطبہ شقشقیہ میں فرماتے ہیں۔ **فصفار جل منهم لضعته** یعنی ان میں ایک تو پرانے کینے کی وجہ سے کج ہوگیا۔ ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغہ الجزء اول صفحہ ۶۳۔ طلحہ کی والدہ ماجدہ ابو سفیان کی بیوی رہ چکی تھیں اور خود طلحہ بنی تیم میں سے تھے اور ابوبکر کے ابن عم تھے۔ شرح نہج البلاغتہ الجزء الثانی صفحہ ۴۰۲ انہوں نے فوراً اپنا حق عثمان کو دے کر ان کے لئے راستہ کھول دیا' اس طرح طلحہ و سعد و عبدالرحمٰن اور عثمان تو علیؑ کے خلاف ہی تھے' صرف زبیر رہ گئے' وہ حضرت ابوبکر کے داماد تھے اور ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب' تھیں گویا وہ ادھر بھی تھے اور ادھر بھی تھے جب دیکھا کہ طلحہ نے اپنا حق عثمان کو دے دیا تو ہوش میں آن کر اپنا حق انہوں نے علیؑ کو دے دیا۔ جب عبدالرحمٰن نے عثمان کے لئے کوشش کی تو عبدالرحمٰن کی طرف ہوگئے۔ اس دشمنی کے آثار جو جنگ جمل میں بالکل عریاں ہوگئے۔ اب بھی نمایاں تھے اور حضرت عمر کی دور بین نظریں ادھر پہنچ گئیں۔ یہ لوگ جمع کہاں ہوتے ہیں' مسور بن مخرمہ کے گھر میں جو عبدالرحمٰن بن عوف کی حقیقی بہن کے بیٹے تھے وہ ہی عبدالرحمٰن بن عوف کے کارکن و ایلچی تھے۔ لوگوں کے پاس ان کا پیغام لے جاتے تھے یہ مسور بن مخرمہ حضرت عمر کے خاص مصاحبین و معتقدین میں سے تھے۔ مولوی شبلی کہتے ہیں۔ "مسور

بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمر کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیز گاری و تقویٰ سیکھ جائیں" الفاروق حصہ دوم صفحہ ۲۱۲

یہ تھی شوریٰ کی ترکیب و ساخت اور یہ ترکیب و ساخت' سیاست عمری کا نادر نمونہ تھی۔ تجویز شوریٰ وہ شئے ہے جو حضرت عمر کی سیاست اور اس کے مقصد کو بہت اچھی طرح عریاں کر دیتی ہے۔ ابن خلدون کی روایت سے ثابت ہے کہ پہلے حضرت عمر نے عبدالرحمٰن کو بلا کر تنہائی میں راز کی باتیں کیں۔ وہ ایسی باتیں تھیں کہ جن کے اخفاء پر عبدالرحمٰن سے حضرت عمر نے عہد لیا' اس کے بعد شوریٰ کا اعلان کیا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں کہ جن کے چھپانے کی ضرورت ہوئی اب ہم کو وجہ معلوم ہوئی ہے کہ کیونکر حضرت عمر نے کہا تھا کہ خلیفہ اس پارٹی میں سے ہوگا جدھر عبدالرحمٰن ہوں۔ خلوت میں حضرت عبدالرحمٰن سے کہہ دیا کہ تم عثمان کی طرف ہونا اگرچہ نہایت تاکید کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہہ دیا کہ میں خلافت نہیں چاہتا۔

دوران شوریٰ میں بھی لوگ کہتے رہے کہ عبدالرحمن تم خود خلافت لے لو ہم سب راضی ہیں۔ خلافت تو انہوں نے نہیں لی۔ خلیفہ گرمی لے لی' آخر یہ کیوں۔ یہ اس لئے کہ جو راز کی بات حضرت عمر نے ان سے کہی تھی اس کو پورا کر سکیں۔

وہ بات حضرت عبدالرحمٰن نے اس طرح پوری کی کہ جب دیکھا کہ حضرت عثمان کسی طرح خلیفہ نہیں ہوتے اور معاملہ طول پکڑ گیا' حضرت علیؑ نے جو احتجاج کیا اور جو بحث و دلائل پیش کئے انہوں نے سب کو لاجواب کر دیا' چونکہ وہ لوگ ان دلائل کو توڑ نہ سکے' لہٰذا ان میں سے قوت عمل و ارادہ سلب ہوگئی تو اب عبدالرحمٰن نے یہ تدبیر سوچی کہ لوگوں کی رائے لی جائے اور اس رائے کے پردے میں عثمان سے بیعت کر لی جائے حالانکہ حضرت عمر نے تو یہ تاکید کی تھی کہ جب تک ارباب شوریٰ مشورہ کرتے رہیں اور کسی فیصلہ پر نہ پہنچیں تو کوئی شخص ان کے پاس تک نہ آئے۔ ابو طلحہ انصاری کو مع پچاس نفر انصار کے اسی غرض سے دروازہ مکان پر متعین کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کہیں بنو ہاشم آن کر اپنی دلیری اور اپنی قرابت رسول کی وجہ سے لوگوں کو مرعوب نہ کر لیں۔ اور وہ جو ترکیب حضرت علیؑ کو اقلیت میں رکھنے کی تھی وہ پوری

Presented by www.ziyaraat.net/

نہ ہو سکے۔ لیکن جب عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ معاملہ کسی طرح نہیں سلجھاتا تو انہوں نے اپنی ہی ترکیب الگ نکالی۔ لوگوں میں جانے لگے ظاہر تو یہ کیا کہ آزادانہ رائے لیتے ہیں' دراصل لوگوں کو حضرت عثمان کی طرف رجوع کرنا مقصود تھا۔ لیکن کسی نے عبدالرحمٰن کے اس طرز عمل پر اعتراض نہیں کیا وہ جانتے تھے کہ اگرچہ حضرت عمر نے یہ تجویز مقرر نہیں کی تھی مگر اس تجویز کا مقصد وہ ہی تھا جو حضرت عمر کا تھا لہٰذا خاموش رہے۔

عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے تئیں اس کے لئے آزاد اس طرح سے کرایا کہ خود امیدواری سے علیٰحدہ ہوگئے اور ارباب شوریٰ سے طوعاً" و کرہاً" اپنے تئیں ثالث مقرر کرا لیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کے طرز عمل کو منظور نہیں کیا اور نہ ان کے ثالث بننے کو مانا جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے بہت اصرار کیا تب بھی ایک شرط لگا دی کہ اگر تم ثالث ہونا چاہتے ہو تو اقرار کرو کہ تم کسی کی بیجا رعایت نہ کروگے اور رشتہ داری و دوستی کی وجہ سے انصاف کو نہ چھوڑو گے واقعات بتا رہے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اس شرط کو پورا نہیں کیا بلکہ اس کو منظور کرنے کی ہاں تک نہ کی۔

امیدواری سے علیٰحدہ ہونا بھی ایک معنی رکھتا ہے انہوں نے تو شروع ہی سے خلافت لینے سے انکار کر دیا تھا۔ عیش و عشرت والے انسان کو حکومت کی ذمہ داریوں سے کیا کام' ان کا تو ارادہ ہی نہ تھا کہ خلافت لیں' امیدواروں میں اس وجہ سے شامل ہوگئے کہ حضرت عثمان کو خلیفہ کرا سکیں۔

حضرت عمار بن یاسر نے اس ترکیب کو بھی ناکامیاب بنا دیا اور ظاہر کر دیا کہ حضرت عثمان کی طرف تو چند بنو امیہ کے حوالی موالی ہیں' اس ترکیب کے ناکامیاب ہونے پر عبدالرحمٰن بن عوف کے ترکش کے تو سارے تیر ختم ہوگئے۔ شمس التواریخ کی عبارت سے ثابت ہے کہ "عثمانیوں" نے اپنی ایک جماعت بنائی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان کو کسی نہ کسی طرح خلیفہ مقرر کرایا جائے۔ جب عبدالرحمٰن لاچار ہوگئے تو پھر عمرو بن العاص سے مدد لی گئی۔ انہوں نے وہ ترکیب بتائی جو کارگر ہوگئی۔ سنت شیخین پر چلنے کی ایسی شرط پیش کی کہ جو حضرت علیؑ کبھی قبول ہی نہیں کر سکتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ مذہب کا تعصب کس طرح لوگوں کی آنکھ'

ڈال دیتا ہے اور سوادِ اعظم نے کس طرح ان بزرگوں اکلے طرز عمل سے اغماض کیا ہے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر سے کیوں سنت رسول پر چلنے کا وعدہ نہ لیا اور حضرت عمر سے کیوں سنت رسول اور سیرت ابی بکر کی پیروی کا اقرار نہ کرایا اب کیا ایسی ضرورت پڑ گئی تھی کہ یہ شرط پیش کی گئی۔ صاف عیاں ہے کہ اس کا مدعا تھا کہ علی انکار کریں اور ہم کو ان کے رد کرنے کا بہانہ ملے۔

شوریٰ کی جوازیت حضرت عمر کے حکم پر مبنی تھی اور اس کے اختیارات اور دائرہ عمل کو حضرت عمر نے مقرر کر دیا تھا۔ لہٰذا عبدالرحمٰن یا کوئی اور شخص اپنی طرف سے کوئی شرط نہ بڑھا سکتا تھا نہ کم کر سکتا تھا۔ مثلاً عبدالرحمٰن کے لئے جائز نہ تھا کہ بجائے چھ امیدواروں کے آٹھ مقرر کر لیتے۔ اسی طرح ان کے لئے جائز نہ تھا کہ شیخین کی پیروی کی شرط اپنی طرف سے ایزاد کر دیتے۔ حضرت عمر نے تو یہ شرط مقرر نہیں کی تھی۔ لہٰذا یہ شرط ناجائز ہوئی اور حضرت عثمان خلیفہ ہوئے محض اس شرط کی وجہ سے' لہٰذا حضرت عثمان کی خلافت کی بناء پر ایک ناجائز شرط تھی اور اس وجہ سے وہ خلافت بھی ناجائز ہوئی۔

وہ کون سی فضیلت عبدالرحمٰن بن عوف میں تھی جس کی وجہ سے حضرت خلافت مآب نے فرمایا کہ جس طرف یہ ہوں گے وہ ہی خلیفہ و جانشین رسول ہوگا خود جناب رسولؐ خدا تو فرماتے ہیں کہ حق اس طرف پھرتا ہے جدھر علی ہوتے ہیں ——— ان میں فضیلت تو کجا بقول حضرت عمر یہ تو فرعون امت تھے۔ جب حضرت ان کی خصائل و عادت سے اچھی طرح واقف تھے تو پھر ان کو واحد ثالث خلافت الٰہیہ کے فیصلے کے لئے کیوں مقرر کیا۔ یہ تو خلیفہ گر ہوئے وجہ ظاہر ہے کہ ان ساری کوششوں کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ بنو ہاشم خصوصاً" حضرت علیؑ تک خلافت نہ پہنچے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے فرعون امت ہی موزوں ہو سکتا تھا حضرت علیؑ بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے اور خلافت کے درمیان محض حضرت عمر حائل ہیں' اگر حضرت عمر نہ ہوتے تو خلافت ضرور حضرت علیؑ کو مل جاتی۔ جو صورت حالات حضرت عثمان کے خلیفہ مقرر ہونے کے وقت ہوئی' وہ ان امور پر اور ان لوگوں کی ذہنیت پر اچھی روشنی ڈالتی ہے۔ جب حضرت عثمان کا تقرر عبدالرحمٰن بن عوف نے کر دیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا۔

حضرت علیؑ مکان شوریٰ سے باہر تشریف لائے اور اس وقت ان کے چہرہ پر مظلومیت و رنج

Presented by www.ziyaraat.net/

کے آثار تھے اور وہ عبدالرحمٰن کو مخاطب کرکے کہہ رہے تھے کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اوپر زبردستی کی ہے اور ہم سے ہمارا حق چھین لیا ہے ہمارے لئے صبر کرنا سنت ہوگئی اور حق کو چھوڑنا تمہارے لئے اس پر مغیرہ نے عثمان سے کہا کہ قسم بخدا اگر تمہارے علاوہ کسی اور کی بیعت ہوتی تو ہم ہرگز اس سے بیعت نہ کرتے عبدالرحمٰن نے کہا اسے ابن دباغہ تو جھوٹ بولتا ہے اگر عثمان کے علاوہ کسی اور کی بیعت کی جاتی تو تو اس سے وہ کہتا جواب عثمان سے کہہ رہا ہے کیونکہ اس خوشامد سے تیرا مقصد تقرب و طمع دنیوی حاصل کرنا ہے۔ ---- شعبی کہتے ہیں کہ جب بعد بیعت عثمان اپنے گھر میں داخل ہوئے تو تمام بنو امیہ ان کے ساتھ گھر میں بھر گئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا ابوسفیان نے کہا کہ کیا اس وقت یہاں کوئی غیر بھی ہے انہوں نے کہا کہ نہیں اس پر ابوسفیان نے کہا کہ اے بنو امیہ اب موقعہ ہے حکومت سے خوب اچھا طرح لوٹ لو کیونکہ قسم ہے اس کی جس کی قسم ابوسفیان کھایا کرتا ہے نہ عذاب ہے نہ حساب نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ حشر ہے نہ قیامت ------ عوانہ شفیق بن مسلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ اپنے گھر کی طرف چلے تو اپنے اقرباء سے کہا کہ اے بنی عبدالمطلب تمہاری قوم قریش تمہارے ساتھ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایسی ہی عداوت رکھتی ہے۔ جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں رکھتی تھی اور اگر ان کی اطاعت کی جائیگی تو وہ کبھی تمہیں حاکم نہ بنائیں گے قسم بخدا یہ لوگ حق کی طرف کبھی نہ آئیں گے لیکن تلوار سے عبداللہ ابن عمر اس وقت وہاں آرہے تھے۔ انہوں نے یہ سارا کلام سنا اور کہا کہ اے ابوالحسن کیا تم چاہتے ہو کہ آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کریں اور قتل کریں حضرت علیؑ نے کہا کہ خاموش ہو اگر تیرا باپ نہ ہوتا اور میرے ساتھ وہ ہمیشہ سے قول و فعل میں دشمنی نہ کرتا تو عثمان یا ابن عوف یا کوئی اور خلافت میں میرے ساتھ تنازعہ نہ کرتے۔

ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغتہ الجزءالثانی صفحہ ۴۱۰، ۴۱۱

حضرت عمر کی یہ شرط کہ ممبران شوریٰ میں سے جو اکثریت کے خلاف ہو اسکی گردن اڑا دی جائے اپنے میں بہت سے راز مضمر رکھتی ہے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے ایسی ترکیب و ساخت شوریٰ کی رکھی تھی کہ حضرت عثمان اکثریت میں رہیں اور خلافت ان ہی کی

طرف جائے حضرت عمر اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ عثمان ہی اکثریت کے ساتھ خلیفہ ہوں گے اور علیؑ ان کے خلاف ہوں گے پھر یہ شرط کہ جو اکثریت کے خلاف ہو اس کی گردن اڑا دی جائے حضرت علیؑ کے قتل کا فتویٰ دینے کے مترادف تھی ظاہر ہے کہ جب حق کو اس طرح ضائع ہوتے دیکھیں گے تو حضرت علیؑ سے نہ رہا جائے گا اور وہ بیعت عثمان سے انکار کریں گے اس انکار کو مد نظر رکھ کر حضرت عمر کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ مگر حضرت عمر کی پالیسی ایسی دور رس اور نتیجہ خیز تھی کہ آخر کربلا کے میدان میں بار آور ہو کر رہی۔ یزید نے اپنی طرف سے کسی جدید خیال یا نئی تجویز کی ابتدا نہیں کی اس نے فقط حضرت عمر کے اس اصول کی پیروی کی ہے۔ معلوم نہیں یہ شرط فقہ اسلامی کے کس اصول میں آتی ہے۔ محض خلاف رائے رکھنے سے قتل کا مستوجب وہ ہو گیا۔ جو ابھی ابھی خلافت کا امیدوار تھا۔ کیا ناکامیاب امیدوار کے لئے اصول جمہوریت میں یہ ہی سزا مقرر کی گئی ہے ہاں اگر وہ فتنہ و فساد پیدا کرے تو وہ کیا ہر شخص فتنہ و فساد پیدا کرنے والا مستوجب قتل ہے۔ لیکن حضرت عمر کا تو حکم تھا کہ وہیں یہ معلوم کرتے ہی کہ یہ اکثریت کی رائے سے اختلاف کرتا ہے فوراً" اس کو قتل کر دو۔

صہیب رومیوں کے غلام تھے جن کو عبداللہ بن جذعان التیمی نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

ابن عبدالبر۔ الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغتہ الجزءالثانی صفحہ ۴۹۰۔

حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ جب تک ممبران شوریٰ خلیفہ سازی میں مصروف رہیں صہیب امت اسلامیہ کی امامت نماز ادا کریں۔ جب تک اس کی ضروت نسخہ خلیفہ سازی میں تھی تو امامت نماز ایک عظیم الشان شئے قرار دی گئی جس کی بناء پر حضرت ابوبکر کے لئے ایک فضیلت عظیم قائم ہوئی۔ جب وہ وقت نکل گیا تو اب امامت نماز کی یہ قدر رہ گئی کہ ایک رومی غلام اس کو ادا کر رہا ہے اس سیاست میں منطق و عدل کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

جن بزرگوار کو خلافت کا اہل سمجھا گیا تھا ان میں ایک (عبدالرحمٰن بن عوف) فرعون امت تھا۔ ایک (طلحہ) نخوت و غرور کا پتلا تھا۔ ایک (زبیر بن عوام) بحالت غضب کافر تھا۔ ایک (حضرت عثمان) اپنے قرابت داروں کی محبت کی وجہ سے عدل۔ کرنے کے ناقابل تھا۔ ان بزرگواروں کی یہ

Presented by www.ziyaraat.net/

ساری صفات حضرت عمر نے خود بیان کی ہیں پھر ان میں کیا صفت تھی جس کی وجہ سے وہ مستحق خلافت سمجھے گئے ہاں ان سب میں ایک بات مشترک تھی اور وہ مخالفت علیؑ تھی اور یہی ایک وہ گراں قدر صفت تھی جس کی وجہ سے یہ بزرگوار اس شوریٰ میں داخل کئے گئے اور تو کوئی صفت حضرت عمر نے ان کی نہیں بتائی۔ یہ کہ جناب رسول خداؐ ان سے بوقت رحلت راضی تھے محض بہانہ ہی بہانہ تھا۔ کیا آنحضرتؐ اور سارے صحابہ سے ناراض تھے۔ انصار کے اتنے خصائل آنحضرتؐ کے منہ سے کتب احادیث میں درج ہیں کیا ان میں سے ایک سے بھی آنحضرتؐ راضی نہ تھے۔ حضرت عمر نے اپنی سیاست کی تحریکات میں عدل و منطق کی طرف سے تو بہت ہی لا پرواہی برتی ہے۔

ایک شرط یہ تھی کہ اگر طرفین اپنی راؤں میں مساوی ہوں تو پھر عبداللہ ابن عمر سرپنچ ہوں گے لیکن ان کو اس طرف ہونا چاہئے جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ یہ نئی قسم کی سرپنچی ہے' اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ یہ تجویز شوریٰ بھی ایک پیچیدہ دماغ سے نکلی ہوئی عجیب شے تھی۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عبداللہ ابن عمر میں کونسی فضیلت تھی جس کی وجہ سے انہیں یہ عجیب الخلقت سرپنچ بننے کا فخر دیا گیا۔ بقول حضرت عمر وہ تو فقہ سے ایسے بے بہرہ تھے کہ عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتے تھے۔ ان کو یہ اعزاز فقط اس وجہ سے ملا کہ وہ ایک خلیفہ کے فرزند تھے خدا کی شان ہے کہ جناب رسول خداؐ کی قرابت داری تو موجب سزا اور خلیفہ کی قرابت داری موجب جزا۔

ایک اور منطق ملاحظہ ہو۔ عبدالرحمٰن ابن عوف امیدوار خلافت بھی مقرر کئے جاتے ہیں سرپنچ بھی ہیں۔ یہ بھی حکم ملتا ہے کہ جس طرف عبدالرحمٰن ہوں اس میں سے خلیفہ ہوں۔ ان میں تین متضاد صفات جمع کی گئی تھیں۔ امیدوار خلافت سرپنچ اور خلیفہ گر' ایسا سیاسی فارمولا کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ وہ اگر خلیفہ ہوسکتے تھے اور امیدوار خلافت بھی ہوسکتے تھے۔ (کیونکہ شوریٰ میں بطور ایک امیدوار کے شامل کئے گئے تھے) تو پھر ان کو خلیفہ ہی کیوں نہ بنا دیا۔ وجہ ظاہر ہے عبدالرحمٰن نے خلیفہ بننے سے شروع ہی سے انکار کر دیا تھا۔ دوران بحث میں انہوں نے اپنے تئیں امیدوار کی حیثیت سے ظاہر نہیں کیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دراصل وہ شوریٰ

میں اس لئے داخل نہیں کئے گئے تھے کہ خلافت کے امیدوار ہیں۔ وہ تو محض حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کے لئے داخل کئے گئے تھے۔ یہی وہ راز کی بات تھی جو حضرت عمر نے ان سے اعلان شوریٰ سازی سے پہلے خلوت میں بلا کر کہی تھی۔

حضرت عمر نے حضرت علیؑ میں مزاح کا نقص نکالا تھا محض جس کی وجہ سے انہیں خلافت سے محروم رکھا گیا۔ اس پر اختصار کے ساتھ کچھ تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہ بہانہ بازی ایسی صاف تھی کہ اس پر کچھ مزید لکھنے کو جی چاہتا ہے تعجب ہے کہ جناب خلافت ماب نے خوش مزاج' خوش خلقی میں کیا عیب دیکھا۔ شاید ان کو خیال نہیں رہا کہ جناب رسول خداؐ میں مزاح لطیف کی صفت بدرجہ تم موجود تھی۔ چنانچہ ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ الترمذی صاحب صحیح نے اپنی کتاب شمائل النبی میں ایک خاص باب رائے ذکر مزاح جناب رسول خدا قرار دیا ہے قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ اپنی کتاب شفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ میں لکھتے ہیں۔

جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا۔ میرے اور جناب رسول خدا ﷺ کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا جب آپؐ مجھ کو دیکھتے تھے تبسم فرماتے تھے آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مزاح کرتے تھے ان سے اختلاط کرتے تھے باتیں کرتے تھے انکے بچوں سے کھیلتے تھے انکو اپنی گود میں بٹھاتے تھے اور غلام و آزاد و لونڈی و مسکین کی دعوت قبول کرتے تھے مدینہ میں مریض کتنی ہی دور ہو اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے اور عذر کرنے والے کا عذر قبول فرماتے تھے۔

سید جمال الدین محدث اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ:۔ جناب رسول خدا ﷺ میں دعابتہ یعنی مزاح کی عادت تھی۔ اپنی اس مزاح کی عادت کی وجہ سے جناب رسول خدا عہدہ رسالت سے برطرف نہیں کئے گئے۔ تو ان کا جانشین اس کی وجہ سے اپنے حق سے محروم کیوں کیا جاتا ہے چونکہ حضرت عمر اس صفت حسنہ سے معریٰ تھے۔ آپ کی طبیعت میں غلظت شدید تھی۔ لہٰذا ان کو یہ خوبی دوسروں میں بھی اچھی نہیں لگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مشاغل سلطنت و تفکرات سیاسیہ میں آنجناب کو فلسفہ حیات پر غور و

Presented by www.ziyaraat.net/

خوض کرنے کا وقت نہیں ملتا تھا ورنہ معلوم ہو جاتا کہ جس کو آپ عیب سمجھ رہے ہیں وہ تو ایک فضیلت عظمیٰ ہے۔ حضرت عمر کو تو بد خلقی و چڑ چڑا پن پسند تھا ممکن ہے کہ کہا جائے کہ مزاح کی ضد تمکنت ہے نہ کہ بد خلقی و چڑا چڑا پن۔ تمکنت بھی تکبر کی چھوٹی بہن ہے اور ہمیشہ اپنی بڑی بہن کے پہلو ہی میں رہتی ہے۔ نہ قرآن میں اور نہ حدیث میں تمکنت کی تعریف کی گئی ہے۔ مزاح و تمکنت دونوں کو دیکھو کن کن جذبات سے مرکب ہیں تمکنت مرکب ہے غرور و بدمزاجی و بد خلقی سے خوش ہو کر ہنسنا اور دوسروں کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہنا اس حالت کے خلاف ہے۔ اپنے تیئں دوسروں سے بہتر اور افضل ظاہر کرنا تمکنت کا ایک ضروری خاصہ ہے ہمیشہ چیں برابرو رہنا اس کی ایک شان ہے اس ہی کو بدمزاجی و بد خلقی کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہر وقت منہ بنائے رہنا اور سر کہ بجبین رہنا دونوں کا جزو و مشترک ہے۔ صحیح دعابہ مرکب ہے جذبات خوش خلقی۔ انکسار حقیقی، صبر بہ مکروہات دنیوی و تسلیم برضائے خداندی سے۔ اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو انکار نہ ہوگا کہ جب تک انسان خوش خلق نہ ہو وہ مزاح صحیح نہیں کر سکتا اور مزاح صحیح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان میں کبر و نخوت نہ ہو اور سب کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہے اور یہ حالت نہیں پیدا ہو سکتی جب تک انسان مکروہات و مصائب دنیا کو انسان کی زندگی کا لازمہ سمجھ کر ان پر صبر حقیقی کرنا نہ سیکھ لے اگر اس میں صبرو رضا کا مادہ پیدا نہیں ہوا تو وہ ہر وقت اپنے سے اور اپنے ماحول سے دل برداشتہ رہے گا اور ایسا آدمی کبھی مزاح نہیں کر سکتا۔ آلام مصائب و تفکرات کے بوجھ سے مغلوب ہو کر چڑچڑا و بدمزاج ہو جانا بہت آسان ہے وہ شخص لائق صد گونہ ستائش ہے جو باوجود ان آلام ومصائب کے اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہے۔ اپنے ایمان و یقین کی وجہ سے دنیا کو ایک گزرنے والی شے سمجھ کر خوش مزاج رہتا ہے یہ ہیں وہ لوگ جو مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ پر یقین کامل رکھ کر تلخ و بد روزگار سے متاثر نہیں ہوتے اور جو صورت پیش آتی ہے اس کو صبرو خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ خوش رہ کر مصائب کو برداشت کرنا یہ ہے اصلی صبر، ورنہ رو رو کر مجبوری کی حالت میں تو ہر ایک کو صبر کرنا ہی پڑتا ہے دنیا کے مکروہات میں سے حضرت علیؑ کو حصہ وافر ملا تھا باوجود ان مصائب کے آپ نے صبر کے ساتھ اپنی طبیعت پر قابو رکھا اور اسے رنج و آلام سے متاثر نہ ہونے دیا۔

جناب امیر علیہ السلام کا مزاح صحیح و مہذب ہوا کرتا تھا اور حق پر مبنی ہوتا تھا۔ ان کی مزاح کی بہت سے مثالیں کتب تاریخ میں درج ہیں۔ دو مثالیں ہم پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر دونوں آپ سے قد میں بلند تھے ایک دن یہ تینوں حضرات ساتھ جا رہے تھے اس طرح کہ درمیان میں علیؑ تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اے علیؑ تم ہم دونوں کے درمیان میں ایسے ہو کہ جیسا لنا میں لام و الف کے درمیان نون ہوتا ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا کہ یہ درست ہے اور اگر میں نہ ہوں تو تم لا ہو یعنی ہیچ ہو۔ کیسی حقیقت کو کیسی عمدہ صورت میں بیان فرمایا ہے۔ ایسی عمدہ صفت و حاضر جوابی شان خلافت کے منافی سمجھی جائے خدا کی شان ہے۔

ایک دفعہ جناب رسول خداؐ اپنے اصحاب کے ساتھ خرما نوش فرما رہے تھے اور ان کی گٹھلیاں حضرت علیؑ کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں جب گٹھلیوں کا انبار حضرت علیؑ کے سامنے لگ گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ دیکھو تم نے میری نسبت کتنی زیادہ کھجوریں کھائی ہیں جناب امیرؑ نے فرمایا حضورؐ والا زیادہ اس نے کھائیں جو گٹھلیوں سمیت کھا گیا۔ اگر ایسے مزاح منافی نبوت و منافی خلافت ہونے لگے تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔

ارباب شوریٰ کو خلیفہ مقرر کرنے کا اختیار فقط حضرت عمر کی طرف سے چند شرائط کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ چونکہ حضرت عثمان کا تقرر ان شرائط کے خلاف ہوا لہذا ناجائز تھا۔ جن امور میں وہ خلاف تھا وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا تھا کہ ارباب شوریٰ حضرت عائشہ کے گھر میں یا اس کے متصل جمع ہوں۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے بھانجے و داماد مسور ابن مخرمہ کا گھر پسند کیا۔ حضرت عمر نے کہا تھا کہ خلیفہ کا انتخاب تین دن کے اندر ہو جائے گویا یہ اختیارات صرف تین دن تک کے لئے ملے تھے اگر ان کو اسی عرصہ میں زیر عمل نہ لا سکے تو پھر امت کا حق ہوگا کہ کل امت میں سے جس کو مناسب سمجھے خلیفہ مقرر کر لے۔ مگر حضرت عثمان کا انتخاب چوتھے دن ہوا۔ جب کہ اس سے پہلے اختیارات ختم ہو چکے تھے۔ حضرت عمر نے باہر کے اثرات سے محفوظ رہنے کی سخت تاکید کر دی تھی۔ چنانچہ پچاس انصار دروازے پر تعینات کر دیئے تھے کہ کسی کو اندر نہ آنے دیں نہ ان کو باہر جانے دیں۔ عبدالرحمٰن نے اس کے خلاف عمل کیا۔ انہوں نے تو گروہ بندی قائم کرنی شروع

Presented by www.ziyaraat.net/

کر دی اس طرح بنو امیہ کو چال بازیوں کا موقع مل گیا۔ حضرت عمر نے فقط اتنا کہا تھا کہ جس طرف عبدالرحمٰن ہوں ان میں سے خلیفہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن نے امیدواروں کی تعداد ہی کم کر دی اور اپنے تیئں باضابطہ واحد ثالث بنا لیا۔ حضرت علیؑ ان کی ثالثی پر راضی ہی نہیں ہوئے لہٰذا عبدالرحمٰن کا فیصلہ ثالثی ناجائز تھا۔ حضرت عمر نے خلیفہ کے اوپر یہ قید نہیں لگائی تھی کہ وہ سیرت شیخین کی تقلید کرے گا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے ایک شرط پیروی سنت شیخین کی لگا دی اور محض اس شرط کی بناء پر حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کر دیا چونکہ یہ شرط اصل ہدایت نامہ عمری میں نہ تھی لہٰذا جو خلیفہ اس کی بناء پر مقرر ہوا وہ ناجائز تھا۔

کیسی جلدی یہ مورخین سچائی کو چھوڑ کر مناظرہ کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس سے مل کر عبدالرحمٰن نے مشاورت کی ہو اور اس نے عثمان کے حق میں رائے نہ دی ہو یہ بات بالکل غلط ہے کیا عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' و عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' امام حسنؑ و امام حسینؑ و دیگر بنو ہاشم سب نے علیؑ کے خلاف اور عثمان کے حق میں رائے دی تھی ' اگر ابن قتیبہ کا لکھنا درست ہے تو عبدالرحمٰن نے مشورہ ہی ان سے کیا ہوگا جو حضرت عثمان کے طرفدار تھے۔ علیؑ کے طرفداروں کو عمداً چھوڑ دیا تو پھر یہ مشورہ کیا ہوا۔

عبدالرحمٰن کی ساری کاروائی و طرز عمل سے ہویدا ہے کہ وہ شروع سے آخر تک عثمان کی طرف داری کرتے رہے ' یہ جانتے تھے کہ بنو امیہ حضرت عثمان کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ طبری اور صاحب شمس التواریخ نے ان کی اس چال بازی کو اچھی طرح منکشف کیا ہے جب بنو امیہ عمرو بن العاص سے ایسی ترکیب کرا سکتے تھے۔ تو انہوں نے ضرور اور لوگوں کو بھی اپنی طرف کرنے کی کوشش کی ہوگی ' بہتیروں کو منت و سماجت سے ' بہتیروں کو روپیہ کا لالچ دے کر بہتیروں سے آئندہ کے لئے وعدہ کرکے رائے حاصل کرتے تھے ' روپیہ کی مدد سے رائے حاصل کرنے کا پتہ شمس التواریخ کے اس فقرے سے چلتا ہے کہ تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے پڑے تھے ' وہ احسان روپیہ ہی کی صورت میں ہوسکتا تھا اور یہاں روپیہ ہی سے مطلب ہے۔

غرضیکہ عبدالرحمٰن نے اس گفتگو اور تعویق سے جو ارباب شوریٰ میں ہوئی۔ یہ نتیجہ نکالہ کہ شاید ان چھ آدمیوں میں عثمان کا منتخب ہونا مشکوک ہو جائے اور یہ کہ عثمان کو میں نے اپنے اثر و رسوخ سے خلیفہ مقرر کر بھی دیا۔ تو اگر مخالفت ہوئی تو شاید اسے کافی حمایت نہ ملے ' لہٰذا انہوں نے یہ تجویز سوچی کہ اول تمام مدینہ کے لوگوں کو عثمان کی طرف کر دیا جائے اور بنو امیہ کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنی خاص صفات چال بازی و مکر کا استعمال کرکے لوگوں کو عثمان کی طرف کرائیں ' اس مقصد کو مدنظر رکھ کر آپ مدینہ کے گلی کوچوں میں پھرتے رہے اور اس ہی مطلب کو ملحوظ خاطر رکھ کر آپ نے مسجد میں لوگوں کا اجتماع کرایا اور وہاں ایک ایسی چال کے ذریعے سے حضرت عثمان کی بیعت کرائی جس کی مکاری ظاہر ہے۔ ناجائز اور ناانصافانہ کاروائی ایک مجمع کے شور و غوغا کے اندر ہی کامیاب ہوسکتی ہے۔ چھ آدمیوں کی بحث و تمحیص کے اندر اس کا چلنا ذرا مشکل تھا۔ لہٰذا عبدالرحمٰن نے حضرت عمر کی تجاویز و ہدایات کے خلاف عمل کرنا گوارا کیا' مگر عثمان کا موقعہ نہ کھونا چاہا۔ حضرت عمر کی ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ ان چھ آدمیوں کی رائے سے خلیفہ مقرر ہو۔ جب عثمان اس طرح کامیاب نہ ہوسکے تو ان ہدایات کے خلاف عبدالرحمٰن خود ساختہ ثالث بن گئے۔ تاکہ حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کر سکیں ابن خلدون لکھتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے امراء لشکر و اشراف مدینہ سے استصواب کیا اور ان سے رائے کی۔ یہ طریقہ بھی حضرت عثمان کی خاطر اختیار کیا گیا۔ امیر لوگ تو امیروں ہی کی طرف ہوں گے اسلام میں ابھی تک تو امیری و غریبی کی تخصیص نہیں ہوئی تھی اور امیری کو طرہ امتیاز نہیں ملا تھا اور لشکریوں کو بھی آنحضرتؐ کے زمانہ تک کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہوا تھا۔ دنیا کی تاریخ بتا رہی ہے کہ لشکر کے آدمی اس کو حاکم مقرر کیا کرتے ہیں۔ جس سے روپیہ کے ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اشراف و امراء لشکری سب جانتے تھے کہ حضرت علیؑ کی دیانتداری ایمانداری انصاف پسندی سے یہ امید نہیں کہ ان کے عہد میں مٹھیاں گرم ہوں یہ توقع تو حضرت عثمان ہی کی امیرانہ طبیعت سے ہوسکتی تھی لہٰذا ان لوگوں نے خود بھی حضرت عثمان کی طرف رائے دی اور کوشش کی کہ اور لوگ بھی ان ہی کی طرف ہوں اور یہی مقصد عبدالرحمٰن بن عوف کا تھا۔

Presented by www.ziyaraat.net/

جب تمام لوگوں سے رائے لے چکے اور ان کو مساوی پایا تو پھر زبیر و سعد سے مشورہ کیا۔ کہ علیؑ و عثمانؓ میں کس کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ ان دنوں نے متفق اللفظ ہو کر حضرت علیؑ کے حق میں رائے دی۔ اگر عبدالرحمٰن انصاف و اکثریت کے دلدادہ تھے تو یہ بہت اچھا موقعہ تھا حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کر سکتے تھے۔ اگر سچے دل سے صلاح لی تھی تو اس پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ ان کا اصلی مقصد نہ تھا۔ جب حضرت علیؑ کا موقعہ آتا تھا تو اسے فروگذاشت کر جاتے تھے اور پھر حضرت عثمان کے حق میں تجاویز تلاش کرنے کی فکر میں لگ جاتے تھے۔ اسی طرح ایک اور موقعہ جب حضرت علیؑ کے لئے آیا تو انہوں نے اس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ یہ وہ موقعہ تھا کہ مسجد میں مجمع ہوا۔ اور عبدالرحمٰن نے لوگوں کو عام دعوت دی تھی کہ جس کو خلیفہ چاہتے ہو۔ اس کی طرف اشارہ کر دو۔ عمار بن یاسر نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا اور سب لوگ خاموش رہے ان کی خاموشی بمنزلہ رضا مندی کے تھی۔ وہ موقعہ تھا کہ حضرت علیؑ کی بیعت کر لی جاتی مگر عبدالرحمٰن خاموش رہے اور بنو امیہ کے کیمپ کی طرف نگراں تھے لیکن حضرت علیؑ کے حق میں اتنا کثیر مجمع تھا کہ ان کو بھی یک لخت جرأت نہ ہوئی۔ آخر کار ابن سرح اموی نے کہا کہ اگر تفرقہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عثمان کو پسند کرتا۔ اس کے ان ڈرتے ہوئے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مجمع کی اکثریت حضرت علیؑ کے حق میں تھی اور عثمان کو پسند کرنے میں تفرقہ ہوتا تھا۔ لیکن یہ بات عبدالرحمٰن کی طبیعت کے موافق نہ تھی کہ علیؑ خلیفہ ہوں۔ لہٰذا اب بھی خاموش رہے اور اب ایک اور چال سوچی۔ جو چل گئی۔ وہ چال عبدالرحمٰن نے خود سوچی یا عمرو بن العاص کی سوچی ہوئی چال کو پسند کر کے اختیار کر لیا ایک ہی بات ہے۔ اگر گروہ اہل حکومت یہ کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص کی اس چال کو عبدالرحمٰن نہیں سمجھے تو یہ محض ان کی خوش اعتمادی ہے' یا اس سے امرواقعہ کو چھپانا مطلوب ہے۔ عبدالرحمٰن ایسے بیوقوف نہ تھے اور چال بہت گہری نہ تھی کہ وہ نہ سمجھتے۔ اس بات کو بھی عقل سلیم گوارا نہیں کرتی جو صاحب شمس التواریخ کہتے ہیں کہ اپنی اس مکارانہ تجویز کو عمرو بن العاص لے کر حضرت علیؑ کے پاس پہنچے اور حضرت علیؑ اس کے منشاء کو نہ سمجھ سکے عمرو بن العاص بڑا معاملہ فہم اور مردم شناس شخص تھا۔ اور وہ حضرت علیؑ کی ذہانت اور فراست سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اس میں اتنی جرأت کہاں تھی کہ وہ اپنی اس

مکارانہ تدبیر کو حضرت علیؑ کے سامنے پیش کرتا۔ کیا وہ نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ بہت سے سوال اٹھیں گے جن کا جواب وہ نہیں دے سکے گا مثلاً" تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن کل یہ سوال کریں گے کیا تم عبدالرحمٰن کے مشوروں میں شامل تھے جس سے ہم علیٰحدہ ہیں یا کیا کوئی خفیہ کاروائی ہو رہی ہے جس کی خبر تم کو ہے ہم کو نہیں ہے۔ عثمان سے تم کو کیا رنج پہنچا ہے اور ہماری خیر خواہی کا خیال تم کو کیوں دامن گیر ہوا جو وہاں کی خفیہ کاروائیوں کو اس طرح طشت از بام کر رہے ہو اور ان لوگوں کے نزدیک جن کے ساتھ تم شروع سے اب تک رہے ہو اپنی پیشانی پر غداری کا داغ لگوانا چاہتے ہو۔ حضرت علیؑ کا جواب عمرو بن العاص کے سمجھانے بجھانے پر موقوف نہ تھا بلکہ یہ صاف عیاں ہے کہ اس سوال کا جواب سوائے نفی کے حضرت علیؑ کیا دیتے۔ کتاب اللہ و سنت رسولؐ کی پیروی تو سر آنکھوں پر اور وہ حضرت علیؑ نے مان لی۔ مگر ان کو اس سوال میں فقط زینت کے لئے شامل کر لیا گیا۔ مقصود خلفاء سابقین کی پیروی سے تھا۔ ان دونوں خلفاء کی پیروی وہ کرے جو ان سے علم و فضل میں کم تر ہو۔ وہ دونوں خود تو اپنی مشکلوں میں مشکلکشا کی طرف رجوع کریں۔ حضرت عمر کہیں **لو لا علی لهلک عمر** اور اب یہ وقت آگیا کہ حضرت علیؑ سے کہا جاتا ہے کہ ان کی پیروی کرنا۔ وہ سب جانتے تھے کہ اس کا جواب حضرت نفی میں دیں گے اور اس طرح ہمارا مطلب حاصل ہو جائے گا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کہ حضرت عثمان کی طرح زبان سے ہاں کر دیتے اور پھر وقت نکل جاتا تو اس پر عمل نہ کرتے حضرت علیؑ کی شان اس سے بہت اعلیٰ وارفع تھی۔ اس بات کا ثبوت کہ عبدالرحمٰن نے اسکو علیؑ کے نکالنے کی ایک ترکیب سمجھ کر استعمال کیا تھا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ پہلے تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! خاموش ہو جاؤ۔ میں نے اپنے دل میں خلیفہ مقرر کر لیا ہے۔ تم ذرا ٹھہرو اس کہنے کے بعد اور اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لینے کے بعد عبدالرحمٰن نے یہ سوال پیش کیا وہ جانتے تھے کہ علیؑ انکار کریں گے اور وہ شخص مان لے گا۔ جس کو میں نے خلیفہ مقرر کر لیا ہے۔ حضرت علیؑ سے یہ سوال پہلے کیوں کیا گیا؟ مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؑ کے انکار سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی طرف سے یک گونہ کدورت پیدا ہو جائے اور پھر عثمان کے اقرار کر لینے سے ان کی قدر و منزلت و محبت لوگوں کے دلوں میں ایک فوری جذبہ کی طرح پیدا ہو جائے۔ اور اس

Presented by www.ziyaraat.net/

جذبہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً" ہی ان سے بیعت کرلی جائے۔

غرضکہ ثابت ہوا کہ تجویز شوریٰ بھی حضرت عمر کے مقصد سیاست کے حصول کی تدابیر میں سے ایک تدبیر تھی اس سے اسلام میں کیا خرابیاں پھیلیں اور اسلام کو کیا نقصان ہوا؟

(البلاغ المبین جلد ۲ ص ۱۷۷)

تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ سلخ ذی الحجہ روز شنبہ کو حضرت عمر نے رحلت فرمائی اور شرح فقہ اکبر ملا قاری میں ہے کہ (جب بعد وفات حضرت عمر ان کی ہدایت کے موافق کمیٹی شورہ منعقد ہوئی تو) ممبروں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو اختیار دیا کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کریں تو عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر تین بار پوچھا کہ اگر ہم تم کو ولی امر اور امام قرار دیں تو تم کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور سیرت ابوبکر و عمر پر عمل کروگے؟ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ قرآن اور سنت رسولؐ پر تو عمل کرونگا لیکن (بجائے سیرت شیخین کے) اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کروں گا۔ یہ سنکر عبدالرحمٰن نے تین مرتبہ حضرت عثمان سے پوچھا کہ اگر ہم تم کو امام مقرر کریں تو تم کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اور سیرت شیخین پر عمل کروگے؟ حضرت عثمان نے کہا کہ ہاں ضرور عمل کرونگا۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف نے تین بار پوچھنے کے بعد حضرت عثمان کی بیعت کی اور ان کے بعد اور لوگوں نے تاریخ کامل اور تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ (جب حضرت عثمان کی بیعت کی گئی تو) حضرت علیؑ نے اس معاملہ میں بیعت کا طرز عمل دیکھ کر فرمایا کہ آج یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے ملکر ہم پر غلبہ حاصل کیا۔ خیر صبر بہتر ہے۔ اے عبدالرحمٰن خدا کی قسم تم نے عثمان کی بیعت اسی لئے کی ہے کہ امر امامت تمہاری جانب پھر جائے۔ عبدالرحمٰن بن عوف بولے کہ اے علیؑ تم اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ پس حضرت علیؑ یہ فرماتے ہوئے کہ **سیبلغ الکتاب اجلہ** اس مکان سے باہر نکلے مقداد نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن تم نے علیؑ کو ترک کیا حالانکہ واللہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حق کے ساتھ حکم اور عدل کرتے ہیں۔

نیز تاریخ کامل اور تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ بعد ازاں مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا برتاؤ نہیں دیکھا جیسا اہلبیتؑ نبوت کیساتھ انکے نبیؐ کے بعد کیا گیا مجھے تعجب ہے کہ قریش نے ایسے شخص کو ترک کیا جس سے بڑھ کر نہ میں کسی کو عالم جانتا ہوں نہ اَقضٰے بِالعَدلِ کہہ سکتا

ہوں۔ خدا کی قسم اگر میں ناصر و مددگار پاتا۔ مقداد اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اے مقداد خدا سے ڈرو مجھے خوف ہے۔ کہ کہیں تم پر فتنہ برپا نہ ہو۔ اور مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ عمار نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر کہا کہ اے گروہ قریش جبکہ تم امر خلافت کو اپنے نبیؐ کے اہل بیت سے پھیر کر کبھی یہاں لے گئے اور کبھی وہاں تو ہم کو اس بات سے بھی بے خوف نہ ہونا چاہئے کہ خدا اس امر کو تم سے لیکر تمہارے غیر کو دیدے جیسا کہ تم نے اس کو اس کے اہل سے لیکر اسکے غیر اہل کو دیدیا ہے پھر مقداد نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسولؐ مقبول کے بعد جیسی ایذا ہلبیت رسالت کو پہنچائی گئی ہے ایسی تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اے مقداد تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ مقداد بولے۔ کیوں نہ کہوں کہ میں اہلبیتؑ رسالت کو حب رسولؐ کی وجہ سے دوست رکھتا ہوں اور بے شک حق انہیں کے ساتھ اور انہیں میں ہے۔ اے عبدالرحمٰن میں تعجب کرتا ہوں قریش سے جنہیں تم غلبہ دلانے کی کوشش کرتے ہو اور جو اس بات پر مجتمع ہوئے ہیں کہ رسولؐ کی حجت اور عظمت کو آنحضرت کے بعد ان کے اہلبیتؑ سے چھین لیں۔ اے عبدالرحمٰن آگاہ ہو کہ اگر میں انصار و مددگار پاتا تو قسم خدا کی قریش کے ساتھ اسی طرح قتال کرتا جس طرح میں نے جنگ بدر میں کی ہے اور تاریخ ابن جریر میں ہے کہ عمار بن یاسر نے کہا کہ ایہاالناس خدائے عزو جل نے اپنے دین کے ساتھ ہم کو عزت دی اور اپنے نبیؐ کے سبب سے ہمکو بزرگی عطا فرمائی پس تم امر خلافت کو اپنے نبیؐ کی اہلبیتؑ سے کہاں پھیر رہے ہو۔ اور روضتہ الاحباب میں ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمان کی بیعت کر چکے اور حضار مجلس نے اس باب میں ان کی موافقت کی تو حضرت علیؑ نے تعلل اور تامل فرما کر ارشاد کیا کہ ایہاالناس میں تمکو قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا اصحاب رسولؐ میں میرے سوا کوئی ایک بھی ایسا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موقع مواخاۃ پر اپنا بھائی قرار دیکر اس سے کہا ہو کہ تم میرے بھائی ہو دنیا اور آخرت میں؟ حضار مجلس بولے کہ کوئی نہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ کیا میرے سوا کوئی تم میں ایسا ہے جس کی شان میں رسول مقبولؐ نے فرمایا ہو کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا مولا یہ بھی ہے؟ سب نے کہا کہ ہرگز نہیں حضرت علیؑ نے کہا کہ کیا میرے لئے اسی منزلت پر ہو جس منزلت پر موسیٰؑ کے لئے ہارون تھے؟ صحابہ حضار نے کہا کہ نہیں۔ حضرت علیؑ

Presented by www.ziyaraat.net/

نے کہا کہ کیا میرے سوائے تم میں کوئی ایسا ہے جس کو جناب رسالتمابؐ نے تبلیغ سورہ براۃ پر مقرر و موتمن فرما کر یہ ارشاد کیا ہو کہ امر رسالت کو سوا میرے یا ایسے شخص کے جو میری عترت سے ہو ادا نہیں کر سکتا؟ سب بولے کہ کوئی نہیں۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ سید بشیر و شفیع روز محشر نے اکثر سریوں میں جملہ مہاجرین اور انصار پر مجھے امیر کر کے بھیجا اور ان کو میری متابعت کا حکم دیا ور مجھ پر کبھی کسی کو امیر نہیں کیا؟ حاضرین بولے کہ بیشک ایسا ہی ہے حضرت علیؑ نے کہا تم واقف ہو کہ سید المرسلین مجمع علم اولین و آخرین نے میرے علم کے اعلام کو بلند فرما کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ **انا مدینۃ العلم و علی بابھا** سب نے کہا کہ بیشک ہم جانتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے کہ اکہ اصحاب رسولؐ نے اکثر آنحضرتؐ کو میدان جنگ کے خطرناک مقام میں درمیان اعدا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی ہے مگر میں نے کبھی کسی خوفناک معرکے میں آنحضرتؐ سے تخلف نہیں کیا اور اپنی جان کو آنحضرتؐ کی جان عزیز و جسم مقدس پر فدا کرنے کے لئے موجود رہا۔ سب نے کہا کہ درحقیقت ایسا ہی ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ جس نے سب سے پہلے دائرہ ایمان و اسلام میں قدم رکھا میں ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم جانتے ہیں۔ پھر حضرت علیؑ نے پوچھا کہ ہم سب میں کون شخص از روئے نسب کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قریب تر ہے؟ سب نے متفق اللفظ عرض کیا کہ بیشک رسولؐ کیساتھ تمہارا مرتبہ اقربیت و قرابت ہر طرح ثابت و مسلم راسخ و محکم ہے۔ حضرت علیؑ یہ تقریر کر رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا اے ابوالحسن جن فضائل کو تم نے گنایا اور بیان کیا ان کے اقرار و اعتراف سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مگر چونکہ اب اکثر لوگوں نے عثمان کی بیعت کی ہے لہذا متوقع ہوں کہ تم بھی ان سب کے ساتھ موافقت کرو گے حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ واللہ تم خوب جانتے ہو کہ مستحق خلافت کون شخص ہے لیکن افسوس ہے کہ جان بوجھ کر اس سے اعراض کرتے ہو۔ اور تاریخ ابن جریر میں ہے کہ پھر حضرت علیؑ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی **اتقوا اللّٰہ الذی تسائلون بہ والارحام ان اللّٰہ کان علیکم رقیبا** یعنی اس خدا سے ڈرو جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ نیز خوف کرو قطع رحم سے بیشک خدا تمہارے افعال کا نگران ہے۔

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ حضرت عثمان کی بیعت خلافت ۳ محرم ۲۴ھ کو ہوئی ان کے والد کا نام عفان۔ دادا کا نام ابی العاص اور پر دادا کا نام امیہ تھا۔

کتاب استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ حضرت عثمان متوسط القامت اور خوبرو تھے اور تاریخ الخمیس و ریاض النضرہ میں ہے' کہ ان کا رنگ گندمی تھا' ڈاڑھی لمبی اور گھنی تھی اور بالوں کی کثرت اور ڈاڑھی کی مشابہت سے حضرت عثمان کو ان کے مخالفین نعثل کہا کرتے تھے کیونکہ نعثل ایک لمبی ڈاڑھی والے آدمی کا نام تھا (جو کہ یہودی تھا)

تاریخ مروج الذہب میں ہے کہ حضرت عثمان کے آٹھ بیٹے تھے۔ عبداللہ' عمرو' ابان' خالد' سعید' ولید' مغیرہ اور عبدالمالک اور تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ حضرت عثمان پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نماز جمعہ کیلئے اذان اول کی زیادتی فرمائی۔ اور کتاب الوسائل فی معرفتہ الاوائل میں ہے کہ حضرت عثمان پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے عید میں نماز پر خطبے کو مقدم کیا۔ اور تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت عثمان ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے قرآن کو جمع کیا۔ اور ان سے رسول اللہؐ کی ایک سو چھیالیس حدیثیں مروی ہیں۔

علامہ مسعودی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو ان کے چچا حکم بن العاص اور مروان بن حکم او دیگر بنی امیہ (جو بحکم رسولؐ خارج از مدینہ تھے) حضرت عثمان کے پاس آکر مجتمع ہوگئے۔ اور مروان وہی راندہ درگاہ نبوی تھا۔ جس کو رسول اللہؐ نے مدینہ منورہ سے نکلوا دیا تھا۔ اور مدینہ کے قرب و جوار میں آنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ نیز جو عمال حضر عثمان نے مقرر کیئے ان میں حضرت عثمان کا اخیافی بھائی ولید بن عقبہ بھی تھا جس کے جہنمی ہونے کی خبر جناب رسول خداؐ نے دی تھی۔ ولید بن عقبہ تمام رات اپنے مصاحبین اور ارباب نشاط کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول رہتا تھا اور جب مؤذن نماز کے لئے ولید کو خبردار کرتا تھا تو وہ (اسی طرح مخمور) مسجد میں جا کر لوگوں کو نماز صبح پڑھاتا تھا۔ اور بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھا کر کہتا تھا کہ اگر کہو تو رکعتوں کو اور زیادہ کر دوں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ولید مذکور جب سجدے میں جاتا تھا تو دیر تک پڑا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ "پی اور مجھے بھی پلا" چنانچہ ایک بار جو لوگ اسکے پیچھے پہلی صف میں تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم تجھ پر تو تعجب نہیں کرتے

Presented by www.ziyaraat.net/

لیکن اس پر متعجب ہیں جس نے تجھے ہمارا والی اور امیر کرکے یہاں بھیجا ہے۔ جب ولید بن عقبہ کے فسق اور مداومت شرا بخواری کی خبر مشہور ہوئی تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے جس میں ابو جندب اور ابو زینب بھی تھے مسجد میں آکر ولید پر ہجوم کیا۔ دیکھا کہ ولید تخت حکومت پر نشہ شراب سے بیہوش پڑا ہے لوگوں نے اسکو ہشیار کرنا چاہا۔ جب وہ کسی طرح ہوش میں نہ آیا تو اس کی انگلی سے انگشتری مہر اتار لی اور فورا" مدینے آکر حضرت عثمان سے ولید کی شراب نوشی کا ماجرا بیان کیا۔ حضرت عثمان نے ابو زینب اور ابو جندب سے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ ولید نے شراب پی۔ انہوں نے ولید کی مخموری کے ثبوت میں اس کی انگشتری پیش کرکے کہا کہ اس نے وہی شراب پی جو ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پیا کرتے تھے حضرت عثمان نے ان کو ڈانٹا اور ان کے سینے پر دھکا دیکر فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ اور یہ سن کر وہ دونوں الٹے پاؤں باہر نکل آئے۔

تاریخ کامل میں ہے کہ ۲۵ھ میں اہل اسکندریہ نے اس صلح کے خلاف نقض عہد کیا جو پیشتر باہم قرار پا چکی تھی۔ جب یہ خبر عمرو عاص حاکم مصر کو پہنچی تو وہ ان کی جانب روانہ ہوئے اور ادھر سے مخالفین مقابلے کو نکلے دونوں فریق میں جنگ شدید ہوئی او رمخالفین نے شکست پائی۔

اور تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ ۲۶ھ میں حضرت عثمان نے عمرو بن عاص کو حکومت مصر سے معزول کرکے اس کی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو حاکم مقرر کیا۔ اور یہ وہی شخص ہے جس کا قتل رسولؐ مقبول نے بروز فتح مکہ مباح کر دیا تھا۔

تاریخ کامل میں ہے کہ اسی سال حضرت عثمان نے لوگوں کے ساتھ حج کعبہ ادا فرمایا اور مسند ابو داؤ و طیالسی میں مروان ابن الحکم سے مروی ہے کہ میں نے (حج کے موقع پر) عثمان اور علی کو دیکھا۔ عثمان لوگوں کو متعتہ الحج سے منع کر رہے تھے جب یہ حال علی نے مشاہدہ کیا تو حج اور عمرہ کی تہلیل ایک ساتھ ادا کی اور فرمایا لبیک لحجتہ و عمرۃ معا" عثمان نے کہا کہ میں لوگوں کو جس بات سے منع کرتا ہوں تم وہی کرتے ہو۔ علیؑ نے جواب دیا کہ میں کسی کے کہنے سے سنت رسول اللہؐ کو ترک نہ کروں گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے۔

مورخ ابوالفدا لکھتا ہے کہ اسی سال حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں افریقہ فتح ہوا پھر

۲۷ھ کے ختم ہونے پر ۲۸ھ میں معاویہ نے حضرت عثمان کی اجازت سے جنگ بحر کیلئے قبرس کیجانب لشکر بھیجا اور اسی غرض سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی مصر سے روانہ ہوا۔ اور بعد مقاتلہ مخالفین نے جزیئے پر صلح کرلی۔ اور ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے ابوموسےٰ اشعری کو حکومت بصرہ سے معزول کرکے ان کی جگہ اپنے خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا۔

تاریخ کامل میں ہے کہ ۳۰ھ میں ابوذر غفاریؓ کا واقعہ پیش آیا۔ مورخ ابن واضح تاریخ یعقوبی میں لکھتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمان کو اطلاع دی کہ ابوذر غفاریؓ مسجد نبوی میں بیٹھ کر آپ پر طعن کیا کرتے ہیں نیز انہوں نے باب مسجد پر توقف کرکے یہ تقریر کی ہے کہ "**ایھاالناس** جو شخص مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہ جانتا ہو وہ جانے کہ میں ابوذر غفاریؓ ہوں۔ میرا ہی نام جندب بن جنادہ ربذی ہے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل عمرانؑ کو اہل عالم پر برگزیدہ کیا ہے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم حضرت آدمؑ اور ان تمام فضائل کے وارث ہیں جن سے انبیاءؑ کو فضیلت حاصل ہوئی ہے اور علی بن ابیطالبؑ رسول مقبولؐ کے وصی اور وارث علم ہیں اسے امت حیران اگر تم اپنے نبیؐ کے بعد اسکو مقدم کرتے جس کو خدا نے مقدم کیا ہے اور اس کو مؤخر کرتے جس کو خدا نے موخر کیا ہے اور حکومت و وراثت کو اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ میں قرار دیتے تم کو تمہارے سروں کے اوپر اور قدموں کے نیچے سے بیشمار نعمتیں حاصل ہوتیں اور کوئی خدا کا دوست فقیر و محتاج نہ ہوتا اور کوئی حصہ فرائض خدا کا بیکار نہ جاتا اور کبھی دو شخص حکم خدا میں اس وجہ سے اختلاف نہ کرتے کہ اس حکم کا علم اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ کے پاس مطابق کتاب خدا و سنت رسولؐ موجود پاتے لیکن جبکہ تم نے کیا جو کچھ کیا تو اب اپنے کردار کے وبال کا مزہ چکھو اور قریب ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ جان لیں گے کہ ان کی جائے بازگشت کس طرف ہے۔" نیز تاریخ مذکور میں ہے کہ حضرت عثمان کو یہ خبر بھی پہنچائی گئی کہ انہوں نے سنت رسول اور سنت ابوبکر و عمر میں جو تغیر و تبدل کیا ہے ابوذر اس کا شکایت آمیز ذکر لوگوں سے کیا کرتے ہیں۔ ان اخبار کو سن کر حضرت عثمان نے ابوذر کو شام میں معاویہ کے پاس بھیج دیا تو معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا کہ ابوذر کے یہاں اکثر لوگ جمع ہوتے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ ابوذر ان لوگوں کو آپ کی مخالفت پر برا نگیختہ کرینگے لہٰذا اگر آپ کو قوم کا انقیاد مطلوب ہو تو

Presented by www.ziyaraat.net/

ابوذر کو وہیں بلا لیجئے۔ حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ بہتر ہے ابوذر کو یہاں پہنچا دے معاویہ نے حضرت ابوذر کو ایک ایسے اونٹ پر سوار کرکے روانہ کیا جس کا پالان بالکل کھرا اور تکلیف دہ تھا۔

تاریخ ابن واضح (ونیز تاریخ مسعودی) میں ہے کہ حضرت ابوذر مدینے میں اس حالت سے پہنچے کہ ان کی دونوں رانوں کا گوشت نکل گیا تھا۔ جب ابوذر عثمان کے دربار میں حاضر کئے گئے تو حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم نے لوگوں سے رسول اللہؐ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ جس وقت بنی امیہ کے مردوں کی تعداد تیس پوری ہوگی اس وقت وہ خدا کے بلاد کو مال غنیمت اور خدا کے بندوں کو لونڈی غلام سمجھیں گے اور خدا کے دین کو مکاری کے طور پر اختیار کرینگے؟ ابوذر نے جواب دیا کہ ہاں میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت عثمان نے حضار دربار سے پوچھا کہ آیا تم نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہتے ہوئے سنا؟ اس کے بعد حضرت علیؑ کو بلا کر ان سے دریافت کیا کہ اے ابوالحسنؑ تم اس حدیث کی تصدیق کرتے ہو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ اس کی شہادت کیا ہے حضرت علیؑ نے کہا کہ رسول اللہؐ کا یہ قول کہ "زیرِ فلک اور بالائے زمین ایسا کوئی ذی نطق نہیں ہے جو ابوذر سے زیادہ صادق القول اور حق گو ہو۔" اس واقعہ کے بعد حضرت ابوذر چند ہی روز مدینے میں رہنے پائے تھے کہ حضرت عثمان نے ان سے کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم تم مدینے سے نکال دیئے جاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم مجھے حرم رسول اللہؐ سے خارج کروگے۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ہاں۔ ابوذر نے دریافت کیا کہ کیا مجھے مکے بھیجو گے۔ کہا نہیں۔ پوچھا بصرہ بھیجو گے۔ کہا نہیں۔ پوچھا کوفے بھیجوگے۔ کہا نہیں بلکہ تم کو صحرائے ربذہ میں بھیجوں گا جہاں سے تم مرکر نکلو گے۔ پھر مروان کو ابوذر کے نکالنے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ کوئی شخص ان کے قریب نہ آئے اور ان سے کلام نہ کرے۔ پس مروان نے ابوذر اور ان کی لڑکی کو ایک اونٹ پر سوار کرکے مدینے سے باہر کیا۔

تاریخ مروج الذہب میں ہے کہ جب ابوذر بحالت کذائی مروان کی سپردگی میں مدینے سے نکالے گئے تو ان کے پاس حضرت علیؑ مع فرزندان والا دودمان و عقیل و عبداللہ بن جعفر تشریف لائے۔ مروان نے ان کو روکا اور کہا کہ اے علیؑ اگر تم ناواقف ہو تو واقف کرتا ہوں کہ امیرالمومنین عثمان نے لوگوں کو ابوذر کی مصاحبت اور مشائعت سے منع کیا ہے یہ سنکر حضرت علیؑ نے مروان کی سواری کے جانور کو ایک چابک رسید کیا اور مروان سے کہا کہ دور ہو۔ خدا قہار تجھے نار جہنم کی طرف لیجائے یہ کہکر حضرت علیؑ ابوذر کے ساتھ ہولئے اور جس وقت ان کو وداع کرکے لوٹے تو انہوں نے رو کر کہا کہ اے اہلبیت نبوت خدا تم پر رحمت کاملہ نازل فرمائے اے ابوالحسنؑ میں تم کو اور تمہارے فرزندوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے جناب رسول مقبولؐ یاد آجاتے ہیں۔ جب مروان ابوذر کو نکال کر واپس آیا تو اس نے حضرت عثمان سے حضرت علیؑ کی شکایت کی حضرت عثمان نے کہا کہ وہ مسلمین کون شخص علیؑ کی جانب سے اس کے متعلق معذرت کرے گا انہوں نے مروان کو میرے حکم سے باز رکھا اور ایسا برتاؤ کیا جیسا مروان بیان کرتا ہے قسم خدا کی میں بھی علیؑ کے ساتھ وہی کرونگا جس کے وہ مستحق ہیں۔ جب حضرت علیؑ ابوذر کو وداع کرکے مکان پر واپس آئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ امیرالمومنینؑ تم پر غضبناک ہیں کہ تم نے ابوذرؓ کی مشائعت کی۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ ان کا غضبناک ہونا "غضب الخیل علی اللجم" کا مصداق ہے۔ جب شب کو حضرت علیؑ اور حضرت عثمان سے ملاقات ہوئی تو حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ تم نے کس وجہ سے مروان کو شکایت کا موقع دیا۔ اور اس بات کی جرأت کی کہ میرے قاصد اور حکم کو روکا؟ حضرت علیؑ نے کہا کہ جب مروان نے میرے روکنے کا ارادہ کیا تو میں نے بھی اس کو اسکے ارادے سے روکا تمہارے حکم کو نہیں روکا۔ حضرت عثمان نے کہا کہ کیا تمہیں یہ خبر نہ تھی کہ میں نے لوگوں کو ابوذر کی ملاقات اور مشائعت سے ممانعت کی ہے حضرت علیؑ نے کہا کہ اگر تمہارا حکم طاعت خدا اور امر حق کے خلاف ہو تو کیا میں اس کا بھی اتباع کروں؟ واللہ میں ایسا ہرگز نہ کرونگا حضرت عثمان نے کہا کہ تم نے مروان کے اونٹ کے سر پر چابک مارا۔ حضرت علیؑ بولے کہ یہ میرا اونٹ موجود ہے اگر مروان چاہے تو اسکے سر پر بھی چابک لگائے لیکن دیکھو واللہ اگر مروان میرے نسبت کوئی ثقیل کلمہ زبان سے نکالے گا تو میں ویسا ہی کلمہ تمہاری نسبت

Presented by www.ziyaraat.net/

استعمال کروں گا اور وہ جھوٹ نہ ہوگا۔ بلکہ حق ہوگا۔ حضرت عثمان بولے کہ جب تم مروان کو برا کہو گے تو وہ بھی تم کو برا کہے گا میرے نزدیک تم اس سے افضل نہیں ہو یہ سن کر حضرت علیؑ نے غیظ میں آکر فرمایا کہ تم مجھ سے ایسا کہتے ہو اور میرا مقابلہ مروان سے کرتے ہو خدا کی قسم میں تم سے افضل ہوں اور میرے باپ تمہارے باپ سے افضل ہیں اور میری ماں تمہاری ماں سے افضل ہیں۔ اس بات پر حضرت عثمان خشمگیں اور لال ہوکر گھر کے اندر چلے گئے اور حضرت علیؑ واپس آئے دوسرے دن جب لوگ حضرت عثمان کے پاس جمع ہوئے تو حضرت نے ان سے حضرت علیؑ کی شکایت کی کہ میری عیب گیری کرتے ہیں اور میرے عیب گیروں یعنی ابوذر و عمار بن یاسر وغیرہ کے مدد گار ہیں۔

تاریخ ابو الفدا میں ہے کہ ۳۱ھ میں یزدجرد بن شہریار بن پروز جو فارس کا آخری بادشاہ تھا فوت ہوا اور اسی سال معاویہ کے باپ ابوسفیان بھی مرے۔ اور تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ ۳۲ھ میں حضرت ابوذر کا انتقال ہوا۔

مورخ ابن واضح اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ جب سے حضرت ابوذر صحرائے ربذہ میں بھیجے گئے وہیں رہے اور وہیں انہوں نے وفات پائی اور جب وقت وفات قریب ہوا تو ان کی لڑکی نے کہا کہ اے باپ میں اس مقام میں اکیلی ہوں اور ڈرتی ہوں کہ تمہاری حفاظت درندوں سے نہ کر سکوں گی۔ ابوذر نے کہا کہ خوف نہ کر عنقریب چند مرد دیندار یہاں آیا چاہتے ہیں۔ ذرا دیکھو تو کوئی ادھر آرہا ہے؟ لڑکی نے کہا کہ نہیں۔ ابوذر بولے کہ ابھی شاید میرا وقت نہیں آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھا کہ کوئی دکھائی دیا۔ لڑکی نے کہا کہ ہاں کچھ سوار آرہے ہیں۔ ابوذر نے فرمایا اللہ اکبر خدا اور اس کا رسولؐ سچا ہے۔ اب میرا منہ قبلہ کی جانب پھیر دے اور جب وہ سوار یہاں پہنچیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور جس قت وہ میری تجہیزاو ردفن سے فارغ ہوں تو ان کے لئے یہ بکری ذبح کرانا اور انہیں میری جانب سے قسم دیکر کہنا کہ بغیر کھانا کھائے ہوئے لوگ یہاں سے نہ جائیں۔ اتنا کہنا کہ ابوذر راہی خلد بریں ہوئے اور جب وہ سوار وہاں پہنچے تو لڑکی نے ان سے کہا کہ ابوذر صحابی رسول کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور وہ بے گورو کفن پڑے ہیں یہ سن کر وہ سوار جو تعداد میں سات تھے سواریوں سے اتر پڑے ان میں حذیفہ بن الیمان صحابی رسول اور مالک اشتر

بھی تھے۔ ابوذر پر وہ سب بہت روئے اور غسل و کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو لڑکی نے کہا کہ میرے باپ نے تم کو قسم دلائی ہے کہ بغیر کھانا کھائے یہاں سے نہ جاؤ۔ ان لوگوں نے بکری ذبح کی اور کھانا کھانے کے بعد اس لڑکی کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ کی جانب کوچ کیا۔

تاریخ ابن واضح میں ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن کو جمع اور تالیف کیا اور اس کی ترتیب اس طرح رکھی کہ بڑی سورتوں کو بڑی سورتوں کے ساتھ اور چھوٹی سورتوں کو چھوٹی سورتوں کے ساتھ مرتب کیا اور ہر طرف سے مصاحف طلب کرکے گرم پانی اور سرکے سے دھلوا ڈالا۔ اور بقول بعض ان سب کو جلوا دیا چنانچہ سوا مصحف ابن مسعود کے جو انکے پاس کوفے میں تھا اور کوئی مصحف باقی نہ رہا عبداللہ بن عامر عامل کوفہ نے ابن مسعود سے ان کا مصحف مانگا تو انہوں نے دینے سے انکار کیا۔ یہ خبر پاکر حضرت عثمان نے عامل کوفہ کو لکھا کہ ابن مسعود کو گرفتار کرکے یہاں بھیج دے۔ جب عبداللہ بن مسعود حاضر ہوکر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عثمان خطبے میں مصروف تھے ابن مسعود کو دیکھ کر کہنے لگے کہ حیوان زشت آگیا۔ ابن مسعود نے بھی اس کے جواب میں کچھ سخت کلامی کی حضرت عثمان کے حکم سے لوگوں نے ابن مسعود کی ٹانگ پکڑ کر ایسا گھسیٹا کہ ان کی دو پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

ابن الاثیر اسدا الغابہ میں لکھتے ہیں کہ اسی ۳۲ھ میں عبداللہ بن مسعود نے مدینے میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے حضرت عثمان نے ان پر نماز پڑھی حضرت عثمان سے یہ حال پوشیدہ رہا۔ اتفاقاً" انہوں نے قبر دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے لوگوں نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ بغیر میری اطلاع کے انکو کیوں دفن کیا گیا۔ سب نے بتایا کہ ان کی تجہیز و تکفین کے متوالی عمار بن یاسر تھے جن سے ابن مسعود نے وصیت کی تھی کہ وہ کسی کو اطلاع نہ دیں پھر بعد چند روز کے مقداد نے وفات پائی تو ان کی وصیت کی تھی کہ وہ کسی کو اطلاع نہ دیں پھر بعد چند روز کے مقداد نے وفات پائی تو انکی وصیت کے موافق عمار بن یاسر نے انکی تجہیز و تکفین بھی کی اور حضرت عثمان کو اطلاع نہیں دی جب حضرت عثمان کو معلوم ہوا تو وہ عمار سے بہت ناخوش ہوئے۔

Presented by www.ziyaraat.net/

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ ۳۳ھ میں کوفے کے مسلمانوں کی ایک جماعت کو حضرت عثمان کے اس طرز عمل پر نکتہ چینی اور شکایت کا موقع ملا کہ انہوں نے اپنے خاندانی لوگوں کو جو کسی طرح حکومت کی قابلیت اور صلاحیت نہیں رکھتے تھے حاکم مقرر کیا ہے۔ چنانچہ حاکم کوفہ کے اطلاع دینے پر حضرت عثمان نے حکم دیا کہ جو لوگ ایسی نکتہ چینی کرتے ہیں انکو معاویہ کے پاس شام میں بھیج دے۔ پس والی کوفہ نے اس گروہ کو جس میں اشتر نخعی اور ثابت بن قیس اور جمیل بن زیاد اور زید بن صوحان اور صعصعہ بن صوحان اور جندب بن زہیرا اور عروہ بن الجعد و عمرو بن الحمق بھی تھے معاویہ کے پا بھیج دیا۔ جب یہ اشخاص وہاں پہنچے تو ان میں اور معاویہ میں ایسی بات بڑھی کہ یہ لوگ حملہ کرکے معاویہ پر ٹوٹ پڑے اور ان کی داڑھی پکڑلی۔ معاویہ نے یہ حال حضرت عثمان کو لکھا حضرت عثمان نے تحریر کیا کہ ان لوگوں کو سعید بن العاص کے پاس بھیج دے چنانچہ وہ سب ان کے پاس بھیج دیئے گئے وہاں پہنچ کر وہ حضرت عثمان کے حق میں اور زیادہ تیز زبانی کرنے لگے اور کوفہ کے دیگر اشخاص بھی ان کے پاس جمع ہونے لگے۔

تاریخ خمیس میں ہے کہ اسی سال ۳۳ھ میں امام زین العابدین علیؑ بن حسینؑ پیدا ہوئے۔

تاریخ روضتہ المناظر میں ہے کہ ۳۴ھ میں حضرت عثمان نے فدک کی جائداد مروان الحکم کو عطا فرمائی۔ اور ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ جن باتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں حضرت عثمان کی جانب سے کینہ اور کدورت پیدا کر دیا ان میں سے بعض یہ ہیں کہ حضرت عثمان نے حکم بن العاص مردو دبارگاہ نبوی کو پناہ دی حالانکہ اس شخص کو حضرت ابوکر اور حضرت عمر نے بھی اپنے عہد میں پناہ نہیں دی تھی۔ اور ابوذر غفاری کو صحرائے ربذہ میں نظربند کیا۔ نیز بازار مھزون (جسے رسول مقبولؐ نے مسلمانوں پر صدقہ کیا تھا) حارث بن حکم برادر مروان کو بخشا اور مروان کو فدک عطا کیا۔ اور تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ جن باتوں نے لوگوں کو حضرت عثمان پر برا نگیختہ کیا وہ یہ ہیں کہ انہوں نے حکم بن عاص کو بلا لیا جسے رسول اللہ نے مردود کرکے نکلوا دیا تھا اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے زمانے میں بھی وہ مردود رہا۔ نیز یہ کہ حضرت عثمان نے مروان کو خمس غنائم افریقہ عطا کیا جس کی آمدنی پانچ لاکھ دینار تھی اور اسی کو فدک بھی عنایت فرمایا۔ اور تاریخ مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان پر کثرت سے طعن کی بوچھاڑیں

ہونے لگیں اور جو ناپسندیدہ معاملات حضرت عثمان کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ طشت ازبام ہوئے ازا نجملہ وہ واقعہ نامرضیہ ہے جو حضرت عثمان اور ابن مسعود میں پیش آیا جس کی وجہ سے ہزیل منحرف ہوگئے اور وہ ذلیل کن اور تکلیف دہ سلوک جو عمار بن یاسر سے کیا گیا اور وہ فعل ناشائستہ جو ولید بن عقبہ سے مسجد کوفہ میں وقوع پذیر ہوا اور وہ ناگواریدہ برتاؤ جو ابوذر کے ساتھ کیا گیا اور کتاب ملل و نحل شہرستانی میں ہے کہ منجملہ انہیں واقعات کے یہ بھی ہیں کہ حضرت عثمان نے مروان کو اپنی لڑکی بیاہ۔ دی اور خمس غنائم افریقہ عطا فرمایا اور عبداللہ بن سعد ابی سرح کو جس کا قتل رسول مقبولؐ نے مباح فرمایا تھا اپنے یہاں پناہ دی اور مصر کا حاکم کر دیا اور عقد الفرید میں ہے کہ جب حضرت عثمان سے اس قسم کے ناشدنی امور سرزد ہوئے تو لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ یہ سب تمہارا کیا کرایا ہے عبدالرحمٰن بولے کہ میں ایسا گمان نہ کرتا تھا لیکن اب خدا کو درمیان دے کر کہتا ہوں کہ زندگی بھر عثمان سے بات نہ کروں گا۔

تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ ایک روز حضرت عثمان جبلہ بن عمرو ساعادی کی طرف سے ہوکر گزرے جو اپنے صحن خانہ میں مع ایک جماعت کے بیٹھا ہوا تھا اس نے حضرت عثمان کو دیکھ کر کہا کہ اے نعثل واللہ میں تجھے قتل کروں گا۔

مورخ ابوالفدا لکھتا ہے کہ ۳۵ھ میں ایک گروہ ہزار سات سو آدمیوں کا مصر سے اور ایسا ہی ایک گروہ کوفے سے اور ایک بصرے سے مدینے میں وارد ہوا جب جمعہ کا دن آیا تو حضرت عثمان نے مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑھائی اور منبر پر جاکر متذکرہ بالا گروہوں سے فرمایا کہ خدا جانتا ہے اور مدینے والے بھی واقف ہیں کہ تم لوگوں پر رسول اللہ نے لعنت کی ہے محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہوکر اس کی گواہی دی۔ حضرت عثمان کی تقریر سن کر وہ تینوں گروہ اہل مسجد پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے سنگباری کرکے لوگوں کو مسجد سے نکال دیا نیز ایک پتھر حضرت عثمان کو ایسا مارا کہ وہ بیہوش ہوکر منبر پر گر پڑے اور لوگ انکو ان کے گھر میں اٹھا لے گئے۔ اور تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ بلوائیوں کے وارد مدینہ ہونے کے بعد حضرت عثمان نے تیس دن مسجد میں نماز پڑھی پھر ان لوگوں نے حضرت عثمان کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور غافقی امیر جماعت مصر کو امام نماز مقرر کیا مدینے والوں نے گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا اور حضرت عثمان چالیس دن تک اپنے گھر

Presented by www.ziyaraat.net/

میں محصور رہے بعد ازاں اس جماعت کی خواہش کے موافق حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے کہا کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم مروان کو عہدہ کتابت سے اور عبداللہ بن ابی سرح کو حکومت مصر سے معزول کردو حضرت عثمان نے اس درخواست کو منظور کیا اور ان کے منظور کرلینے پر حضرت علیؑ نے بلوائیوں کو اسی وقت متفرق کردیا۔ لیکن مروان نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر ایسی باتیں کیں کہ حضرت عثمان نے مروان کی معزولی کا حکم مسترد کردیا۔ البتہ ابن ابی سرح کو مصر سے معزول کرکے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مقرر کیا۔

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ جب حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو عامل مصر معین کیا تو وہ مع ایک جماعت مہاجرین و انصار کے مصر کی جانب روانہ ہوئے۔ ہنوز یہ لوگ راہ میں تھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شترسوار اونٹ کو تیز ہانکتا ہوا ۔مکے کی جانب سے) آرہا ہے محمد بن ابی بکر کے قافلے والوں نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں جاتا ہے اس نے کہا کہ عامل مصر کے پاس لوگوں نے کہا کہ عامل مصر تو یہی ہیں (یعنی محمد بن ابی بکر) اس غلام شترسوار نے کہا کہ میں دوسرے عام (یعنی ابن ابی سرح) کے پاس جاتا ہوں یہ سن کر لوگوں نے اس کو پکڑا اور تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک نامہ نکلا جس پر حضرت عثمان کی مہر تھی اور اس میں لکھا تھا کہ جس وقت محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ والے وہاں پہنچ کر تیری معزولی کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا بلکہ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ والوں کو کسی حیلے سے قتل کرنا ان کے پاس جو نامہ ہے اس کو باطل سمجھنا اور اپنے منصب پر بدستور قائم رہنا۔" یہ مضمون دیکھتے ہی محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھ والے مدینے واپس آئے اور انھوں نے صحابہ کو جمع کرکے خط کا سارا حال بیان کیا ان سب نے حضرت عثمان سے اس بات کو پوچھا حضرت عثمان نے اقرار کیا کہ یہ خط میرے کاتب مروان کا لکھا ہوا ہے اور اس پر مہر بھی میری ہے لیکن خدا کی قسم میرے حکم سے نہیں لکھا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اچھا مروان کو ہمارے سپرد کردو۔ حضرت عثمان نے کہا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس بات سے لوگوں کو غیظ و غضب حضرت عثمان پر اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ حضرت عثمان کو قتل کرنے کی کوشش میں مصروف ہوئے۔ ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر اور کنانہ بن بشر اور سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق نے عمرو بن حزم کے گھر سے حضرت عثمان کے مکان کی دیوار پھاند کر ان پر حملہ کیا وہ اس وقت اپنی بی بی نائلہ کے پاس قرآن میں سورہ

بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے محمد بن ابی بکر نے بڑھ کر حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑی اور کہا کہ اے نعثل خدا تجھے خوار کرے۔ حضرت عثمان بولے کہ میں نعثل نہیں ہوں عبداللہ اور امیرالمومنین ہوں۔ محمد بن ابی بکر نے کہا کہ اس وقت معاویہ وغیرہ تمہارے کام نہ آئے۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اے بھتیجے میری ڈاڑھی چھوڑ دے۔ کبھی تیرے باپ نے بھی اس کو ہاتھ نہیں لگایا۔ محمد بن ابی بکر بولے کہ اگر میرے باپ تمہارے یہ اعمال ناشائستہ دیکھتے تو کبھی نہ پسند کرتے اور ابھی تو میں نے تمہاری ڈاڑھی پکڑی ہے اب جو ارادہ رکھتا ہوں وہ اس سے زیادہ شدید ہے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں تمہارے مقابلہ میں خدا سے نصرت چاہتا ہوں اور اسی کی مدد کا طالب ہوں۔ محمد بن ابی بکر نے ایک دراز پیکان تیر سے (جوان کے ہاتھ میں تھا) حضرت عثمان کی پشیمانی کو مجروح کیا اور کنانہ بن بشر نے اپنے پیکانوں کو بلند کرکے اس سخت دلی اور بیدردی کے ساتھ حضرت عثمان کے کام میں چبھویا کہ ان کے کان سے گزر کر حلق میں اتر گئے اسکے بعد تلوار کھینچ کر ان کو قتل کیا۔

تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ حضرت عثمان ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ھ کو مقتول ہوئے ان کی مدت خلافت بارہ دن کم بارہ سال تھی اور وہ تین دن تک بلا دفن و کفن پڑے رہے کیونکہ ان کے دشمن ان کی تجہیز و تکفین سے مانع تھے۔ اور تاریخ کبیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت عثمان بعد قتل ہونے کے دو دن پڑے رہے اور کسی شخص کو ان کے دفن کی قدرت نہ ہوئی بالآخر حکم بن حزام اور جبیر بن مطعم اور نیاز بن مکرم اور ابو جہم بن حذیفہ حضرت عثمان کی نعش اٹھا لے گئے لیکن جب انہوں نے چاہا کہ جنازے کی نماز پڑھیں تو انصار کے چند لوگ آکر مانع ہوئے۔ نیز بقیع میں دفن کرنے سے بھی روکا۔ ابو جہم نے کہا کہ ان کو اسی طرح دفن کردو ان پر اللہ اور اس کے ملائکہ نے نماز پڑھی ہے مخالفین نے کہا کہ خدا کی قسم یہ مسلمان کے قبرستان میں دفن نہ ہونے پائینگے۔ مجبوراً" لوگوں نے حضرت عثمان کو حش کوکب میں دفن کیا اور جب بنی امیہ کی سلطنت ہوئی تو انہوں نے اس مقام کو بقیع میں شامل کرلیا۔ جو آج تک بنی امیہ کا قبرستان ہے۔

استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ اسی ۳۵ ھ میں حضرت سلمان فارسی نے وفات پائی جو حضرت عثمان کی خلافت کا آخری زمانہ تھا۔ اور جناب رسالت مابؐ کی حدیث ہے کہ اگر دین ثریا کے قریب ہوتا تب بھی سلمان اس کو پا جاتے اور حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ سلمان ہم اہلبیت

Presented by www.ziyaraat.net/

سے ہیں اور ان کی مثال حکیم لقمان کی ہے۔

اور اصابہ ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ اہل علم کا قول ہے کہ حضرت سلمان کی عمر تین سو برس کی ہوئی اور دو سو پچاس سال کی عمر ہونے میں تو کسی کو شک ہی نہیں ہے۔

(تاریخ احمدی صفحہ ۴۰۲)

واقعات در زمانہ حضرت عثمان

خلیفہ ثانی کی وفات سے پانچ روز بعد اہل شوریٰ نے مملکت اسلامی کی امارت عثمان ابن عفان پر تفویض کر دی پانچ سات برس میں اس خلافت کے اراکین اور متعلقین نے اپنی سور تدبیری سے اس میں بہت جلد ایسے مادے پیدا کر دیئے جو ہرگز اسلام کے لئے مفید نہیں ہوسکتے تھے اگرچہ یہ خلافت اور خلافتوں کے مقابلہ میں زیادہ ٹھہری مگر جیسے جیسے اس میں طول آتا گیا ویسے ویسے ہزاروں قسم کی بدانتظامیاں، اختلاف اور فساد ہر ملک کے ہر حصہ میں پھیلتے گئے اور آخر کار اس سے وہ نتیجہ نکلا کہ اسلامی حکومت کے استقلال میں کمزوری اور اضمحلال آتا گیا یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد خلافت راشدہ کا نام ہی دنیا کے کارنامے سے اٹھ گیا۔“

ہماری آئندہ سلسلہ مضامین کی بنیاد اسی خلافت کے واقعات سے شروع ہوئی اس لئے ہم کو اس خلافت کے واقعات کسی قدر زیادہ صراحت سے لکھنا بہت ضروری ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اختلاف یا ناراضی جو عامۃ المسلمین میں واقع ہوئی اسی خلافت سے شروع ہوئی پہلے ناراضی جو خلیفہ عہد اور تابعین میں شروع ہوئی وہ یہ تھی کہ ابو لؤلو کا خنجر جس سے خلیفہ ثانی کی رحلت واقع ہوئی مسجد میں چھوٹ گیا تھا لوگ قاتل کے پیچھے دوڑے جب تک کہ قاتل گرفتار ہوا عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے وہ خنجر زمین سے اٹھا لیا اور عبداللہ ابن عمر سے جو وہاں موجود تھے کہنے لگے کہ یہ خنجر ہم نے ہرمزان کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور وہ اس وقت جھنیہ کے گھر جاتا تھا جھنیہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کا غلام تھا عبیداللہ ابن عمر تو اپنے پدر بزرگوار کے قصاص کے لئے بیچین ہو رہے تھے اتنا اشارہ پاتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور ہرمزان اور جھنیہ کو ان کے گھروں میں گھس کر قتل کر ڈالا بیچارے عبدالرحمٰن کو اس واقعہ کے متعلق خبر نہ تھی اور نہ ان کو اس کا یقین تھا کہ عبیداللہ ابن عمر بغیر مشاورت صحابہ کے ایسی حرکت کریں گے بہرحال حضرت عثمان کے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی پہلے جو مستغیث دربار

خلافت میں آئے وہ ہرمزان اور جھنیہ کے ورثا تھے ابو لؤلو اصلی قاتل تھا اور یہ دونوں بے قصور یہ امر تمام اہل اسلام پر روشن تھا ایسا سخت معاملہ اور خلیفہ زادے کا قدم درمیان۔ بغیر مشورت صحابہ کے خلیفہ عصر کیا کر سکتے تھے آخر اس مسئلہ کی نسبت ممبران اسلام سے پوچھا گیا تو بعضوں نے کہا کہ اس پر قتل خلیفہ کا گمان کیا گیا اور یہ دھوکے میں مارا گیا کسی نے کہا کہ یہ واقعہ آپ کی خلافت سے دو تین دن پیشتر کا ہے اس لئے آپ اس کے تصفیہ کے لئے مجبور نہیں کئے جا سکتے حضرت عثمان کو اس پر بھی تشفی نہیں ہوئی جناب علیؑ مرتضیٰ سے استفسار کیا تو جواب میں ارشاد ہوا کہ عبیداللہ پر قصاص ہرمزان واجب ہے ایسے یک طرفہ فیصلے سے خلیفہ عہد کو نہایت تردد ہوا خلیفہ زادے کا پاس بھی لازم ہے اور ہرمزان کا قصاص بھی آخر کار ہرمزان کی دیت اپنے جیب خاص سے دے کر کسی نہ کسی طرح عبداللہ ابن عمر کی گلو خلاصی کر دی تاریخ طبری جلد چہارم ۵۲۰

جناب علیؑ مرتضیٰ کے اس آزادانہ فیصلے سے ناراض ہو کر عبداللہ بن عمر ان کے زمانہ خلافت میں مدینہ سے چلے گئے اور معاویہ کی متابعت کر کے جنگ صفین فوج علیؑ مرتضیٰ ابن ابی طالبؑ سے مقابل اور فہرست مقتولین میں داخل ہوئے عبدالرحمٰن ابن ابوبکر وغیرہ بہت سے ممبران اسلام کو عبیداللہ ابن عمر کی اس حرکت پر تو استعجاب ہی تھا ان کی دیت کا خلیفہ کو اپنی طرف سے دے دینا ان کے اختلاف کا باعث ٹھہرا اور اہل اسلام کے اس طویل اور مسلسل ناراضیوں کا پہلا نمبر جو آگے چل کر تمام شکایتوں کا باعث تھا یہیں سے قائم ہوا۔“

خلیفہ عہد نے ملکی انتظام کی طرف رخ کیا ان کا طرز انتظام بالکل تمدن اسلام فی ایام العمر کے نقیض تھا بنی امیہ کا ستارہ پھر عروج پر آیا اور ان کی برسوں کی بگڑی ہوئی تقدیریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک ان کو طرح طرح کی ٹھوکریں کھلوا رہی تھیں۔ بن گئیں وہ زمانہ نہایت قریب آگیا کہ ابوسفیان کی دلی مدعا بر آئے اور حجاز و یمن میں اس کے نام کے علم کی فصیلوں پر ہوا میں لہرائی بنی امیہ کی طلب ہونے لگی۔ قبیلے کے قبیلے خاندان کے خاندان شام سے حمص سے۔ مصر سے واپس آکر مدینہ میں پھرنے لگے اور دربار خلافت میں بلا امتیاز و بلا امتحان بھرتی ہونے لگے مسٹر جسٹس آنریبل سید امیر علی خان بہادر سی آئی ای اسپرٹ آف اسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔“

Presented by www.ziyaraat.net/

انہیں بنی امیہ نے جناب رسول خداؐ کو نہایت ذلت اور نفرت سے ملزم ٹھہرایا تھا اور گھر سے نکالا تھا انہیں بنی امیہ نے اسلام کو اس کی ابتدا میں لڑ کر مٹا دینا چاہا تھا اور پھر اسی کی مخالفت میں اخیر وقت تک لڑ رہے تھے۔ بنی امیہ آپس میں متفق ہو کر اور قبیلہ مضر پر بالکلیہ قابو پا کر اپنے ہاتھوں سے گئی ہوئی قوت اور عظمت کا پوشیدہ کینہ رکھتے تھے اور اس کا انتظار کرتے تھے فتح مکہ کے بعد انہوں نے مجبوراً اسلام قبول کر لیا تھا لیکن تاہم بنی ہاشم اور اسلام کو نہیں بھولے تھے خاص کر اپنے ان نقصانات کی وجہ سے جو ان کو ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں اٹھائے ہوئے سے جب تک جناب رسولؐ خدا زندہ رہے آپؐ کی قوت سلطانی بھی ان بیوفاؤں سے خائف رہی ان میں سے بہت نے برائے نام اسلام قبول کیا تھا۔ صرف اپنی ذات کی غرض سے یا اس مال غنیمت کے لالچ سے جو اہل اسلام اپنی فتوحات کے بعد اسلامی گورنمنٹ میں لاتے تھے مگر ان کی نفرت سلطنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی کم نہ ہوئی۔ شہوت پرست بدکار، بدنیت اور ظالم اس برابر حق رکھنے والے مذہب کا ہونے میں جس نے روحانی قواعد و تقدس کی متابعت کرنے کے سخت حکم دیئے گئے تھے۔ جوش رکھتے تھے مگر دل سے وہ بت پرست تھے وہ لوگ شروع زمانے میں اس گورنمنٹ کے اکھاڑ پھینک دینے پر اور ان لوگوں کے برباد کر دینے پر جن پر گورنمنٹ کا دارومدار تھا آمادہ تھے جن کی متابعت کی وہ قسمیں کھا چکے تھے جناب رسولؐ خدا کے قائم مقاموں نے ان کے حسد کو ایک خاص حد تک مقید کر رکھا تھا اور ان کے مکرو فریب کی چالوں کو ظاہر کر دیا تھا عثمان کی تخت نشینی ان تفرقوں کے اظہار کی علامت تھی اور ان خاموش بنی امیہ کی بدکاریوں کا ظہور تھی جس نے اسلامی دنیا کا دل مروڑ دیا اور اس کے نہایت معزز اور قابل قدر خاندانوں کو برباد کر دیا عثمان کے زمانہ خلافت میں دونوں خلفائے سابقین کے انتظام اور تدبیر سے پوری مخالفت کی گئی جن کی تقلید کا اس نے اقرار کیا تھا معمر اصحاب پیغمبرؐ اور انصار جو بزرگوار صاحب اختیار بنائے گئے تھے معزول کر دیئے گئے لیاقتیں اور ان کی خیر خواہانہ خدمتیں بالکل فراموش کر دی گئیں تمام معتبر اور نفع کی خدمتیں بنی امیہ نے لے لیں اور تمام صوبوں کو صوبیداریاں انہیں کو دے دی گئیں جنہوں نے اپنے آپ کو اسلام کا پورا مخالف کر رکھا تھا ان کے سلوک کے لئے بیت المال خالی کر دیا گیا تھا اس کے بعد اس کے واقعات کی نسبت جسے ہم تفریق اسلام کے باب میں بیان کریں گے اتنا لکھ دینا کافی ہوگا۔ کہ انتظام ملکی کی بد نظمیاں تمام اگلی

کاروائیوں سے غفلت خلیفہ کی اپنے اقربا کے ساتھ سخت طرفداری اور عام شکایتوں پر اس کے انکار نے پرانے اصحاب رسولؐ خدا بلکہ تمام اہل اسلام میں ایک سخت مخالفت پھیلا رکھی تھی اور یہ مخالفت بغاوت ہو کر ایسی عام ہوگئی جس میں حضرت عثمان اپنی جان کھو بیٹھے اسپرٹ آف اسلام ۴۱۷۔

بنی امیہ کی زائل شدہ قوتوں کے بار دیگر عود کر آنے کی وجہ سے مملکت اسلام میں نفاق حسد اور نفسانیت کے مادے ضرور پیدا ہوگئے تھے جسے ہم اپنے معزز اور فخر قوم بزرگ کے مستند اسناد سے لکھ چکے مگر تاہم ہماری اس مجمل تحریر سے مفصل کیفیت نہیں معلوم ہوتی اور چونکہ ہم کو خلافت علیؑ کے بہت سے پر آشوب حالات کے اسباب کا انہیں واقعات سے پتہ لگانا ہے اور اس خلافت فتنہ و فساد کی وجوہات خاص کر انہیں واقعات سے قائم ہوئی تھی اس لحاظ سے ان تمام حالات کی پوری توضیح کر دینا ہمارے لئے ضروری ہوگئی ہے۔"

ہم قبل اس کے قتل ہرمزان کا واقعہ لکھ چکے ہیں جو چند ممبران اسلام کی ناراضی کا سب سے پہلا باعث ہوا تھا اس کے بعد خلیفہ عہد نے انتظام ملکی کی طرف توجہ فرمائی اور سابق عمارتوں کو معزول کر کے تمام مملکت اسلام کی اعلیٰ اور افضل خدمتیں بنی امیہ کے سپرد فرمائیں اور ان میں بھی اپنی قرابت اور خصوصیت کی ترجیح کو ضرور قائم رکھا۔"

بنی امیہ کا عروج

بنی امیہ کا عروج پہلے تو یہی اہل اسلام کی ناراضی کا بہت بڑا باعث ہوا مگر تاہم وہ اپنی ناراضی پر یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے تھے کہ خلیفۂ عہد نے پہلے کے امرا کو اگر معزول کیا اور اس کی جگہ پر بنی امیہ میں سے کسی کو بھیجا ہے تو وہ ضرور ایسا ہو جائے گا جو اپنے پہلے عامل سے بہتر ہے مگر یہاں معاملہ برعکس نکلا جو عمال پہلے سے مقرر تھے وہی لوگ تھے جنہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ دیکھا تھا ان کی صحبت اٹھائی تھی اور ان کی تعلیم پائی تھی اور یہ تازہ مقرر شدہ اعمال ایسے تھے اور ان کے افعال ایسے کہ عوام اہل اسلام پر کیا منحصر ہے کوئی غیر آدمی بھی ان کو یہ دیکھ کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ اسلام کے پابند ہیں یا ان کو اپنے ہم عصر اسلامی بھائیوں سے کسی قسم کی مشابہت ہے۔

Presented by www.ziyaraat.net/

ان لوگوں میں سب سے پہلے مروان الحکم ہیں اہل اسلام میں سے کون ان کو اور ان کے باپ کو نہیں جانتا یہ وہی بزرگ ہیں جن کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں مدینہ سے دس کوس باہر نکال دیا تھا۔ مدینہ میں آنے کی مطلق اجازت نہیں تھی بلکہ یہاں تک حکم تھا کہ میرے بعد جو میرا قائم مقام ہو وہ دس کوس ان کو اور دور ہٹا دے چنانچہ خلافت اول و دوم نے فرمان رسولؐ کی اسی طرح پابندی کی اور ان کو مدینہ منورہ سے تیس کوس کے فاصلے پر نکال دیا مگر اس خلافت کے زمانہ میں مروان کی ذلت عزت اور ثروت سے مبدل ہوگئی۔ کہاں تو دس کوس اور دور نکالے جانے کے مستحق ہو رہے تھے کہاں مدینہ میں بلا لئے گئے اور پھر تو اتنے سرفراز ہوئے کہ عہدہ وزارت کے ساتھ خلعت دامادی سے بھی سرفراز کئے گئے۔

ان کی بحالی نے اہل اسلام میں ایک تہلکہ ڈال دیا مگر کوئی کچھ نہ بولا صرف انکی ماموری کے برے نتیجوں کو بڑے انتظار سے دیکھتے رہے رفتہ رفتہ پھر تو مروان الحکم نے خلیفہ عصر کے مزاج پر وہ قوت حاصل کرلی کہ مملکت کے تمام کاروبار انہیں کے سپرد ہوئے اور حضرت عثمان ابن عفان سوائے اس کے کہ خلیفہ کہلائے اور کچھ نہ ٹھہرے دیوان دیکھیں تو یہ فوج دیکھیں تو یہ معاملات کا تصفیہ کریں تو یہ۔ اور کاغذات ملاحظہ فرمائیں تو یہ غرض تمام اسلامی مملکت میں بھی یہی تھے۔

خلیفہ عہد کے اس ناعاقبت اندیش وزیر نے اپنی سوءتدبیری سے تمام مملکت اسلام کے مطابق انتظام کو زیر و زبر کر ڈالا کہ تخت نشینی کے لئے پانچ ہی برس بعد تمام سلطنت میں فتنہ و فساد پھیلنے لگا اور خلیفہ عصر اپنی نرم مزاجی اور مروت کے سبب مروان کی چالوں کو کچھ نہ سمجھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مروان تو صاف بچ گئے مگر خلیفہ بیچارے نہایت شدت سے قتل کر ڈالے گئے۔

غم چوشد سایہ فگن سایہ نشین مابودیم　　ہر کجا پائے ستم رفت زمین ما بودیم !

مروان کی وزارت نے بھی پہلے جس طرف رخ کیا وہ بنی ہاشم اور بنی فاطمہ کے حقوق تھے فدک تو خلافت اولیٰ نے بنی فاطمہ کے خالصہ سے نکال کر مملکت اسلام کے اجمال میں ملا دیا گیا تھا۔ خلافت ثانیہ میں فدک کا وہ حصہ جو اس وقت تک یہودیوں کے پاس رہ گیا تھا خرید لیا گیا اور مملکت اسلام میں ملا دیا گیا۔

اس خلافت کے زمانہ میں فدک کی تمام و کمال زمین مملکت اسلامی سے نکال کر مروان نے اپنے قبضہ میں کرلی اور خلیفہ نے دیکھا بھی اور کچھ نہ کہا اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اسی فدک کی وجہ سے بنی ہاشم اور خلافت اولیٰ میں ناراضی پیدا ہو چکی تھی اصل یوں ہے کہ بنی ہاشم کی ناراضی اس وقت میں کوئی ایسی شے نہیں تھی جس کا کوئی خیال یا کوئی پرواہ کی جاتی بہرحال اس خلافت میں مروان فدک یا بنی امیہ کا اسی طرح خالصہ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یہ بنی ہاشم یا بنی فاطمہ کا خالصہ قرار دیا گیا تھا۔

مروان نے ایسے ہی ولید ابن عتبہ کو کوفہ کا عامل مقرر فرمایا ملا علی ابن برہان حلبی شافعی نے انسان العیون فی سیرۃ الامین و الماعون میں اس کی پوری کیفیت لکھی ہے جسے ہم بجنسہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

وكان الوليد شاعرا ظريفا حليما شجاعا كريما يشرب الخمر كل ليلة من اول لليل الى الفجر فلما اذن الموذن الصلوات الفجر خرج الى المسجد وصلى باهل الكوفه الصبح اربعة ركعات وصار بقول فى ركوعه و سجود اشرب و اسقنى ثم فاء المحراب ثم سللم وقال هل ازيد كم فقال له ابن مسعود دلاز ادك الله خيرا ولا من بعثك النيا۔

ولید شاعر تھا ظریف تھا حلیم اور کریم تھا شراب کا عادی تھا اول شب سے صبح تک برابر شراب پیتا تھا ایک مرتبہ موذن نے صبح کی آذان دی ولید مسجد میں گیا اور اہل کوفہ کو نماز پڑھائی نشہ میں اس قدر بے ہوش ہو رہا تھا کہ دو رکعتوں کی جگہ چار رکعتیں پڑھا گیا اور رکوع و سجود میں اشرب و اسقنی کہتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہیں محراب میں قے کر دی جب افاقہ ہوا تو لوگوں سے پوچھا کہ میں نے کیا آج تم لوگوں کو زیادہ نماز پڑھا دی ہے ابن مسعود سا جلیل القدر صحابی جو خصوصاً ”علم القرآن میں مشکل سے اپنا ثانی نہ رکھتا تھا ایسے ناپاک اور جاہل امام کا مقتدی بنا ہوا تھا اب تو بیچین ہوگیا اور نہایت بری طرح سے ولید کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ خدا کبھی تیرے لئے نیکی زیادہ نہ کرے ہم تو ہمیشہ تیرے ساتھ نماز زیادہ پڑھا کرتے ہیں ابو الفدص ۴۰۲ مدارج النبوۃ باسناد صحیحین ۱۰۲۴

Presented by www.ziyaraat.net/

ولید کے بعد عمر ابن عاص کو معذول کر کے خلیفہ عصر نے عبداللہ ابن ابی سرج کو ممالک افریقہ کا عامل مقرر کیا یہ حضرت عثمان کے رضاعی بھائی تھے یہ وہی تھا جس کا خون فتح مکہ کے دن جناب رسالت مابؐ نے ہذر فرما دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ جو شخص جہاں کہیں اس کو پاوے مار ڈالے ان کے لئے ایسی سخت سزا تجویز کئے جانے کی یہ وجہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بعض اوقات ان سے کاتب وحی کے احکام لکھوایا کرتے تھے یہ کبھی کچھ اس میں گھٹا دیا کرتا تھا اور کبھی کچھ اپنی طرف سے بڑھا دیا کرتا تھا اور عموماً" دعویٰ کرتا تھا کہ قرآن تو میرے ہاتھ میں ہے جیسا کہو ویسا لکھ دوں۔ رفتہ رفتہ جناب رسالت مابﷺ کو یہ خبر پہنچی آپ نے اس کو مدینہ سے باہر نکالا یا وہ مدینہ سے نکلا تو مکہ پہنچا اور یہاں قریش سے مل کر پھر مرتد ہو گیا فتح مکہ کے روز پھر حاضر ہوا۔ جناب رسول خداﷺ نے پھر خاموشی اختیار کی دوبار عثمان نے اٹھ کر سفارش کی جناب رسول خداﷺ کچھ نہ بولے تیسری بار آپؐ نے ان کی استدعا قبول فرمائی اور ارشاد کیا کہ میں جب تک دوبار خاموش رہا میرے اصحاب میں سے کسی ایک نے اس کی گردن کیوں نہ مار دی تاریخ طبری جلد چہارم ۴۲۵ ترجمہ النبوۃ باسناد صحیحین ص ۴۶۴ ابوالفدا ص ۳۴۵ ترجمہ مدارج النبوۃ ص ۹۸۷۔

عبداللہ ابن ابی سرج کے افعال ایسے تھے اور جان بخشی اس طرح ہوئی تھی بہرحال ان کے بحال ہونے نے اہل اسلام میں ہلچل ڈال دی ولید ابن عقبہ کی حالت لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اس کی بے دینی ان کی ناراضی کے لئے کیا کم تھی کہ ایک اسی کا اور مقابل دوسرے ملک کا عامل مقرر کیا گیا عام تو عام خاص تو خاص کر اپنی معزولی اور عبداللہ کی ماموری ایسی گراں گذری کہ انہوں نے فوراً" خلیفہ عصر کی ہمشیرہ ام کلثوم کو اپنی حبالہ نکاح سے خارج کر دیا یہاں تک تو خیریت تھی افریقہ کے متولی عبداللہ ابن ابی سرج نے تھوڑے دنوں تک تو یہ دستور قائم رکھا کہ خراج افریقہ کا پانچواں حصہ خلیفہ عہد کے پاس بھیجتا رہا مگر کچھ دن اور آگے چل کر مروان الحکم نے وہ پانچواں حصہ بھی خلیفہ سے اپنے نام لکھوایا اور اب وہ ان کا ہو گیا یا یوں سمجھ لو کہ ممالک افریقہ مملکت اسلامی کے قلم رو سے نکال کر بنی امیہ یا مروان کا خالصہ ہو گیا ابوالفدا ص ۴۰۷

عبدالرحمٰن ابن کندی نے اس باب میں چند شعر نظم کئے ہیں جن کا ترجمہ ذیل میں درج

ہوتا ہے۔

قسم ہے خدا کی کوئی امر اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ اور لغو نہیں پیدا کیا ہے تاکہ ہماری اور تیری اس میں آزمائش ہو جائے دونوں خلفا جو پہلے تیرے گذر گئے وہ ایک مینار طریق ہدایت کا تیار کر گئے تھے اور کبھی انہوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا اور کوئی درہم اپنے نفس کی خواہش میں نہیں حرف کیا تم نے ایک لعین کو اپنا قرب عطا کر کے سنت گذشتہ کے خلاف راہ اختیار کی اور مروان کو پانچواں حصہ بھی جو حق العباد تھا لوگوں پر ظلم کر کے دے دیا اور کنبہ کو پالا۔ ابوالفدا ص ۴۰۷

یہ امور تو نظام ملکی کے متعلق اس خلافت کی عام شکایت اور ناراضی کے باعث نکلے اب ہم ان امور کو بھی ذیل میں درج کرتے ہیں جو صرف بنی امیہ کی خاطر اور امارت کے سبب سے باقی ماندہ اصحاب رسول خداﷺ کے ساتھ واقع ہوئے جو اس خلافت کے لئے بہت بڑی بدنامی اور الزام کا باعث ہوئے اور سب سے پہلے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ لکھتے ہیں حضرت ابوذرؓ وہی بزرگ ہیں جن کے بہشتی ہونے کی شہادت خود مخبر صادقؐ نے دی ہے حضرت ابوذرؓ ایک سادی روش کے بزرگ فقیر پسند' قانع زاہد متقی اور تارک تھے اور امر و نواہی کے سخت پابند فرائض و سنن کو خوب جاننے والے یہ ان لوگوں میں شامل تھے جن میں جناب رسول خداؐ کی فیضان صحبت نے کامل طور سے اثر کیا تھا اس خلافت کے زمانے میں کچھ دنوں سے یہ شام چلے گئے تھے شام تو فی الحال معاویہ کا خالصہ ہو رہا تھا اس کی بے اعتدالیاں دیکھ دیکھ کر ان سے رہا نہیں جاتا تھا۔ یہ رسول اللہؐ کا زمانہ دیکھے شریعت اسلام کی یہ خرابیاں کب دیکھ سکتے ہیں عوام الناس کو امر نواہی اسلام اور اس کے متعلق ضروری احکام بتانے لگے۔ یہ اپنی امامت میں ان کی شرکت کو کیوں قبول کرنے لگا معاویہ کے بیشک خلاف گزرا اس نے حضرت عثمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو بلا لیجئے نہیں تو یہ اہل شام کو میری اطاعت سے باز رکھیں گے حضرت عثمان نے ابوذرؓ کی طلبی میں حکمانہ لکھا معاویہ نے ان کو شام سے پا پیادہ مدینہ کی طرف روانہ کیا خلیفہ عصر نے ان کا قیام وہاں بھی مناسب نہ سمجھا تھوڑے دنوں کے بعد ایک اونٹ اور کچھ زاد راہ دے کر مدینہ کی طرف ایک مقام ربذہ کی طرف روانہ کیا یہ بیچارے تھوڑے دنوں تک وہاں رہے بعد ازاں اسی افلاس اور

Presented by www.ziyaraat.net/

حسرت و یاس کی حالت میں جان بحق تسلیم ہوگئے۔ طبری جلد چہارم ص ۵۲۵ اعثم کوفی ص ۲۲۰ ابو الفدا ص ۴۰۱ روضتہ الصفا جلد دوم ص ۱۱۹

ان سے بڑھ کر عبداللہ ابن مسعود کے ساتھ زیادتی کی گئی یہ وہ بزرگ ہیں جو علم القرآن کے ایک رکن خاص تسلیم کئے جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی کتاب معارف میں ابن قتیبہ نے اس کی زیادتی کی کیفیت یوں لکھی ہے۔ **واطلب الیہ ای عثمان عبداللّٰہ ابن خالد ابن اسید صلت و اعطاہ اربع مائۃ الاف دراھم من بیت المال المسلمین فقال عبداللّٰہ ابن مسعود فی ذالک فضربہ الی ان دق لہ صلعین۔**

عثمان نے عبداللہ ابن خالد ابن اسید کو بلا کر چار ہزار درہم بیت المال المسلمین سے دیئے عبداللہ ابن مسعود نے یہ دیکھ کر حضرت عثمان سے کچھ کہا جس پر خلیفہ عصر نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی دو پسلیاں شکستہ ہوگئیں۔

عمار یاسرؓ بھی عبداللہ ابن مسعود سے فضل و مراتب میں کسی طرح کم نہیں تھے ان کے ساتھ جو برتاؤ کئے گئے اس کی کیفیت ہم امام یوسف کنجی کی کتاب تاخیر الطلامہ الیٰ یوم القیامہ کی مشہور اسناد سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

عن سالم ابن ابی الجعد قال ذکر عثمان بنی امیہ فقال واللّٰہ لو ان مفاتیح الجنۃ بیدی لا عطیتھا بنی امیہ حتی ید خل الجنۃ من عنہ اخرھم ولا سعلمنھم علیٰ زعم من زعم فقال عمار ابن یاسر فان ذالک برعم بانقی قال ارغم اللّٰہ بانقک بانف ابی بکر و عمر فغضب فقال الیہ نو طبہ برجلہ فانخلہ الناس عنہ فبعث الیٰ طلحۃ والزبیر فقال انبا ھذ الرجل مخبراہ بین ثلث ان یقتص باخذ ارشاد و بعفو قال لا واللّٰہ لا اقبل منھن واحدۃ حتی الغی رسول اللّٰہ فاشکو الیہ۔

سالم ابن الجعد سے منقول ہے وہ کہتا ہے کہ عثمان نے بنی امیہ کا ذکر کیا اور کہا کہ قسم ہے خدا کی اگر میرے ہاتھ میں کنجیاں بہشت کی ہوتیں تو میں بنی امیہ کو دے دیتا کہ وہ سب کے

سب بہشت میں داخل ہو جاتے اور ہر آئینہ میں ان لوگوں کو حاکم اور عامل مقرر کروں گا صرف اس شخص کی ناک زمین پر رگڑے جانے کی غرض سے جو ان سے اختلاف کرتا ہے عثمان نے کہا کہ یہ تیری بات ناک خاک پر رگڑے عمار نے جواب دیا کہ ابوبکر و عمر کی ناک کو خدا زمین پر رگڑے یہ سن کر حضرت عثمان نے غضب میں کھڑے ہو کر لات سے بڑی مار ان کو ماری لوگوں نے ان کو چھڑا دیا تھوڑی دیر کے بعد عثمان نے طلحہ و زبیر کو بلا بھیجا اور کہا کہا عمار سے تین باتیں جاکر کہو ان میں سے وہ ایک کو اختیار کریں یا تو اس کے عوض میں مجھے مار لیں یا دیت لے لیں یا مجھے معاف کر دیں عمار یاسرؓ نے جب سنا تو کہا قسم ہے خدا کی میں ان سے کسی کو قبول نہ کروں گا تا ایں کہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کروں گا۔ اور شکایت کروں گا بعض مورخین نے عبداللہ ابن مسعود اور عامر ابن عبدالقیس کے جلا وطن ہونے کے واقعات کو بھی اسی خلافت کی زیادتیوں کا باعث لکھا ہے دیکھو استیعاب امام عبدالبر و محاضرات راغب اصفہانی کی وجہ سے اور ان رفق و مدار کے باعث واقع ہوئے اور عموماً" تمام اہل اسلام کی شکایت اور عام ناراضی کا ذریعہ ثابت ہوئے۔

مولوی شبلی نعمانی سابق پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑھ حضرت عثمان کی اس داد و دہش اور ان حالات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا کہ حضرت عمر نے بیت المال کے بارے میں جو کفایت شعاری اور تنگ و زری برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی حضرت عثمان کی خلافت میں لوگوں نے جو شورشیں کیں اس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضیاں کیں یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔ الفاروق جلد دوم ص ۱۹۴ محاضرات راغب اصفہانی میں تحریر ہے۔

ومما انکر علیہ ای علی عثمان قالو اوی طرید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابحکم بن العاص واعطاہ مائۃ الف دراھم و یصدق النبی یمھر و ذی علیٰ لمسلمین وھو موضع سرق الملینہ فقبضہ عثمان واقطع الحارث بن الحکم اخامرون واقطع فدک مروان۔

وہ باتیں جو حضرت عثمان کی طرف سے لوگوں کو ناگوار گذری تھیں یہ تھیں حکم ابن

Presented by www.ziyaraat.net/

العاص جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نکالا ہوا تھا پھر مدینہ میں بلا لیا گیا اور جب وہ آیا تو ایک لاکھ درہم اس کو دے دیا اور مہزوری کا بازار جو مدینہ میں تھا اور جس کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمام مسلمانوں پر تصدق کر دیا تھا اور عثمان نے اس کو فقط حارث ابن الحکم مروان کے بھائی کے لئے علیحدہ کر دیا اور ایسا ہی فدک کو خاص مروان کے حوالہ کر دیا۔

علامہ ابن القتیبہ کتاب معارف میں عبداللہ ابن خالد کے واقعہ کو یوں لکھتے ہیں۔ **وطلب الیہ ای عثمان عبداللہ ابن خالد ابن اسید صلت فاعطاہ اربع مائۃ الاف دراھم من بیت مال المسلمین فقال عبداللہ ابن مسعود فی ذالک فضربہ الی ان دق لہ ضلعین۔**

عثمان نے عبداللہ ابن خالد ابن اسید کو اپنے پاس بلایا جب وہ آیا تو اس کو چار لاکھ درہم بیت المال مسلمین سے عطا فرمائے عبداللہ ابن مسعود نے دیکھ کر کیا کچھ حضرت عثمان کو کہا پس عثمان نے ان کو اتنا مارا کہ ان کی دو ہڈیاں ٹوٹ گئیں علامہ شہرستانی ملل و نحل میں مروان کی داد و دہش کی نسبت لکھتے ہیں۔

ونن وبجہ مروان ابن الحکم بنتہ و تسلیمہ خمس غنائم افریقیہ لہ وقد بلغت مائتی دینارا" الملل و نحل مطبوعہ لندن ص ۱۴

خلیفہ عثمان نے مروان بن حکم کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اور ممالک افریقہ کا خمس اس کو دے دیا اور دو لاکھ درہم اس کو عنایت کئے۔

علامہ ابن ابی الحدید مخاطب بہ فاضل معتزلی شرح نہج البلاغہ میں ان کی ان داد و دہش کا جو اپنے گھر میں جاری فرمائی گئیں واقعہ یوں قلم بند کرتے ہیں۔

زبیر ابن بکار نے زہری سے روایت کی ہے کہ جس وقت ایک جواہر جواہرات بادشاہ کسریٰ سے حضرت عمر کے پاس لا کر رکھا گیا اور اس پر آفتاب پڑا تو وہ مثل انگار کے روشن ہو گیا عمر نے یہ دیکھ کر خازن بیت المال سے کہا وائے ہو تجھ پر جلد اس سے فراغت حاصل کر اور ابھی اس کو مسلمانوں پر تقسیم کر کیونکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ قریب ہے کہ اس کے باعث سے بلاؤ فساد لوگوں میں پڑے خازن نے کہا اے امیر ایک جواہر سب مسلمانوں پر کیونکر تقسیم ہو سکتا ہے نہ

کوئی ایسا ہے جو مول لے اور اس کی قیمت دے سکے لیکن ہم اس کو رہنے دیتے ہیں سال آئندہ تک شاید خدا مسلمانوں کو مال کثیر عنایت فرمائے اور ان میں سے کوئی اس کو مول لے لے حضرت عمر نے کہا اچھا اس کو جلد اٹھا لو جاؤ پس خازن نے بیت المال میں لا کر رکھ دیا اور وہ اسی طرح بعینہ رکھا جب عمر قتل ہوئے اور خلافت عثمان کو ہوئی تو اس نے جواہر لے لیا اور اس کو لے کر اپنی لڑکی کا زیور بنا دیا۔

اسی روایت کو علامہ ابن اسحٰق نے یوں لکھا ہے کہ وہ دانہ مروارید کا تھا جس کی قیمت تاجروں سے نہیں لگ سکتی تھی اپنی ایک لڑکی کو اور ایک مجمر سونے کا جو مرصع اور مکمل بجواہر تھا اپنی دوسری صاحب زادی کو عنایت فرمایا۔

ابو مخنف نے عبداللہ ابن ارقم کا ایک واقعہ یوں لکھا ہے کہ یہ حضرت عثمان کے زمانہ میں خازن بیت المال تھے خلیفہ عصر نے ان کو ایک مرتبہ ایک رقعہ لکھا اس کا مضمون یہ تھا کہ عبداللہ ابن خالد کو جو میرے عزیزوں میں سے ہے تین لاکھ درہم دے دو اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں ان کو بھی ایک ایک لاکھ دے دینا عبداللہ ابن ارقم نے اس نوشتہ کو نہ مانا اور ان لوگوں میں سے کسی کو کچھ نہ دیا تب عثمان نے عبداللہ ابن ارقم کو بلا کر کہا تو خزانہ دار میرے مال کا ہے تجھ کو لازم ہے کہ جو میں کہوں اس پر عمل کرو عبداللہ ابن ارقم نے جواب دیا کہ میں مسلمانوں کے مال کا خزانہ دار ہوں نہ تمہارے مال کا۔ تمہارے مال کا خزانہ دار تمہارا غلام ہوگا یہ کہہ کر بیت المال کی کنجیاں ان کے آگے پھینک دیں اور ایک قول کے مطابق منبر پر لٹکا دیں اور قسم کھائی کہ اب میں اس کو اختیار نہ کروں گا۔"

امام واقدی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عثمان نے زید ابن ثابت کو بیت المال کا خازن مقرر کیا تو ان کو حکم دیا کہ تین لاکھ درہم بیت المال سے لے جا کر عبداللہ ابن ارقم کو دے دو اور کہنا کہ یہ خلیفہ عصر نے تم کو دیا ہے جب زید عبداللہ کے پاس آئے اور وہ رقم ان کو دینے لگے تو عبداللہ نے جواب دیا کہ مجھ کو اس مال کی حاجت نہیں میں نے اس واسطے بیت المال کی خدمت نہیں قبول کی ہے کہ مزدوری لوں اگر یہ مال مسلمانوں کا ہے تو میں نے ان کا کوئی کام ایسا نہیں کیا ہے جس کی مزدوری تین لاکھ درہم قرار پائے اور اگر یہ مال خاص عثمان کا ہے تو میں

Presented by www.ziyaraat.net/

ہرگز نہیں چاہتا۔ ان کا نقصان ہو اور اس کے عوض میں وہ بیت المال سے لے کر وہ خرچ کریں۔

بلاد اسلامی میں عام ناراضی کے اسباب

ان واقعات کے سبب سے جن کو میں کسی قدر تفصیل سے اوپر لکھ چکا ہوں مملکت اسلامی میں خلافت کی طرف سے ناراضی اور شکایت پھیلنے لگی اس کے بعد ۲۰ ہجری میں بہت سے ایسے اصحاب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جن کے محامد و اوصاف پر تمام اہل اسلام کو اعتراف تھا قضا کر گئے اور تھوڑے عرصہ کے تفاوت سے عبداللہ ابن مسعود حضرت عباس ابن عبدالمطلب زبیر ابن عبداللہ اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے قضا کی۔

عبدالرحمٰن ابن عوف کے حالات کسی قدر لکھنے کے قابل ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ وہی بزرگ تھے جن کی وجہ سے حضرت عثمان پر خلافت اسلامی نے قرار پایا تھا اب وہی تھوڑے دنوں سے خلیفہ عصر اور ان کے عمال کے زنگ بیرنگ دیکھ کر کچھ ایسے بیزار ہوئے کہ قسم کھا گئے کہ تادم مرگ اس شخص سے (عثمان) ملاقات نہ کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ایک دن خلیفہ عصر ان کی عیادت کو خود تشریف لے گئے اور ان کی مزاج پرسی کی عبدالرحمٰن ابن عوف اپنے قول کے سچے تھے انہوں نے ان کی مزاج پرسی کی مطلق پرواہ نہ کی بلکہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر دوسری جانب کروٹ لے لی۔ ابوالفدا ص ۴۰۰۔

۳۱ ہجری میں سب سے پہلے اشراف کوفہ کے چہروں سے ناراضی کے آثار نمودار ہوئے اس کی وجہ یوں ہوئی کہ ولید ابن عقبہ جس کے تھوڑے حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں کوفہ سے تبدیل ہوا تو اس کی جگہ سعید ابن العاص مقرر ہوا انتظام ملکی بندوبست فوجی رفاہ دینی یا اصلاح قومی کو بالائے طاق رکھ کر پہلے تعمیر بیت الامارۃ کی طرف متوجہ ہوئے دار الامارۃ کوفہ میں اس وقت دروازہ نہ تھا ولید ابن عقبہ کے عہد تک یہی حالت رہی انہوں نے بیت المال سے پہلا خرچ یہی نکالا اور اپنی نشست گاہ کے سامنے نہایت مرتفع اور عظیم الشان دروازہ بنایا م۔ حکومت پر بیٹھے تو اس نخوت اور رعونت کے ساتھ کہ اب کسی اشراف یا رئیس شہر سے کلام کرنا کیا معنی اس کی

طرف نظر بھی نہیں کرتے اشراف کوفہ سے ایک دن انہیں بے اعتدالیوں پر نزاع ہوگئی اور وہ لوگ اس کی بے التفاتیوں سے رنجیدہ ہو کر شکایت کرنے لگے بات بڑھ گئی سعید ابن العاص نے ان لوگوں کی شکایت مدینہ میں خلیفہ عصر کو لکھ بھیجی وہاں سے حکم آیا کہ ان لوگوں کو معاویہ کے پاس بھیج دو حسب الحکم اشراف کوفہ میں سے چھ آدمی شام کی طرف بھیج دیئے معاویہ نے ہرچند ان کو ڈرایا دھمکایا مگر وہ لوگ اس تہدید کو مطلق خیال میں نہ لائے آخر انہوں نے تنگ ہو کر خلیفہ عصر کو لکھ بھیجا وہاں سے جواب آیا کہ ان لوگوں کو عبدالرحمٰن ابن خالد کے پاس حمص روانہ کرو حسب الحکم پھر یہ حمص میں شام سے بھیج دیئے گئے جب حمص میں داخل ہوئے تو عبدالرحمٰن ابن خالد نے ان کو بیت الامارۃ میں بھی نہ آنے دیا اور اسی وقت خلیفہ عصر کو لکھ بھیجا۔ **لا یصلح الخیر یصلحه الشتر** جو اپنے ساتھ نیکی نہ کرے اس کے ساتھ بدی کرنا چاہئے اگر مجھ کو آپ حکم دیں تو میں ان کی کامل سزا کر دوں حضرت عثمان نے لکھ بھیجا کہ تم جو چاہو کرو اختیار ہے ایک مہینہ کے بعد جب مدینہ سے اس کی عرضی کا جواب آگیا تب اس نے ان لوگوں کو بلایا بیٹھنے تک کی اجازت نہ دی یہ بیچارے کھڑے کے کھڑے رہ گئے اس دن تو ان سے کچھ نہ پوچھا اور واپس کر دیا اب روز کا یہی دستور ہوگیا دربار میں بلائے جاتے ہیں۔ حاضر رہتے ہیں برخاست کے وقت بلا استفسار پھر واپس جاتے ہیں ابھی ان کے لئے عبدالرحمٰن ابن خالد کے دربار سے کچھ بھی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ مملکت اسلامیہ میں فساد پھیل گیا عبدالرحمٰن کو خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے ان کو کون پوچھتا ہے یہ لوگ وہاں سے کسی نہ کسی طرح چھوٹ کر پھر کوفہ آگئے تاریخ طبری جلد چہارم ۵۲۸۔

معززین اسلام کی اس ذلت کی خبر ملک میں چاروں طرف پھیل گئی عراق میں تمام خلیفہ عہد کی مخالفت کی سرگوشیاں ہونے لگیں اشراف کوفہ نے ایک بہت بڑا نصیحت نامہ لکھ کر خلیفہ عصر کی خدمت میں کعب ابن ابی کی معرفت بھیجا مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی کوفہ اور بصرہ ہی پر منحصر نہیں ہے اب تو چاروں طرف سے عمالوں کی شکایت مدینہ میں آنے لگی خلیفہ عصر خاموش تھے کل کاروبار تو مروان کے ہاتھ میں جن کے یہ سارے سامان موجود کئے ہوئے تھے وہ اپنی بنائی ہوئی بات کو کیسے بگاڑ دیں ہاں اگر مروان ایسے ہی مجبور ہوگئے تو اتنا البتہ کیا کہ ایک بنی امیہ کو شطرنج کی

سیدہ سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

گوٹ کے ایسا ایک جگہ سے اٹھایا۔ پھر دوسرے بنی امیہ کو اس کی جگہ پر بٹھا دیا مسٹر جسٹس مولوی سید امیر علی خان بالقابہ سی آئی سی اس خلافت کی بدنظمیوں کی نسبت اسپرٹ آف اسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم اس تفریق کے حسرت ناک واقعات جس نے اسلام کے موجودہ دنیا میں دو فرقے کر دیئے بیان کریں گے۔ یہ واقعات حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں واقع ہوئے نہ ان میں حضرت ابوبکر کی صداقت تھی نہ حضرت عمر کی ایسی قوت ذہنی ان کی سادگی اور نرم مزاجی نے ان کو اپنے اقربا کے ہاتھوں ہمیشہ ایک لٹیا جانے والا ہتھیار بنا رکھا تھا خلیفہ عصر کو چاروں طرف ان کے بھوکے اقربانے گھیر رکھا تھا تمام ملک اصلاح پذیر ہو رہا تھا۔

عموماً بنی امیہ تمام ملک پر بھوکی جونگوں کی طرح چمٹے ہوئے تھے اور مال و دنیاوی بیرحمی اور زبردستی سے جمع کر رہے تھے مدینہ میں چاروں طرف سے شکایتیں آرہی تھی لیکن یہ شکایتیں صرف سخت کلامی اور گالیاں دے دے کر اٹھادی جاتی تھیں اسپرٹ آف اسلام ص ۷ ۴۳

بہرحال اس کے بعد اور ایک واقعہ پیش آیا یہ بھی شدنی یہ بھی اتفاق حضرت عثمان کے ہاتھ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک انگوٹھی تھی جس پر دو سطریں عبارت محمد الرسولؐ لکھا تھا یہ انگوٹھی سن ۸ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے تیار کرائی تھی اور مراسلات وغیرہ پر بطور مہر کے ثبت کی جاتی تھی جناب رسالت مابؐ کے بعد یہ دونوں خلافتوں تک موجود رہی اور برابر احکام اور مراسلات وغیرہ اسی سے کام لیا جاتا تھا حضرت عمر کے بعد یہ انگوٹھی ان کے ہاتھ میں آئی پانچ سات برس تک ان کے پاس بھی رہی اتفاقاً آپ کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں جاتی رہی جس کے کنارے پر یہ بیٹھے ہوئے تھے ہرچند تلاش کی گئی نہ ملی۔ طبری جلد چہارم ۵۱۔

سقوط الخاتم کے واقعہ نے اہل اسلام کے اس خیال کو اور اشتعال دیدی کہ حضرعت عثمان اب خلافت نبوی کے قابل نہیں رہے اہل اسلام صرف اس بات کے منتظر تھے کہ خاص دار الامارۃ کے خاص باشندوں کا استمزاج لے لیں اور باقی ماندہ صحابہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رائے پالیں تو اپنی آزادی کے قدم باہر نکالیں مدینہ النبیؐ کے خاص باشندے اور آنحضرتؐ

ے باقی ماندہ اصحاب تو روز روز کی کیفیت دیکھ کر آنکھوں سے اشک حسرت ٹپکا رہے تھے اب وہ بھی بیرونجات کے رنگ برنگ دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے ایک نے دوسرے کو خط لکھے بیرونجات میں بعض صحابہ نے اس مضمون کے خط بھیجے کہ میرے پاس چلے آؤ کیونکہ جہاد ہمارے پاس ہے ابوالفدا۔ ابن اثیر۔

ان لوگوں نے رفتہ رفتہ مسجد نبویؐ کی صحبت اور دربار خلافت کی شرکت بھی یک قلم ترک کر دی اور مملکت کے صلاح و مشورے سے بالکل ہاتھ کھینچ لیا یہ امور ایسے نہیں تھے جو مدینہ سے باہر رہنے والوں پر پوشیدہ رہتے وہ لوگ جو بہت دنوں سے اس کے منتظر بیٹھے تھے دارالامارۃ کے باشندوں کا پورا استمزاج پا کر بیتاب ہوگئے سب سے پہلا گروہ جو خلیفہ عصر کے خلاف آمادہ ہو کر آیا وہ کوفہ والوں کا تھا ان کے بعد ہی ایک دوسرا گروہ مصر سے پہنچ گیا اس وقت تک ان کی شکایت صرف اپنے اپنے عمالوں کی نسبت تھی کہ یہ ان کی ناپسندیدہ اور قبیح حرکتوں سے تنگ آگئے تھے ان کی یہ آمادگی دیکھ کر خلیفہ عصر کو نہایت انتشار ہوا اور ان لوگوں سے ایسے نازک وقت میں صلاح و مشورے کی ضرورت واقع ہوئی مروان کی قابلیت اس وقت کیا کر سکتی تھی اور کچھ یہ کام بھی کرنے والے ہوتے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی جان کیوں تہلکہ میں ڈالتے اتفاق سے معاویہ ابن ابوسفیان بھی اس وقت مدینہ میں موجود تھے۔ کہنے لگے کہ ہر عامل اپنے اپنے صوبوں کی بطور خود حفاظت کرے ہم اپنے ملک شام کی فکر آپ کرلیں گے چند دنوں کے بعد دارالامارۃ اسلامی کو پر آشوب پا کر انہوں نے اپنا زیادہ قیام وہاں مناسب نہ سمجھا شام کا قصد کیا خلیفہ عہد سے ملنے لگے تو تسکین و تشفی کے لئے کہنے لگے کہ میری رائے میں تو یہ آتا ہے کہ آپ مدینہ النبیؐ کو خیرباد کہہ کر میرے ہمراہ شام چلے چلیں اور وہیں باآرام تمام رہیں خلیفہ عصر نے جواب دیا کہ میں جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر مطہر کو چھوڑ کر کہاں جاسکتا ہوں معاویہ کو اتنی فرصت کہاں کہ دیر تک ان کی سنتے یا اپنی کہتے وہ دو باتیں کرکے خلیفہ عصر سے رخصت ہوئے باہر آئے تو طلحہ زبیر اور جناب علیؑ مرتضیٰ سے ملاقات ہوئی ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ میں اس پیر مرد (عثمان) کو آپ لوگوں کے سپرد کرتا ہوں جیسا آپ کے کرم و علم میں آئے کیجئے گا یہ کہہ کر شام کی راہ لی اور اپنے مہربان اور محسن خلیفہ کو جس کی

Presented by www.ziyaraat.net/

وجہ سے سریر مملکت پر بیٹھنے کا اعزاز ملا تھا ہزاروں آدمیوں کے محاصرے میں تنہا مجبور اور محصور چھوڑ دیا۔

مدینہ میں بغاوت

دو تین دن تو باغی گروہ ادھر ادھر شہر میں پھرتے رہے آخر کار ایک دن دونوں جگہوں کے (مصر و کوفہ) یکجا ہو کر مسجد نبویؐ میں آئے ان لوگوں میں عمر عاص بھی ضرور تھے جب ان لوگوں نے تقریر شروع کی اور خلیفہ نے اس کے جواب میں اپنی رائے کے مطابق گفتگو کی تو اسی اثنا میں عمر عاص نے خلیفہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے عثمان ہیچ کس نماند اندر مدینہ کہ تو باایشاں زشتی نکردے از یاران پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و مرداں از جور تو و عمال تو می نالند یا عمال را معزول کن یا بگو کہ من از بیعت بیزارم تابر۔ تاریخ طبری جلد چہارم ص ۵۳۱۔

حضرت عثمان نہایت خائف ہوئے اور کہنے لگے کہ اے ابوالحسنؑ آپ میرے عزیز ہیں ہمارا آپ پر حق ہے اگر میری اعانت نہ فرمائیں گے تو گویا آپ اپنے حقوق کی محافظت نہ کریں گے یمن نے اپنے زمانہ میں کوئی امیر مغیرہ ابن شعبہ سے بدتر نہیں مقرر کیا جناب علی مرتضیٰؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ حضرت عمر نے بیشک مغیرہ ابن شعبہ کو کوفہ کی امارت دے دی مگر اس کو پھر شکنجہ تادیب میں ایسا کھینچا اور اس کی گردن پر اپنا پاؤں اس مضبوطی سے رکھا کہ پھر وہ کسی طرح سر نہ اٹھا سکا بخلاف تمہارے کہ تم نے ہزاروں تکلیفیں معاویہ اور مروان کے ہاتھوں اٹھائیں مگر پھر اس کو شام پر مستقل کر دیا اور ایسا خود سر اور مختیار کر دیا کہ وہ اس ملک میں جو چاہے کر سکتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں میں تم کو یہی صلاح دیتا ہوں کہ جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں اور جو جو شکایتیں پیش کریں تم ان سے انکار نہ کریں اور نہایت نرمی سے ان امور کی نسبت ان سے وعدہ کرنا۔ کہ ان کے شکستہ دل پھر تمہاری طرف مل جائیں طبری جلد چہارم ص ۵۳۱۔

حضرت عثمان گھر سے مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اس وقت اہل اسلام کی وہ کثرت تھی کہ تمام راستے بند تھے اور مسجد رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کہیں قدم دھرنے کی جگہ نہ تھی مروان کی صلاح سے حضرت عثمان نے ایک مختصر سا خطبہ پڑھا مگر کوئی شنواری نہیں ہوا اس مجمع میں بھی سب سے پہلے عمر ابن العاص اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اے خلیفہ خدا سے ڈر

اور توبہ کر تو میں تجھ کو ان لوگوں سے رہائی دلوا دوں حضرت عثمان نے عمر عاص کی بات کا صرف اتنا ہی جواب دیا تھا کہ تم کو مجھ سے توبہ کرانے کا کیا حق حاصل ہے اتنے میں مسجد کے چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ اسے امیر توبہ کرو اب تو ان مختلف آوازوں نے ان کو گھیر لیا ان کا اضطرار ایسا بڑھا کہ تمام بدن پسینہ میں غرق ہوگیا بالآخر کہا۔

اللھم انی اتوب الیک فانک ولی فتولیھا ○

تاریخ طبری جلد چہارم ص ۵۳۷

اس کے بعد خلیفہ عصر گھر میں چلے گئے ناراض مسلمانوں کا گروہ خلیفہ عصر کی معذرت پر کسی قدر پسیجا تھا اور ان کے خیال ان کی طرف سے اچھے ہونے لگے تھے ان لوگوں نے خلیفہ عصر سے ملاقات کرنے کی آپس میں صلاح کی اور اسی غرض سے خلیفہ کے مکان پر حاضر ہوئے مروان تو ہر وقت کے دربان تھے ان کے اذن طلب کرتے ہی آگ ہوگئے اس مجمع کو اس قدر گالیاں دیں اور ایسے سخت کلام سنائے کہ وہ پریشان اور آزردہ ہو کر الٹے پاؤں پھر آئے اور مخالف اور خصوصیت جو کسی قدر ان کے دلوں سے زائل ہو چکی تھی پھر اس شدت کے ساتھ زندہ ہوگئی۔ طبری ۵۳۷

ان آزردہ خاطر اور شکستہ دل مسلمانوں نے پھر اسی طرح اپنی مخالفت اور بغاوت کے اظہار شروع کئے بلکہ پہلے سے زیادہ اب کی بار شدت کرنے لگے حضرت عثمان نے جناب علی مرتضیٰؑ سے پھر صلاح لی تو آپ نے ان کو یہ صلاح دی کہ پہلے تم مصر والوں کے کہنے کے مطابق ان کی رفع شکایت کر دو کیونکہ وہ تم سے بہت دور رہتے ہیں اور سب سے پہلے وہی اصلاح کے مستحق ہیں اور ان کی اصلاح اس سے بہتر اور مناسب نہیں ہوسکتی کہ عبداللہ ابن سرح معزول کر دیا جاوے اور اس کی جگہ محمد ابن ابی بکر امیر مصر مقرر کئے جائیں تمام اہل اسلام کے اطمینان کے لئے یہ تغیر و تبدل کافی ہو جائیگا۔

حضرت عثمان نے پسند کر کے تمام اہل اسلام کے سامنے اس کا اعلان کر دیا اور دو احکام ایک عبداللہ کے نام اس کی معزولی کی نسبت دوسرا محمد کے نام اس کی ماموری کے متعلق لکھ کر مصر والوں کے حوالے کر دیئے مصر والے خلیفہ عصر کے اس جدید انتظام سے بالکلیہ مطمئن ہو کر

Presented by www.ziyaraat.net/

اپنے اپنے مقام پر واپس آئے ان کا اطمینان دیکھ کر کوفہ والوں کی سرگومی بھی ٹھنڈی ہوگئی مصر والے دوسرے دن اپنے نئے عامل محمد ابن ابی بکر بن ۔ کے ہمراہ مصر کی طرف واپس ہوئے۔

ادھر اسی دن مروان نے ایک دوسری چال چلی اور اپنی سوء تدبیری سے ایسی بلائے عظیم کی بنیاد ڈالی کہ پھر اس کی اصلاح قطعی ناممکن ثابت ہوگئی مروان نے اسی وقت عبداللہ ابن ابی سرح کو ایک دوسرا خط اس مضمون کا لکھا کہ مصروالوں نے یہاں آکر مجھ کو پریشان کیا اور تمام شہر میں فتنہ و فساد مچایا میں نے صرف ان سے بچنے کے لئے محمد کو مامور اور تم کو معزول کیا ہے پس جس وقت یہ لوگ تمہارے پاس پہنچیں تو تم ان کو مار ڈالو یہ خط خلیفہ عصر کی طرف سے لکھا گیا اور لفافہ پر انہیں کی مہر بھی چسپاں کر دی اور یہ خط خفیہ طور پر سے حضرت عثمان کے ایک غلام کی معرفت عبداللہ ابن سرح کے پاس مصر روانہ کیا۔ ابو الفداء ۴۱۰ طبری مصریوں کو یہ غلام ان کی دوسری منزل پر ملا یہ لوگ اس کو آتا دیکھ کر تھوڑی دیر تک ٹھہرے رہے مگر وہ نہ ٹھہرے اس سے انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے انہوں نے اس کو روک رکھا بہت استفسار کے بعد اس نے کہا میں حضرت عثمان کا غلام ہوں۔ مصر جاتا ہوں یہ سن کر شک ہوا انہوں نے اس سے اس کے جانے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں ایسے کام کے لئے جاتا ہوں کہ تمہیں بتلا نہیں سکتا اب ان کا شک اور بڑھ گیا انہوں نے اس کی تلاشی لی یہاں تک کہ اس کی مشک سے وہی خط نکلا جس کا مضمون ہم ابھی ابھی اوپر لکھ آئے ہیں۔

یہ خط پڑھ کر مصریوں پرہ اضطراب طاری ہوا کہ پھر ان کے قدم آگے نہ بڑھ سکے ان کے دل تو سالہا سال سے خلیفہ عمر کی طرف سے پھرے ہوئے تھے اس حرکت پر تو وہ اور بھی خلاف ہوگئے اب اپنے آپ میں وہ نہ رہ سکے جان بہت بری شے ہے اگر وہ مصر پہنچ جاتے او راس خفیہ خط کے مضمون سے آگاہ نہ ہوتے تو کیا ہوتا شاید دارالامارۃ مصر میں پہنچتے ہی ایک کی بھی جان نہ بچتی۔

اب ایسی حالت دیکھ کر ان میں تحمل کہاں سب کے سب الٹے پاؤں مدینے پھر سے راستے میں کوفہ اور بصرہ والوں سے ملاقات ہوئی ان کو بھی یہ کیفیت معلوم ہوگئی تو وہ بھی ان کے ہمراہ

ہوگئے اور اب بار دیگر یہ گروہ اور قافلہ کا قافلہ اسی طرح مدینے میں داخل ہوگیا ان لوگوں نے وہ دونوں حکمنامے اور یہ تیسرا خط ایک ہی تاگے میں باندھ کر ایک علم میں نصب کر دیا تاکہ عامتہ المسلمین اس کے حقیقت احوال سے واقف ہو جائیں۔

آخر کار دربار خلافت میں یہ امر پیش ہوا۔ مصریوں نے خلیفہ عصر سے درخواست کی کہ اگر یہ تیسرا خط آپ کی اجازت سے لکھا گیا ہے تو آپ اس کا جواب دیں اور اگر آپ کی لاعلمی میں لکھا گیا ہے اور مروان نے لکھا ہے تو آپ مروان کو قتل کریں حضرت عثمان نے جواب دیا کہ قسم خدا کی میں اس کے احوال سے مطلق واقف نہیں اس میں شک نہیں کہ یہ میری مہر ہے مگر نہ یہ نوشتہ میرا ہے اور نہ میں نے کسی سے اس خط کے لکھنے کے لئے کہا ہے اگر یہ مروان نے لکھا ہے تو اس کو صرف اس حرکت پر میں قتل نہیں کر سکتا اس یک طرفہ فیصلہ نے ان کے غیظ و غضب کے شعلوں کو اور بھی مشتعل کر دیا سب کے سب دربار خلافت سے خاموش مگر سخت ناراض ہو کر چلے گئے مدینہ کے باہر اپنے پڑاؤ ڈال دیئے اور سب نے خلیفہ عہد کے خون کو اپنے اوپر حلال سمجھ لیا پھر کیا تھا مدینے میں وہی پریشانی تھی شہر کے دروازے بند ہوگئے جدھر دیکھو مصری ہیں' کوفی ہیں' بصری ہیں رعایا خوف سے گھروں میں روپوش ہوگئی شہر میں ایک کی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی گلیوں میں فتنہ تھا کوچوں میں فساد تھا خلیفہ عہد کی جان پر آبنی تھی گھر میں مسجد سے زخم تیر کھا کر کسی نہ کسی طرح آدمیوں کے سہارے پہنچے مروان نے حالت دیکھ کر افسوس تو نہ کیا بلکہ نہایت بے خوفی سے کہنے لگے کہ اگر ہم جانتے تو کبھی اس غلام کو اس راستے سے نہ بھیجتے بلکہ دریا کی راہ سے روانہ کرتے کہ اس سے ملاقات بھی نہ ہوتی۔ تاریخ طبری جلد چہارم ص ۵۳۸

مروان کی ان سوء تدبیرونکی کچھ حد نہ تھی ایک خطا ہو تو درگذر کی جائے ایک گناہ ہو تو چشم پوشی کر لی جائے یہاں جو کام کیا جاتا ہے وہ تمام اصولوں کے خلاف دیانت سے واسطہ نہیں صداقت سے سروکار نہیں چالاکی سفا کی اور خود غرضی کے خیالوں میں نہ اسلام کی ذلت کا خیال ہے نہ خلیفہ کی رسوائی کا آخر ان زیادتوں کا نتیجہ سوائے مضرت کے اور کیا ہونے والا تھا وہ مستغیت اسلام جو بیرو نجات سے اپنے عاملوں کی شکایت اور مروان کی چالوں سے عاجز آکر خلیفہ عہد کی خدمت میں اپنی دادرسی کی غرض سے آئے تھے ان کے ساتھ مروان نے جیسے جیسے

Presented by www.ziyaraat.net/

سلوک کئے وہ میں تفصیل کے ساتھ ایک ایک کرکے لکھ چکا بیرونجات کے علاوہ خاص مدینہ والوں کے ساتھ اور مروان خاص کر ان لوگوں کے ساتھ جن کو سابق سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور صحبت کا شرف حاصل تھا کیسے نازیبا اور ناگفتہ بہ سلوک روا رکھے گئے۔

اب ان مستغیثوں کی جان پر آبنی مروان نے تو صاف طور سے قتل عام کے حکم نامے پر خلیفہ عصر کی مہر لگا دی جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب کی بار ان لوگوں نے واپس آکر خلیفہ عصر کا گھر گھیر لیا جس میں مروان پوشیدہ تھے جب خلیفہ عہد نے کسی طرح مروان کو ان کے سپرد نہ کیا جیسا وہ چاہتے تھے تو اب انہوں نے مروان کو چھوڑ کر خلیفہ کے قتل کو لازم ٹھہرایا اور اپنے محاصرہ میں یہاں تک شدت کی کہ نہ اندر سے کسی کو باہر نکلنے دیتے تھے اور نہ کسی کو باہر سے اندر جانے دیتے تھے۔"

محصورین میں ایک حضرت عثمان دوسرے مروان اور تیسرے ابن سعید ابن العاص اور خلیفہ کے چند غلام بتائے جاتے ہیں ان کے سوا اہل السلام میں اور کوئی دوسرا ایسا نہیں پایا جاتا جو ایسے نازک وقت میں ان کا شریک اور معین دکھلایا جاتا ہو اہل مدینہ میں سے کسی نے ان کی خبر نہ لی عثمان ان قضیوں کے بعد ایک رات کو جناب علی مرتضیٰؑ کے پاس گئے اور اپنی ساری روداد بیان فرما کر اس سے اپنے متعلق کچھ امداد بھی چاہی تھی مگر جناب علی مرتضیٰؑ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے اب مروان کی شرارت کو سن کر اس امر پر تصفیہ کر لیا ہے کہ اب میں تمہارے کسی امر میں کسی قسم کی مداخلت کبھی نہ کرونگا اور نہ تمہارے گھر جاؤنگا اس کی وجہ یہ ہے کہ مروان تمہارے مزاج پر پورے طور سے حاوی ہو چکا ہے اور اس کی سبب سے تمہارے لئے سوائے مضرت کبھی منفعت نہیں ہوئی۔ تاریخ طبری جلد چہارم ص ۵۳۸ جناب علی المرتضیٰؑ تو اب بالکل خاموش ہو بیٹھے مگر پھر اخیر وقت میں جب ان محصورین کی آہ و فریاد اور ان کی اندوہناک مصیبتیں ان کی چشم مروت سے نہ دیکھی گئیں تو آخر کار اکثر مورخین کا بیان ہے کہ آپ نے اپنے بڑے صاجزادے حضرت امام حسن علیہ السلام کو عثمان کی امداد میں بھیج دیا تھا۔ ابو الفداص ۴۱۱ طبری جلد چہارم ۵۲۴۔

حضرت امام حسنؑ کے بھیج دینے میں یہ بھی ایک بہت بڑی مصلحت پوشیدہ تھی کہ محض خانہ نشینی سے اس تاریک زمانے میں یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ حضرت علیؑ در پردہ باغیوں سے ملے ہیں اور گھر بیٹھ کر خلیفہ عصر کے قتل میں تحریک کرتے ہیں صفائی کے لئے آپ نے اپنی طرف سے اپنے صاجزادے کو بھیج دیا۔

ان مخالفین کا غیظ و غضب رکنے والا نہیں تھا اور ان کی آتش مخاصمت اب ایسی بڑھ رہی تھی جو کسی تدبیر سے ٹھنڈی نہ پڑتی۔ ایک ہفتہ سے کئی ہفتہ ہوگئے اور اس محاصرہ کی یہی کیفیت رہی آخر کار ۱۲ ذی الحجہ کو سات آدمی دیواریں پھاند کر خلیفہ کے مکان میں گھس گئے اس میں شک نہیں کہ لوگوں میں محمد ابن ابی بکر بھی شامل تھے انہوں نے خلیفہ عصر سے کچھ سخت کلامی بھی کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اس وقت عبداللہ ابن معیط مروان ابن الحکم اور معاویہ ابن ابوسفیان تمہارے کیا کام آسکتے ہیں مگر اس کہنے پر خلیفہ نے انہیں متنبہ کیا اور وہ وہاں سے واپس گئے روضتہ الصفا جلد دوم طبری جلد چہارم ص ۵۴۳۔

ان کے واپس آنے پر مصر والوں میں سے کنانہ ابن بشیر اسی طرح دیوار پھاند کر گھر میں اترا اس کے جانے پر عافقی عبدالرحمٰن اور قسصرہ وغیرہ یہ کہتے ہوئے ساتھ ہوئے کہ انکو نہ مارو وہم کو ان کے خون کی خواہش نہیں جب یہ لوگ خلیفہ کے قریب پہنچے تو عرض کی کہ آپ کاروبار خلافت سے دست بردار ہو جائیں خلیفہ نے جواب دیا کہ مجھ کو خدا نے اس اعلیٰ منصب پر مقرر کیا ہے سوائے اس کے دوسرا مجھ سے اس کو نہیں لے سکتا جواب سنتے ہی ان لوگوں نے خلیفہ عہد پر حملہ کیا طبری کنانہ بن بشیر کو اور روضتہ الصفا عافقی مصری کو عثمان ابن عفان کا قاتل قرار دیتے ہیں زخم شمشیر کے بعد قسصرہ اور اسود نے ان کی بقیہ جان کو بھی بہت جلد ختم کر دیا مروان سعید ابن العاص بھی وہیں موجود تھے ظاہر ہے ان لوگوں کی ثروت و دولت حشمت جو کچھ کہئے وہ حضرت عثمان ہی کی وجہ سے ہوئی تھی ورنہ قبل اس کے نہ ان کو کوئی خلافت اول ہی میں جانتا تھا نہ خلافت ثانی میں مگر با ینہمہ ان کی ہمت ان کی حیا اور ان کی وفا منہ دیکھتی ہی دیکھتی رہ گئی اور دشمنوں نے خلیفہ کی غریب جان کا خاتمہ کر دیا تلوار نکال کر سامنا کیا ان سے تو للکارا بھی نہ گیا۔

مروان کی خاموشی تو اور ہی قیامت کی خاموشی تھی انہیں کی وجہ سے خلیفہ کو یہ برے دن

Presented by www.ziyaraat.net/

نصیب ہوئے اس وقت تو ان کی حیا داری اپنے ایسے شفیق اور سرپرست آقا کی پاسداری کرتی اور غیرت کا مقتضی تو یہی تھا کہ مظلوم خلیفہ کی جان پر اپنی جان بھی قربان کر دیتے۔ مدار لہام اور مقربین سے اچھے تو گھر کے غلام نکلے جو دو دو ہاتھ دشمنوں سے لڑے اور زخمی بھی ہوئے اور تھوڑا بہت اپنے آقا کا حق نمک تو ادا کر لیا ان سے کیا ہوا مروان پر منحصر نہیں حضرات بنی امیہ کی تمام چالیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں وقت پر حریف کے مقابل میں کسی دوسرے کو کھڑا کر دینا اور خود چوٹ بچا جانا ان کا فطرتی مادہ ہے۔

ان کے علاوہ عمر ابن العاص جو تھوڑے زمانہ کے بعد حضرت عثمان کے خون کے دعویدار نکلے ان کے خیال خلیفہ کی طرف کیسے تھے مسجد نبویؐ میں خلیفہ عصر کے ساتھ جن گستاخانہ برتاؤ سے یہ پیش آئے اس کو تم اوپر پڑھ آئے ہو ان کے قتل ہو جانے پر بھی ان کو مطلق درد نہ آیا بلکہ دل کھول کر خوشی کی علامہ طبری تحریر کرتے ہیں۔

بہ قتل عثمان ہیچ کس شادی نہ کرو مگر ابن العاص اور اگفتند عثمان رضی اللہ عنہ را بکشتند گفت **قد نصرت الغز والمکراہ فی النار والسا صدقت علیہ الحافر والعادی القاعد والقائم وانی ہلکت فرحۃ دمھا** طبری جلد چہارم ص ۵۴۴

ان کے مقابلہ میں تم جناب علی مرتضیٰؑ کے شریفانہ اور مخلصانہ برتاؤ کو دیکھو کہ باوجود ان تمامی امور کے علی مرتضیٰؑ نے ان کیساتھ اپنے مہربانہ سلوک ہمیشہ قائم رکھے اپنا پارہ جگر ان کے پاس بھیج دیا چنانچہ خلیفہ عصر کے قتل والے دن حضرت امام حسنؑ ان کے دشمنوں سے کسی قدر مزاحم بھی ہوئے تھے جس کے باعث ان کو جسمانی صدمہ بھی اٹھانا پڑا۔

حضرت عثمان بن عفان

نام عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ابن عبد مناف بن قصی تھا' ان کی والدہ اروئی بنت کریز بن ربیعہ ابن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں' اروئی کی والدہ ام حکم تھیں جن کا نام البیفا بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی تھا۔

زمانہ جاہلیت میں عثمان کی کنیت ابو عمرو تھی' جب اسلام کا ظہور ہوا تو رقیہ سے ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا اور اسی نام سے اپنی کنیت رکھ لی' مسلمانوں نے انہیں ابوعبداللہ کی کنیت سے پکارا۔ عبداللہ چھ سال کے ہوئے تو مرغی نے ان کی آنکھوں میں چونچ مار دی جس سے وہ بیمار ہوئے اور جمادی الاولیٰ سن ۴ ھ میں انتقال کر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان پر نماز پڑھی اور ان کی قبر میں عثمان بن عفان اترے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۶ سطر ۴

آل عثمان

حضرت عثمان کی اولاد میں سوائے عبداللہ بن رقیہ کے' عبداللہ اصغر تھے' جو لاولد مر گئے' ان کی والدہ فاختہ بنت غزوان ابن جابر بن سیب بن وہیب بن زید بن مالک بن عبد عوف ابن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان تھیں۔

پانچ بچے عمرو' خالد' ابان' عمرو مریم تھے' ان کی والدہ ام عمرو بنت جندب بن عمرو بن حممہ بن الحارث بن رفاعہ بن سعد بن ثعلبہ ابن لوئی بن عامر بن غنم بن و ہمان بن منہب بن دوس قبیلہ ازد میں سے تھیں۔

ولید بن عثمان' سعید اور ام سعید کی والدہ بنت الولید ابن عبد شمس بن مغیرہ عبداللہ بن عمرو بن مخزوم تھیں۔

عبدالملک بن عثمان لا ولد مر گئے' ان کی والدہ ام البنین بنت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری تھیں۔

مریم بنت عثمان کی والدہ نائلہ بنت الفرا فصہ بن الاحوص ابن عمرو بن ثعلبہ بن الحارث بن

Presented by www.ziyaraat.net/

حصن بن ضمضم بن عدی بن خباب قبیلہ کلب میں سے تھیں۔

ام البنین بنت عثمان کی والدہ ام ولد تھیں' یہ وہی تھیں جو عبداللہ ابن یزید بن ابی سفیان کے پاس تھیں۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۶ سطر ۱۲

قبول اسلام

یزید بن رومان سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان اور طلحہ بن عبید اللہ زبیر بن العوام کے نشان قدم پر نکلے' دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس گئے' آپؐ نے دونوں پر اسلام پیش کیا' انہیں قرآن پڑھ کر سنایا' حقوق اسلام سے آگاہ کیا اور اللہ کی جانب سے بزرگی کا وعدہ کیا تو دونوں ایمان لے آئے اور تصدیق کی۔

عثمان نے کہا یا رسول اللہ میں حال ہی میں شام سے آیا ہوں' ہم لوگ معان اور الزرقا کے درمیان قریب قریب سو رہے تھے کہ ایک منادی ہمیں پکارنے لگا کہ اے سونے والو جلدی ہوا کہ طرح چلو' کیونکہ احمدؐ مکے میں آگئے' یہاں آئے تو ہم نے آپؐ کو سنا۔

عثمان کا اسلام قدیم تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے دار الارقم میں داخل ہونے سے پہلے آپ مسلمان ہوئے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۷ سطر ۷

قبول اسلام پر حضرت عثمان پر جبر و تشدد

موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب عثمان بن عفان اسلام لائے تو انہیں ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے گرفتار کر لیا۔ انہیں رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ کیا تم اپنے باپ دادا کے دین سے نئے دین کی طرف پھرتے ہو' واللہ میں تمہیں کبھی نہ کھولوں گا' تاوقتیکہ تم اس دین کو ترک نہ کرو' جس پر ہو' عثمان نے کہا واللہ میں اسے کبھی ترک نہ کروں گا اور نہ اس سے ہٹوں گا' جب الحکم نے اپنے دین میں ان کی سختی دیکھی تو انہیں چھوڑ دیا۔

طبقات ابن سعد جلد نمبر ۳ سطر ۱۵

حضرت عثمان کی ہجرت حبشہ

لوگوں نے بیان کیا کہ عثمان ان لوگوں میں سے تھے' جنہوں نے مکے سے ملک حبشہ کی

طرف ہجرت والی اور ہجرت ثانیہ کی ان دونوں میں ان کے ہمراہ ان کی بیوی رقیہ بھی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں لوطؑ کے بعد سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی طرف ہجرت کی۔

محمد بن جعفر بن الزبیر سے مروی ہے کہ جب عثمان نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی تو وہ بنی النجار میں اوس بن ثابت برادر حسان بن ثابت کے پاس اترے۔

عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینے میں مکانات عطا کئے تو اس دن عثمان بن عفان کے مکان کا خط کھینچ دیا' کہا جاتا ہے کہ وہ کھڑکی جو اس روز عثمان کے مکان میں تھی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازے کے سامنے تھی وہ وہی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب عثمان کے مکان میں جاتے تھے تو اس سے نکلا کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۷ سطر آخر

حضرت عثمان کا حضرت ابن عوف سے عقد مواخاۃ

موسیٰ بن محمد بن ابراہیم نے اپنے والد سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان عقد مواخاۃ کیا' کہتے ہیں کہ عثمان اور اوس ابن ثابت ابی شدا دبن اوس کے درمیان عقد مواخاۃ کیا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان اور ابی عبادہ سعد بن عثمان الزرقی کے درمیان عقد مواخاۃ کیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۸ سطر ۹

مدینہ میں نیابت رسول اللہؐ

ابی الحویرث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع میں مدینے پر عثمان بن عفان کو خلیفہ بنایا' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غزوہ غطفان میں جو نجد کے مقام ذی امر میں ہوا تھا انہیں مدینے پر خلیفہ بنایا تھا۔

یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی شخص کو ایسا نہیں دیکھا کہ جب وہ حدیث بیان کرے تو اسے عثمان بن عفان سے زیادہ پورا کرے اور اچھی طرح بیان کرے' البتہ وہ ایسے شخص تھے جو حدیث بیان کرنے سے ڈرتے تھے۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۸ سطر آخر

Presented by www.ziyaraat.net/

حضرت عثمان کا لباس

محمود لبید سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان کو ایک خچر پر اس حالت میں سوار دیکھا کہ ان کے جسم پر دو زرد چادریں تھیں اور ان کے دو کاکل تھے۔

عبدالرحمٰن بن سعد مولائے اسود بن سفیان سے مروی ہے کہ میں نے عثمان بن عفان کو جب وہ چاہ زورا بنا رہے تھے ایک سفید خچر پر اس حالت میں سوار دیکھا کہ ان کی ڈاڑھی بٹی ہوئی تھی۔

حکم بن الصلت سے مروی ہے کہ میرے والد نے بیان کیا کہ میں نے عثمان بن عفان کو اس حالت میں خطبہ پڑھتے دیکھا کہ ان کے جسم پر ایک چوکور چادر تھی جو مہندی میں رنگی ہوئی تھی۔

طبین کے ایک شیخ نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے عثمان کے جسم پر منبر پر ایک قوی کرتہ دیکھا۔

احنف بن قیس سے مروی ہے کہ میں نے عثمان بن عفان کے جسم پر زرد چادر دیکھی۔

موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان کے جسم پر دو گیرو کی رنگی ہوئی چادریں دیکھیں۔

سلیم ابی عامر سے مروی ہے کہ میں نے عثمان بن عفان کے جسم پر ایک یمنی چادر دیکھی جس کی قیمت سو درم تھی۔

محمد بن ربیعہ بن الحارث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اپنی عورتوں پر اس لباس میں وسعت کرتے تھے جس سے حفاظت کی جاتی تھی اور جس سے زینت حاصل کی جاتی تھی۔ میں نے عثمان کے جسم پر ایک سوت ریشم ملی ہوئی نقشین چادر دیکھی جس کی قیمت دو سو درہم تھی۔ عثمان نے کہا کہ یہ میری زوجہ نائلہ کی ہے جو میں نے انہیں اڑھائی تھی، پھر میں اسے اوڑھ کر ان کو اس سے خوش کرتا ہوں۔

محمد بن عمر سے مروی ہے کہ میں نے عمرو بن عبداللہ بن عنبسہ اور عروہ بن خالد بن

عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے اور عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد سے عثمان کا حلیہ دریافت کیا تو میں نے ان کے درمیان اختلاف نہیں دیکھا، انہوں نے کہا کہ وہ ایسے آدمی تھے کہ نہ پست قد تھے، نہ بلند و بالا اب صورت نرم کھال والے، بڑی اور گھنی ڈاڑھی والے، گندم گوں وصت میں بڑی کرستی والے دونوں شانوں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھنے والے، سر میں زیادہ بال والے تھے جو اپنے ڈاڑھی واقد بن ابی یاسر سے مروی ہے کہ حضرت عثمان اپنے دانت سونے سے باندھا کرتے تھے۔

عبداللہ بن دارہ سے مروی ہے کہ عثمان کو بطور مرض کے پیشاب جاری ہوگیا تھا، انہوں نے اس کا علاج کیا، اس کے بعد وہ پھر جاری ہوگیا تو ہر نماز کے لئے وہ وضو کیا کرتے تھے۔

جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی کہ عثمان مہر کی انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

عمر بن سعید سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان کے یہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ اسے منگاتے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوتا تھا اور اسے سونگھتے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ یہ کیوں کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اگر اسے کوئی شے (تکلیف) پہنچے تو یہ ہو کہ میرے قلب میں اس کے لئے کوئی شے یعنی محبت پڑ چکی ہو۔

اسحاق بن یحیٰ نے اپنے چچا موسیٰ بن طلحہ سے روایت کی کہ عثمان کو جمعے کے دن اس طرح نکلتے دیکھا کہ ان کے جسم پر دو زرد چادریں ہوتیں، وہ منبر پر بیٹھتے، موذن اذان دیتا وہ لوگوں سے باتیں کرکے ان سے بازار کے نرخ، آنے والے مہمان اور مریضوں کو دریافت کرتے، جب موذن خاموش ہو جاتا تو وہ اپنی ٹیڑھی موٹھ کے عصا پر سہارا لگا کر کھڑے ہوتے، وہ اسی حالت میں خطبہ پڑھتے کہ عصا ان کے ہاتھ میں ہوتا پھر وہ بیٹھ جاتے اور لوگوں سے باتیں شروع کرتے، ان سے پہلی مرتبہ کی طرح سوالات کرتے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے اور منبر سے اتر آتے اور موذن اقامت کہتے تھے۔

بنانہ سے مروی ہے کہ عثمان وضو کے بعد رومال سے منہ ہاتھ خشک کرتے تھے۔

بنانہ سے مروی ہے کہ عثمان بارش میں نہایا کرتے تھے۔

بنانہ سے مروی ہے کہ عثمان جب غسل کرتے تھے تو میں ان کے کپڑے ان کے پاس لاتی تھی، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میری طرف مت دیکھو، کیونکہ تمہارے لئے میری طرف دیکھنا حلال نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ میں ان کی بیوی کی باندی تھی۔

بنانہ سے مروی ہے کہ عثمان سفید ڈاڑھی والے تھے۔

طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۵۹ سطر ۴

Presented by www.ziyaraat.net/

حضرت عثمان بن عفان کی شہادت

حسنؑ سے مروی ہے کہ مجھے وثاب نے خبردی جو ان لوگوں میں تھے کہ عمر کا زمانہ قدیم پایا اور عثمان کے سامنے بھی تھے میں نے ان کے حلق پر نیزے کے زخم کے دو نشان مثل دو آنتوں کے دیکھے جو یوم الدار کو عثمان کے مکان میں لگے تھے' انہوں نے بیان کیا مجھے عثمان نے بھیجا کہ اشتر کو بلا لاؤ میں اس کو لے آیا۔ ابن عون نے کہا میں خیال کرتا ہوں' انہوں نے یہ کہا کہ میں نے ایک فرش امیرالمومنین کے لئے بچھا دیا اور ایک اس کیلئے۔

عثمان نے کہا اے اشتر لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں' اس نے کہا تین باتیں' جن میں سے ایک کے بغیر آپ کے لئے چارہ نہیں' فرمایا وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا وہ لوگ آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ یا آپ ان کے حق میں حکومت سے دست ور دار ہو جائیں اور کہہ دیں کہ یہ تمہاری حکومت ہے تم جسے چاہو امیر بناؤ' یا آپ اپنی جان سے ان لوگوں کو قصاص لینے دیں' اگر آپ کو ان دونوں سے انکار ہے تو یہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے

فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کے بغیر چارہ نہیں۔ اس نے کہا نہیں' ان میں سے بغیر ایک کے چارہ نہیں' آپ نے فرمایا' یہ ممکن نہیں کہ میں حکومت سے دست بردار ہو جاؤں' میں اس کرتے کو اتارنے والا نہیں جو اللہ نے مجھے پہنایا ہے' واللہ اگر مجھے آگے کر کے گردن مار دی جائے تو یہ زیادہ پسند ہے' بہ نسبت اس کے کہ امت محمد کو بعض پر بعض کو چھوڑ دوں' محدثین نے کہا کہ یہ کلام عثمان سے زیادہ مشابہ ہے۔

"یہ امر کہ میں اپنی جان سے قصاص لینے دوں تو واللہ مجھے معلوم ہے کہ میرے دونوں ساتھی ابوبکر و عمر جو میرے سامنے تھے سزا دیتے اور قصاص میں کوئی اعتراض نہ ہوتا' رہی یہ بات کہ تم لوگ مجھے قتل کرو گے تو واللہ اگر ایسا کیا تو میرے بعد کبھی تم لوگ باہم محبت نہ کرو گے نہ کبھی مل کے نماز پڑھو گے اور نہ کبھی سب ایک ہو کے دشمن سے جنگ کرو گے۔"

اشتر چلا گیا' ہم ٹھہر گئے کہ شاید لوگ مان جائیں اتنے میں ایک آدمی آیا جو مثل بھیڑیے کے تھا وہ دروازے سے جھانک کے پلٹ گیا' پھر محمد بن ابی بکر تیرہ آدمیوں کے ہمراہ آیا' وہ عثمان کے پاس پہنچ گیا' آپ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور اسے کھینچا جس سے ڈاڑھیں گرنے کی آواز سنی گئی۔

محمد بن ابی بکر نے کہا کہ معاویہ آپ کے کام نہ آیا ابن عام آپ کے کام منہ آیا' آپ کے خطوط فرمان آپ کے کام نہ آئے' فرمایا اے میرے بھتیجے میری ڈاڑھی تو چھوڑ دے' اے میرے بھتیجے میری ڈاڑھی تو چھوڑ دے۔

راوی نے کہا میں نے اس قوم کے ایک شخص سے مدد طلب کرتا دیکھا جو اس کی مدد کر رہا تھا وہ ایک برچھی لے کر آپ کی طرف کھڑا ہوا یہاں تک کہ وہ اس نے آپ کے سر میں مار دی راوی نے کہا کہ جو وہیں ٹوٹ گیا وہیں رک گیا' راوی نے کہا پھر واللہ ان لوگوں نے آپ پر ایک دوسرے کی مدد کی یہاں تک کہ آپ کو قتل کر دیا (رحمتہ اللہ علیہ)

عبدالرحمٰن بن محمد بن عبد سے مروی ہے کہ محمد بن ابی بکر عمرو بن حزم کے مکان کی دیوار پر چڑھ کے عثمان کے پاس گیا' اس کے ہمراہ کنانہ بن بشر بن عتاب' سودان بن حمران اور عمرو بن الحمق بھی تھا انہوں نے عثمان کو اپنی زوجہ نائلہ کے پاس پایا جو قرآن میں سورۃ البقر پڑھ رہے تھے۔

محمد بن ابی بکر ان سب کے آگے بڑھا' عثمان کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا اور بوڑھے احمق خدا تجھے رسوا کرے۔ عثمان نے کہا میں بوڑھا احمق (نعثل) نہیں ہوں' میں اللہ کا بندہ اور امیر المومنین ہوں محمد نے کہا کہ فلاں فلاں اور معاویہ آپ کے کام نہ آئے۔ عثمان نے کہا کہ اے میرے بھتیجے میری ڈاڑھی تو چھوڑ دے تیرے باپ تو ایسے نہ تھے کہ اس چیز کو پکڑیں جو تو نے پکڑی۔ محمد نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ جو کرنا چاہتا ہوں وہ ڈاڑھی پکڑنے سے زیادہ سخت ہے۔ عثمان نے کہا کہ میں تیرے مقابلے میں اللہ سے نصرت چاہتا ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔

اس نے برچھی جو اس کے ہاتھ میں تھی آپ کی پیشانی میں مار دی' کنانہ بن بشر بن عتاب نے وہ برچھیاں اٹھائیں جو اس کے ہاتھ میں تھیں اور عثمان کے کام کی جڑ میں بھونک دیں جو جاتے جاتے آپ کے حلق کے اندر پہنچ گئیں' پھر وہ تلوار لے کے آپ کے اوپر چڑھ گیا اور قتل کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز نے کہا کہ میں نے ابن ابی عون کو کہتے سنا کہ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی اور سر کے اگلے حصے پر ایک لوہے کی سلاخ ماری جس سے وہ کروٹ کے بل گر پڑے۔ پھر سودان بن عمران المرادی نے تلوار مار کے قتل کر دیا۔ لیکن عمرو بن الحمق کود کے عثمان

Presented by www.ziyaraat.net/

پر آیا، سینے پر بیٹھ گیا، حالانکہ آپ میں تھوڑی جان باقی تھی، اس نے آپ کے نو زخم لگائے اور کہا کہ ان میں سے تین تو میں نے اللہ کے لئے لگائے ہیں اور چھ اس غصے کی وجہ سے جو میرے قلب میں ان پر ہے۔

زبیر بن عبداللہ نے اپنی دادی سے روایت کی کہ جب عثمان کو کنانہ نے برچھیوں سے مارا تو آپ نے فرمایا: بسم اللہ، میں اللہ ہی پر توکل کرتا ہوں۔ خون ان کی ڈاڑھی پر بہہ کر ٹپک رہا تھا، قرآن سامنے تھا، انہوں نے اپنے بائیں پہلو پر تکیہ لگا لیا۔ **سبحان اللّٰہ العظیم** کہہ رہے تھے اور اسی حالت میں قرآن پڑھ رہے تھے، خون قرآن پر بہہ رہا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے پاس آ کے رک گیا۔ "**فسیکفیکھم اللّٰہ وھو السمیع العلیم**" (بس عنقریب اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے آپ کو بے نیاز کر دے گا۔ اور وہی سننے اور جاننے والا ہے) انہوں نے قرآن بند کر دیا۔ سب لوگوں نے مل کر آپ کو ضرب ماری، ان لوگوں نے انہیں مارا، حالانکہ واللہ میرے باپ ان پر فدا ہوں، وہ ایک رکعت میں ساری رات کھڑے رہتے تھے، صلہ رحم کرتے تھے، مظلوم کو کھانا کھلاتے تھے اور مشقت برداشت کرتے تھے (فرحمہ اللہ)

زہریؒ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان عصر کی نماز کے وقت قتل کئے گئے، آپ کے ایک حبشی غلام نے کنانہ بن بشر پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیا، سودان نے اس غلام پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیا۔ بدمعاش لوگ عثمان کے گھر میں گھس گئے، ان میں سے کسی نے چلا کے کہا کہ کیا عثمان کا خون حلال ہے اور ان کا مال حلال نہیں ہے؟ لوگوں نے ان کا سامان بھی لوٹ لیا، نائلہ کھڑی ہوگئیں، انہوں نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم چور، اے اللہ کے دشمنو! تم نے جو عثمان کا خون کیا یہ بہت بڑا گناہ ہے، دیکھو واللہ تم لوگوں نے انہیں قتل کر دیا، حالانکہ وہ بڑے روزہ دار، بڑے نمازی تھے، ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔ سب لوگ عثمان کے گھر سے نکل گئے، ان کا دروازہ ان تین آدمیوں پر بند کر دیا گیا جو قتل ہوئے تھے، یعنی عثمان ان کا حبشی غلام اور کنانہ بن بشر۔

حضرت عثمان کیا چھوڑا کتنے دن زندہ رہے اور کہاں دفن ہوئے

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے مروی ہے کہ جس روز عثمان قتل کئے گئے اس روز ان کے خزانہ دار کے پاس پینتیس لاکھ درم اور ڈیڑھ لاکھ دینار تھے، وہ لوٹ لئے گئے اور چلے گئے، انہوں نے ربذہ میں ایک ہزار اونٹ چھوڑے اور براديس، خیبر اور وادی القریٰ میں دو لاکھ دینار کی قیمت کے صدقات چھوڑے جنہیں وہ تصدق کیا کرتے تھے۔

ربیع بن مالک بن ابی عامر نے اپنے والد سے روایت کی کہ لوگ آرزو کرتے کہ ان کی میتیں حش کوکب میں دفن کی جائیں۔ عثمان بن عفان کہا کرتے کہ عنقریب ایک مرد صالح وفات پائے گا، وہاں دفن کیا جائے گا اور لوگ اس کی پیروی کریں گے۔

مالک بن ابی عامر نے کہا کہ عثمان بن عفان پہلے شخص تھے جو وہاں دفن کئے گئے۔

محمد بن سعد (مؤلف) نے کہا کہ میں نے یہ حدیث محمد بن عمرو (الواقدی) سے بیان کی تو انہوں نے معرفت ظاہر کی۔

عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے مروی ہے کہ عثمان بن عفان سے یکم محرم ۲۴ھ کو بیعت خلافت کی گئی ۱۸ ذی الحجہ یوم جمعہ ۳۶ھ کو عصر کے بعد قتل کر دیئے گئے (خدا ان پر رحمت کرے اس روز روزے سے تھے) شب شنبہ کو مغرب و عشاء کے درمیان البقیع کے حش کوکب (پھولوں کے باغ) میں جو آج بنی امیہ کا قبرستان ہے، دفن کئے گئے۔ ان کی خلافت بارہ دن کم بارہ سال رہی جب وہ قتل کئے گئے تو بیاسی سال کے تھے۔ ابو معشر کہتے تھے کہ جب قتل کئے گئے تو پچھتر سال کے تھے۔

Presented by www.ziyaraat.net/

حضرت عثمان کا دفن

تفصیلات

کب اور کہاں دفن ہوئے، کس نے کس چیز پر اٹھایا، نماز
جنازہ
کس نے پڑھی، کون قبر میں اترا، جنازے کے ساتھ کون
تھا؟

عبداللہ بن بناء الاسلمی نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب معاویہ نے حج کیا تو قبیلہ اسلم کے مکانوں کے راستے بازار کی طرف دیکھ کے حکم دیا کہ سامنے عمارت بنا کے ان کے گھر تاریک کر دو، اللہ ان قاتلین عثمان کی قبریں تاریک کرے۔

نیار بن مکرم نے کہا کہ میں نے معاویہ سے کہا کہ میرا گھر تاریک ہو گیا، میں ان چار اشخاص میں سے ہوں جنہوں نے امیرالمومنین کا جنازہ اٹھایا، دفن کیا اور ان پر نماز پڑھی۔ معاویہ نے انہیں پہچان لیا اور کہا کہ تعمیر منقطع کر دو۔ ان کے گھر کے آگے عمارت نہ بناؤ۔

معاویہ نے مجھے تنہائی میں بلا کے کہا کہ کب تم نے انہیں اٹھایا، کب دفن کیا اور کس نے ان پر نماز پڑھی؟ میں نے کہا کہ ہم نے انہیں شب شنبہ کو مغرب و عشاء کے درمیان اٹھایا۔ میں تھا اور جبیر ابن مطعم تھے، حکیم بن حزام اور ابو جہم بن حذیفہ العدوی تھے، جبیر ابن مطعم آگے بڑھے انہوں نے ان پر نماز پڑھی (ہم نے اقتدا کی) معاویہ نے ان کی تصدیق کی۔ حقیقت میں یہی لوگ تھے جو قبر میں اترے تھے۔

محمد بن یوسف سے مروی ہے کہ نائلہ بنت الفرافصہ اسی شب میں نکلیں، آگے اور پیچھے سے اپنا گریبان چاک کئے ہوئے تھیں، ہمراہ ایک چراغ تھا اور چلا رہی تھیں کہ "ہائے امیرالمومنین"۔ جبیر بن مطعم نے کہا کہ چراغ گل کر دو کہ ہم لوگ پہچان نہ لئے جائیں، کیونکہ میں نے ان باغیوں کو دیکھا ہے جو دروازے پر تھے اس پر انہوں نے چراغ گل کر دیا۔

وہ لوگ جنازہ لے کے بقیع پہنچے، جبیر بن مسطعم نے نماز پڑھی، ان کے پیچھے حکیم بن حزام، ابجہم بن حذیفہ، نیار بن مکرم الاسلمی اور عثمان کی دو بیویاں نائلہ بنت الفرافصہ اور ام النبین

بنت عیینہ تھیں۔

قبر میں نیار بن مکرم، ابو جہم بن حذیفہ اور جبیر بن مطعم اترے، حکیم ابن حزام، ام النبین اور نائلہ لوگوں کو قبر کا راستہ بتا رہی تھیں، انہوں نے لحد بنائی اور ان کو داخل کر دیا، زیارت کے بعد سب متفرق ہو گئے۔

ابن سعد (مئولف) نے کہا کہ پہلی حدیث کہ ان پر چار آدمیوں نے نماز پڑھی، زیادہ ثابت ہے۔

ربیع بن مالک ابی عامر نے اپنے والد سے روایت کی کہ جس وقت عثمان بن عفان کی وفات ہوئی تو میں ان کے اٹھانے والوں میں سے ایک تھا، ہم نے انہیں ایک دروازے پر اٹھایا، جلدی لے چلنے کی وجہ سے ان کا سر دروازے سے ٹکراتا۔ ہمیں باغیوں کا بڑا خوف لگا تھا، یہاں تک کہ ہم نے انہیں قبر میں جو حش کوکب میں تھی چھپا دیا۔

عبدالرحمٰن بن ابی زناد سے مروی ہے کہ چار آدمیوں نے عثمان بن عفان کو اٹھایا، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، نیار بن مکرم الاسلمی اور ایک جوان عرب تھے، میں نے راوی سے پوچھا کہ وہ جوان مالک بن ابی عامر کے دادا تھے، تو انہوں نے کہا کہ مجھے نام نہیں بتایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اور عثمانی لوگ اس حرمت کی وجہ سے مجھ سے زیادہ مشہور ہیں اور اسی وجہ سے میں ان کی رعایت کرتا ہوں۔

ابو عثمان سے مروی ہے کہ عثمان ایام تشریق ۹ ذی الحجہ تا ۱۳ ذی الحجہ) کی وسط میں قتل کئے گئے۔

سعید بن زید بن عمر بن نفیل سے مروی ہے کہ میں نے اپنے کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ عمر اور ان کی بہن اسلام پر میرا بیڑیاں ڈالتے تھے، تو لوگوں نے جو کچھ ابن عفان کے ساتھ کیا اگر اس پر کوہ احد ٹوٹ پڑے تو بجا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے (قتل عثمانی کے بعد) جو کچھ کہا اس کا ذکر

عبداللہ بن حکیم سے مروی ہے کہ عثمان کے بعد میں کبھی کسی خلیفہ کے خون بہانے میں

Presented by www.ziyaraat.net/

شریک نہ ہوں گا' کہا گیا اے ابو معبد کیا تم ان کے قتل میں شریک تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں ان کے عیوب کا تذکرہ بھی معاونت قتل سمجھتا ہوں۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر سب لوگ قتل عثمان پر متفق ہو جاتے تو ان پر اس طرح آسمان سے پتھر برسائے جاتے جس طرح قوم لوطؑ پر برسائے گئے۔

میمون بن مہران سے مروی ہے کہ جب عثمان قتل کئے گئے تو حذیفہ نے کہا کہ "اس طرح (انہوں نے اپنے ہاتھ کا حلقہ بنایا' یعنی دسوں انگلیاں کے سروں کو ملایا) اسلام میں شگاف کئے جائیں گے ایک شگاف ایسا ہوگا جسے پہاڑ بھی پر نہ کر سکے گا۔

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ جب ثمامہ بن عدی کو' جو صنعا میں امیر تھے اور شرف مصاحبت حاصل تھا اس سانحے کی خبر پہنچی تو وہ روئے اور بہت روئے' پھر کہا کہ یہ اس وقت ہوا کہ جب خلافت نبوت امت محمدؐ سے چھین لی گئی اور جبری سلطنت ہوگئی کہ جس نے کسی چیز پر قابو پایا وہی اس کو کھا گیا۔

ثمامہ بن عدی سے (ایک دوسرے سلسلے سے بھی) بالکل اسی کے مثل و مساوی مروی ہے۔ وہ قریش میں سے تھے۔

یحیٰی بن سعید سے مروی ہے کہ جب عثمان قتل کئے گئے تو ابو حمید ایساعدی نے' جو بدر میں حاضر ہونے والوں میں سے تھے کہا کہ اے اللہ تیرے ہی لئے مجھ پر واجب ہے کہ میں ایسا نہ کروں اور میں ایسا نہ کروں اور نہ ہنسوں یہاں تک کہ موت کے بعد تجھ سے ملوں۔

ابو صالح سے مروی ہے کہ عثمان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا' جب اس کا ذکر کیا جاتا تھا' تو ابو ہریرہ رو دیتے تھے' گویا میں ان کو ہائے ہائے کہتے سن رہا ہوں جب ان کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں زید بن علیؑ سے مروی ہے کہ زید بن ثابت یوم الدار میں عثمان پر روتے تھے۔

اسحاق بن سوید نے کہا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے حسان بن ثابت کو یہ اشعار کہتے سنا

وکان اصحاب النبی عشیتہ بدون تخر عند باب المسجد

گویا اصحاب نبی عشاء کے وقت قربانی کے اونٹ ہیں جو مسجد کے دروازے کے پاس ذبح کے

جا رہے ہیں۔

ابکی ابا عمر و لحسن بلاۂ امسی رھینا فی البقیع الغرقد

میں ابو عمر پر ان کے حسن امتحان کی وجہ سے روتا ہوں جس نے اس حالت میں شام کو کہ وہ بقیع الغرقد میں مقیم تھا مالک بن دینار سے مروی ہے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے قتل عثمان کے دن عبداللہ بن سلام کو کہتے سنا کہ آج عرب ہلاک ہوگئے۔

ابو صالح سے مروی ہے کہ جس روز حصرت عثمان قتل کئے گئے اس روز میں نے عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے سنا کہ واللہ تم لوگ ایک چھینٹے بھر خون بھی بہاؤ گے تو ضرور اس کی وجہ سے اللہ سے تمہیں اور زیادہ دوری ہو جائے گی۔

ابی قلابہ سے مروی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عثمان بن عفان قیامت کے روز اپنے قاتلین میں حکم بنائے جائیں گے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جس وقت عثمان قتل کئے گئے تو میں نے علیؑ کو کہتے سنا کہ نہ میں نے قتل کیا اور نہ میں نے حکم دیا' لیکن میں مغلوب ہوگیا' اس کو وہ تین مرتبہ کہتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ سے مروی ہے کہ میں نے احجار الزیت کے پاس علیؑ کو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے کہتے سنا کہ اے اللہ میں امر عثمان سے تیرے سامنے اپنی برات ظاہر کرتا ہوں۔

خالد الربعی سے مروی ہے کہ اللہ کی کتاب مبارک میں ہے کہ عثمان بن عفان اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھا کے کہتے ہیں کہ اے پروردگار مجھے تیرے مومن بندوں نے قتل کیا۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جس وقت حضرت عثمان قتل کئے گئے تو انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے انہیں میل کچیل سے پاک صاف کپڑے کی طرح کر دیا' پھر ان کے قریب آکے انہیں اس طرح ذبح کرنے لگے جس طرح مینڈھا ذبح کیا جاتا ہے یہ اس کے پہلے کیوں نہ ہوا۔ مسروق نے ان سے کہا کہ نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس پر مومنین ایمان لائے اور جس کے ساتھ کافرین نے کفر کیا کہ میں نے اپنی اس مجلس میں بیٹھنے تک لوگوں کو سفید کاغذ میں ایک سیاہ نقطہ بھی نہیں لکھا۔ اعمش نے کہا کہ لوگ گمان کرتے تھے کہ عائشہ کے فرمانے سے لکھا گیا۔

عائشہ سے مروی ہے کہ تم لوگوں نے انہیں برتن کی طرح مانجا پھر ان کو قتل کر دیا' یعنی

Presented by www.ziyaraat.net/

عثمان کو'

جریر بن حازم سے مروی ہے کہ میں نے محمد بن سیرین کو کہتے سنا کہ جس وقت عثمان قتل کئے گئے تو عائشہ نے کہا کہ تم نے اس شخص کو برتن کی طرح مانجا' پھر اسے قتل کر دیا۔

حسن سے مروی ہے کہ جب وہ لوگ یعنی قاتلین عثمان ابن عفان سزا کیلئے گرفتار کئے گئے تو فاسق ابن ابی بکر کو بھی گرفتار کیا گیا۔ ابو الاشہب نے کہا حسن اسے نام سے نہیں پکارتے تھے بلکہ فاسق کہتے تھے انہوں نے کہا کہ وہ گرفتار کیا گیا اور گدھے کی کھال میں بھر کے جلا دیا گیا۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ اے اللہ اگر قتل عثمان خیر ہے تو میرے لئے اس میں کوئی حصہ نہیں اور اگر ان کا قتل شر ہے تو میں اس سے بری ہوں' واللہ اگر قتل عثمان خیر ہو گا تو لوگ ضرور ضرور اس سے دودھ دوہیں گے اور اگر شر ہو گا تو ضرور ضرور اس سے خون چوسیں گے۔

عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کی امت سے ستر ہزار آدمی اس کے بدلے قتل کئے جاتے ہیں اور جب کوئی خلیفہ قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے پینتیس ہزار قتل کئے جاتے ہیں۔

مطرف سے مروی ہے کہ وہ عمار بن یاسر کے پاس گئے ان سے کہا کہ ہم لوگ گمراہ تھے' اللہ نے ہدایت کی ہم لوگ اعراب (دیہاتی' دہقان) تھے ہجرت کی ہم میں سے مقیم قیام کر کے قرآن سیکھتا اور غازی جہاد کرتا' جب غازی آتا تو وہ قیام کر کے قرآن سیکھتا اور مقیم جہاد کرتا ہم دیکھتے تھے کہ تم ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہو جب تم ہمیں کسی کام کا حکم دیتے تو ہم اتباع کرتے تھے اور جب تم ہمیں کسی چیز سے منع کرتے تھے تو ہم اس سے باز رہتے تھے۔ ہمارے پاس حضرت عمر کے قتل کے متعلق تمہارا خط آیا' تم نے یہ لکھا کہ ہم نے ابن عفان سے بیعت کر لی' اپنے اور تمہارے لئے انہیں پسند کر لیا۔ ہم نے کبھی تمہاری بیعت کی وجہ سے ان سے بیعت کر لی' پھر تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا۔

ایوب نے کہا کہ ہمیں اس بات کا کوئی جواب نہ ملا۔

کنانہ مولائے صیفہ سے مروی ہے کہ میں نے مکان میں قاتل عثمان کو دیکھا وہ ایک کالا

مصری تھا اس کا نام جبلہ تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلائے' یا راوی نے کہا کہ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا کہ بوڑھے احمق کا قاتل میں ہوں۔

مسیب بن وارم سے مروی ہے کہ جس شخص نے عثمان کو قتل کیا وہ دشمن کے قتال میں سترہ مرتبہ اس طرح کھڑا ہوا کہ آس پاس کے لوگ شہید ہو جاتے اور اسے ذرا سی تکلیف نہ پہنچتی' یہاں تک کہ وہ اپنے بستر پر مرا۔

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

شورٰے بعد خلافت ثالثہ

حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ایسا اپنے بعد کے خلیفہ کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا ان کی وفات کے بعد پانچ روز تک خلافت ناپرسان رہی مصریوں نے محاصرہ ہی کے زمانہ میں کسی کو اپنی طرف سے امام مسجد بنا رکھا تھا وہی مسلمانوں کو نماز وغیرہ پڑھاتا تھا اتفاق سے جمعہ کا روز آگیا اب امامت نماز جماعت سخت ضرورت واقع ہوئی شورے ہونے لگے کسی نے کسی کو کہا کسی نے کسی کو کوفہ والے زبیر ابن العوام کی طرف مائل تھے بصرہ والے طلحہ کی طرف مدینہ والوں میں چند سعد ابن ابی وقاص کا نام لیتے تھے اور بعض اسامہ ابن زید کی طرف اشارہ کرتے تھے غرض ایک خلافت تھی اور متعدد خواستگار جس سے جس کو تعلق تھا وہ اس کو اپنی طرف کھینچتا تھا "ایں خلافت شد کہ آفت شد۔" آخر کار بہت بڑی ردو کد کے بعد ان لوگوں میں یہ امر طے پایا کہ اس وقت ہم میں کوئی بزرگ اس اعلیٰ منصب کے لائق باقی ہے تو علی ابن ابی طالبؑ مگر اس تجویز کے ساتھ ہی ان کو اس امر کا خیال بھی ضروری لگا تھا کہ وہ اس منصب کے اختیار کرنے میں ضرور اپنا انکار کریں گے اور حقیقت میں تھا بھی ایسا ہی جب سے یہ فتنہ و فساد واقع ہوا تھا آپ اپنی اسی احتیاط بے غرضی اور بے لوثی سے کام لے رہے تھے جس کی پابندی آپ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روز وفات سے اختیار فرمائی تھی ہر شخص مدینے میں اہل الرائے و الجوایز ہو رہا تھا مگر علیؑ کو کچھ بھی خبر نہیں جو تھا وہ انتخاب خلیفہ اور حصول خلافت کے خیالوں میں ادھر ادھر کوشاں تھا مگر علیؑ خاموش تھے جو تھا وہ انتخاب خلیفہ اور حصول خلافت کے خیالوں میں ادھر ادھر کوشاں مگر علیؑ کا قدم گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسئلہ خلافت میں ہر امر کی نسبت آپ کو تمام اہل سلام پر قوی استحقاق حاصل تھا ممکن تھا کہ یہ بھی اس معاملہ میں غور فرماتے لوگوں کو جمع کرتے اور ان سے اپنی نسبت یا کسی اور کی نسبت تحریک فرماتے ہیں مگر نہیں ان تمامی امور میں حسن طلب خواستگاری اور پلہ داری کے ضرور پہلو نکلتے جو ان کے استغنا اور آزادی کے خوشنما جوہروں پر لوث دنیاوی اور حصول امارت کے ضرور داغ لگاتے یہ تو چوتھی بات اس سے پہلے اقرار خلافت کے تین اور موقعے گذر چکے ہیں انتخاب کے جلسے بھی منعقد ہوچکے ہیں مگر آپ کبھی کسی اہل

شوریٰ سے ملنے تک نہ گئے اور نہ ان کے پاس خود یا کسی اور کے ذریعے سے اپنی کامیابی کے لئے سفارش کے خواہاں ہوئے بہرحال ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جب تمام اشراف مدینہ مہاجر و انصار رسولؐ اللہ نے آپس کے شوریٰ میں یہ بات طے کرلی اور متفق اللفظ ہو کر تجویز کر لی کہ ہم کو سوائے جناب علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے اور کسی دوسرے کو منصب خلافت سپرد کرنا گوارا نہیں تب وہ مجمع مسجد رسول سے اٹھ کر آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت سوائے حضرات حسنین علیہما السلام کے کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے کچھ احکام قرآنی کا ذکر تھا آپؑ ان کی تفسیر بیان فرما رہے تھے کہ مستغیثان اسلام نے حاضر آکر یہ اپنی التجا ان الفاظ میں ظاہر فرمائی جسے ہم ذیل میں علامہ طبری کے اسناد سے لکھتے ہیں دنیا بے امام کے ہوگئی اب اس منصب کیلئے آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں ہے آپ اسے قبول فرمائیں۔ جناب علی مرتضیٰؑ نے انکار کیا اور فرمایا کہ تم کسی اور کو امام کرلو اور مجھ سے کہو تو میں بھی اسی کی متابعت کروں۔ تاریخ طبری جلد چہارم ص ۵۴۶۔

مسلمانوں کے مجمع نے پھر اصرار کیا مگر آپ برابر انکار کرتے رہے تاہم ان لوگوں نے آپ کے انکار کو نہ مانا جب ان لوگوں نے اپنی الحاح و زاری کو حد سے زائد طول دیا تو آپ نے نہایت آزادی سے ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم مجھ کو اپنا حاکم اور امیر کرنا چاہتے ہو تو میں تمہارے اختیار میں ہرگز نہ رہوں گا میری رائے میں جو تمہاری رفاہ کے لئے ضرور ہوگا وہی کروں گا میں تمہارا محکوم بن کر رہنا پسند نہیں کرتا اور اگر تم نے کسی وقت میں میری متابعت نہ کی تو میں خلافت سے دست بردار ہو کر تمہارا ایسا ہو جاؤں گا۔ ابوالفدا ص ۴۱۴۔

جناب علی مرتضیٰؑ کے اس آزادانہ ارشاد نے مستغیثان اسلام کے تمام اجماعی قوتوں کو توڑ دیا اور ان کی آزادی سرکشی اور خود مختاری کا جس کے وہ سالہا سال سے خوگر ہو رہے تھے یہیں سے خاتمہ کر دیا وہ نہایت گھبرائے اور آپس میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے وہ لاکھ گھبرائے مگر جناب علیؑ کی صداقت اور مال اندیشی کیا تھی جو ان کی گھبراہٹ کا خیال کرکے اپنی اصول کے خلاف کرتی آخر انہوں نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک کی مہلت چاہی آپ نے منظور فرمایا یہ لوگ وہاں سے اٹھے اور پھر آپس میں رائے کرنے لگے وہ رات اسی ذکر میں گذر گئی مگر کسی نے جناب علیؑ مرتضیٰ کے سوا کسی اور کو اس منصب کے لائق نہ سمجھا۔

Presented by www.ziyaraat.net/

دوسرے دن تمام اہل اسلام نے آکر اپنی پھر التجا جناب علی مرتضیٰؑ سے عرض کی اور ان کو مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ میں لے گئے اور آپ کے ساتھ بیعت کرنے پر آمادہ ہوئے ان کی مستعدی دیکھ کر آپ نے ارشاد کیا کہ جب تک طلحہ اور زبیر ابن العوام مجھ سے بیعت نہ کر لیں گے میں اپنی اس بیعت سے کنارہ کروں گا طلحہ ابن عبید اللہ اور زبیر ابن العوام کے جو خیالات سابق خلیفہ کے محاصرہ کے وقت میں ظاہر ہوئے تھے ان کو امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام بہت اچھی طرح جانتے تھے اس باعث سے ان سے اپنی بیعت کا اقرار لینا ان کے لئے نہایت مناسب تھا۔

بہرحال مسجد نبویؐ سے حکیم ابن حیلہ اور مالک ابن اشتر اٹھے اور طلحہ زبیر ابن العوام اور طلحہ ابن عبید اللہ کو ہمراہ اپنے لائے جب یہ لوگ مسجد میں آئے تو جناب علیؑ مرتضیٰ منبر رسولؐ پر تشریف لے گئے اور بار دیگر اسلام کی موجودہ جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا ایہا الناس بہتر ہوتا کہ تم لوگ مجھے اس منصب سے معاف فرماتے اور اہل السلام کی جماعت موجودہ سے میرے سوائے کسی دوسرے کو اس خلافت کے لئے تجویز کرتے مگر اس تقریر کے جواب میں سب نے انکار کیا عام امت اسلام کا انکار سن کر جناب علی مرتضیٰؑ طلحہ اور زبیر سے مخاطب ہوئے ان سے جو گفتگو واقع ہوئی اس کو ہم تاریخ طبری سے لکھتے ہیں۔ "علی گفت از طلحہ و زبیر کہ مرا داین کار رغبت نیست و این مردمان بے امام شدہ اند دو شما این کار بہتر از من توایند کرد۔ ہر کدام را از شما کہ می خواہد و دست بیروں کند کہ من اول اور بیعت می کنم و تو شایستہ تری ای طلحہ دست بیرون کن اے طلحہ تا من ترا بیعت کنم۔ طلحہ گفت اے ابوالحسنؑ معاذ اللہ آنجا کہ تو باشی و سابقیت و علم تو باشد من کہ باشم طبری جلد چہارم ص ۷۵۴۔

ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد اہل اسلام کے موجودہ لوگوں نے امر بیعت کو تمام کیا امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی بیعت اور اہل اسلام کی رغبت کی کیفیت اپنے ایک خطبہ میں خود بیان فرمائی ہے۔ جس کی پختہ عبارت میں نہج البلاغہ سے ذیل میں لکھتا ہوں۔

بسطتم یدی بکفنتها ومدد تموها فقیفتها ثم تداککم۔ علی تداک الیهم علی خیاضها یوم و رودها حتی انقطعت النعل وسقطت الردا وطی

الضعیف و بلغ من سرور الناس بیعتهم ایای ان ابتهج بها الصغیر و ہدج الیها الکبیر و تحامل نحومها العلیل وحرت الیها الکعاب۔

تم میرے ہاتھ کھولتے تھے اور میں بند کرتا تھا۔ تم انہیں دراز کرنا چاہتے تھے میں انہیں سمیٹتا تھا جس طرح اونٹ منزل پر پہنچ کر پانی کے حوضوں پر جمع ہوتے ہیں تم مجھ پر ہجوم کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس انبوہ میں میری نعلین ٹوٹ گئی اور ضعیف کچلے گئے اور اس بیعت سے لوگوں کو اس درجہ خوشی ہوئی تھی کہ بچے تک اس میں مسرور تھے اور کبیر السن بوڑھے لڑکھڑاتے وہاں جمع ہوئے تھے بیماروں نے جوں توں کر کے اپنے آپ کو وہاں پہنچایا تھا۔ جو ان عورتوں نے اس کو دیکھنے کے لئے چہروں سے نقاب الٹ دیئے تھے۔

اس خطبہ کے علاوہ اور مقامات پر بھی آپ نے اپنی بیعت اور اہل اسلام کا وفور اشتیاق اور اس کے انتظار میں ان کی کثرت کو اکثر بیان فرمایا ہے خطبہ شقشقیہ میں بھی اسی کے قریب قریب مضامین درج ہیں ہم ذیل میں نہج البلاغتہ سے نوٹ کر کے لکھتے ہیں۔ **فلما راعتی الاو الناس الی کعرف الضبع یتثالون علی من کل جانب حتی لقد وطی الحسنان و شق عطاء فی مجتمعین حولی کویض الغنم۔** یہاں تک کہ لوگ میرے پاس مثل کفار کے جمع ہوگئے اور ہر طرف سے پے درپے ان لوگوں نے مجھ پر ہجوم کیا یہاں تک حسنین علیہم السلام پامال ہوگئے اور میری ردا پھٹ گئی اور میرے شانہ میں زخم پہنچا اور وہ لوگ مثل گلہ گوسفند کے میرے قریب تھے۔

ان خطبوں کی عبارت سے جناب علی مرتضیٰؑ کی بیعت کی پوری کیفیت معلوم ہوئی اور ان کی امارت و خلافت پر اہل اسلام کی عام رضامندی رغبت اور مسرت کامل طور سے ثابت ہوئی اور ان کی کثرت سے ان کا اشتیاق اور ان کے اشتیاق سے ان کی دلی مسرت اچھی طرح ظاہر ہے۔

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/

خلافت حضرت علیؑ

اگر خلیفہ ٔچہارم در اولش خوانند   من اولیش ثنا سیم نیستنش ثانی
(حکیم قاآنی)

امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ نے بیعت کے بعد جو خطبہ اہل اسلام کے مجمع عام میں پڑھا ہے اس کے ابتدائے مضامین یہ ہیں۔ **"فقد طلع طالع و لمع لامع و لاح لائح و اعتدک مائل و استبذال اللّٰہ بقوماً قوما و بیوم یوما" و انتظر نابغیر انتظار المجدب المطر"**

طلوع ہوا جو طلوع ہونے والا تھا اور چمکا جو چمکنے والا تھا ظاہر ہوا جو ظاہر ہونے والا تھا تمامی امور اعتدال پر آگئے اور خدائے سبحانہ تعالیٰ نے ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ تبدیل کر دیا اور ایک دن کو دوسرے دن کے ساتھ بدل دیا اور یہ دن ہم کو بلااس انتظار کے جو خشک سالی میں پانی کا ہوتا ہے نصیب ہوئے۔ (تہذیب المتین ص ۱۵)

ان مضامین کے بعد امیرالمومنینؑ نے اہل اسلام کو معرفت خدا سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اسلام کی اعانت اور آپس میں برادرانہ محبت قائم رکھنے کے متعلق پوری ہدایتیں پہنچائیں جب ان امور سے فراغت ہوئی تو خزیمہ ابن ثابت انصاری ملقب بہ ذی الشہادتین نے ان کی خلافت کی تہنیت میں ذیل کے اشعار آبدار نظم فرمائے۔

اذا نحن بایعنا علیا فحسبنا
وجدنا اولی الناس بالناس انہ
ابوالحسن مما یخاف من الفتن
اطب قریش بالکتاب والسنن

وان قریشا لا تشق عبارہ
ففیہ الذی فیہم من الخیر کلہ
وصی رسول اللہ من دون اھلہ
واول من صلے من الناس کلھم
وصاحب کبش القوم فی کل دفعہ
فذاک الذی ثنی الخنا جزنا سمہ

اذا ماجری یوما علی ما ضمر البدن
وما فیھم بعض الذی فیہ من الجبن
وفارسہ قد کان فی سالف الزمن
سوی خبرۃ النسون واللہ ذی المتن
یکون لھا نفس الشجاع الذی الفتن
اماھم حتی اغیبت فی الکفن

ترجمہ :۔ جب ہم نے ابوالحسن علی ابن ابی طالبؑ سے بیعت کی تو ہم کو تمام قبیلوں سے جن باتوں کا خلاف تھا کفایت ہوگئی ہم نے ان کو خلافت کیلئے تمام لوگوں سے بہتر پایا۔ بتحقیق کہ وہ کتاب خدا و سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام قریش سے بہتر جاننے والے ہیں بیشک قریش ان کے غبار کو نہ پہنچ سکیں اگر کسی روز وہ اپنے ناقہ لاغر پر بھی سوار ہو کر جائیں قریش میں جو خوبیاں ہیں وہ ان میں موجود ہیں لیکن جو اوصاف ان میں ہیں وہ قریش میں ایک نہیں ہے علاوہ قربت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنحضرتؐ کے وصی بھی ہیں اور قدیم سے ان کے ایک بہادر شہ سوار ہے قسم ہے خدائے ذوالمنن کی کہ سوائے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے آپ بہترین زمان خلائق ہیں آپ نے سب سے پہلے نماز پڑھی۔ کبش قوم یعنی پیغمبر خدا کے ساتھ ہر ایک معرکہ میں رہے جہاں کم بڑے بہادروں کی جانیں (مارے خوف کے) ٹھوڑیوں پر آگئی ہیں وہ ایسے ہی شخص ہیں کہ سابق کے لوگ ان کے نام کی مدح و ثنا کرتے ہیں امام خائق ہیں۔ (تا دم مرگ المتین ص ۱۴)

تمام اسلامی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مہاجر و انصار اور اشراف مدینے میں سے پہلے جس شخص نے امیرالمومنینؑ کی بیعت کا اقرار کیا وہ طلحہ ابن عبید اللہ تھا اور جس شخص نے پہلے ان کی بیعت سے انکار کیا وہ بھی یہی تھی ان کے بعد زبیر ابن العوام کہا جاتا ہے کہ طلحہ نے اپنے اسی ہاتھ سے بیعت کی تھی جو ان کا احد کے روز بیکار ہوگیا تھا مگر یہ خیال ہی خیال ہے عہد شکنی ہاتھ کی بیکاری پر منحصر نہیں بلکہ دل کے کھوٹ اور طبیعت کے نقص پر موقوف ہے"
مہاجرین میں سے دو شخصوں نے امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی بیعت سے انکار کیا ایک

Presented by www.ziyaraat.net/

سعد ابن وقاص دوسرے عبداللہ ابن عمر استفسار کے وقت معلوم ہوا کہ سعد ابن ابی وقاص کا یہ قول ہے کہ جب سب لوگ بیعت کر لیں گے تو ہم بیعت کریں گے مگر امیرالمومنینؑ ہماری طرف مطمئن رہیں اور ہم سے کسی خطرہ کا شبہ نہ فرمائیں۔

عبداللہ ابن عمر سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کوئی وجہ بیان نہیں کی امیرالمومنینؑ کو ان سے اطمینان کر لینا نہایت ضروری ہو گیا ان سے ضمانت طلب کی گئی انہوں نے ضامن دینے سے انکار کیا اب تو بعض اہل اسلام کے رخ بدلے اور یہ خاموشی ان کو ناگوار گذری امیرالمومنینؑ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً" اس بڑھتے ہوئے فتنہ کو روک دیا اور فرمایا کہ ان کو بھی رخصت کر دو میں ان کی ضمانت خود کرتا ہوں (روضتہ الصفا جلد دوم)

مہاجرینؓ میں اور لوگوں نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔ لیکن ان کا اختلاف ایسا کچھ لحاظ کے قابل نہیں تھا انصار میں چھ سات آدمیوں نے انکار کیا تھا وہ یہ تھے حسان ابن ثابت، کعب ابن مالک، سلمان ابن مخلد، محمد بم مسلمہ، نعمان ابن بشیر زید ابن رافعہ، فضالہ ابن عبید، کعب ابن عمرہ اور ابو سعید خدری ابو سعد کی نسبت اکثر مورخین کا یہ قول ہے کہ یہ پھر چند روزوں کے بعد راسخ الاعتقاد ہو گئے۔

علامہ ابو الفدا کے نزدیک یہ لوگ جن کے نام اوپر لکھے گئے عثمانی کہلاتے تھے اور ان کے زمانے سے وصول صدقات پر متعین تھے اسلام میں معتزلہ کے نام سے پہلے پہل یہی لوگ یاد کئے گئے (ابوالفداص ۲۱۳)

مہاجر و انصار تو ہو چکے اب رہے بنی امیہ حضرت عثمان کے دردناک واقعہ نے تو ان کی تمام تمناؤں کا خون کر دیا تھا اب وہ مدینہ کہاں اور بنی امیہ کہاں ان کی دس دس بارہ بارہ برس کی آزادی اور خود مختاری ختم ہو گئی امیرالمومنینؑ کی تخت نشینی کے دن انہوں نے مدینہ النبیؐ کو الوداع کہنا شروع کر دیا ایک ایک کر کے تمام بنی امیہ چلے گئے شام کے سوا ان کیلئے کہاں امن تھا اور سوائے معٰویہ ابن ابو سفیان کے کون معاون جو مدینہ سے نکلا شام پہنچا معٰویہ تو مدت سے ایسے مصالح جمع کرنے کی فکر میں تھے ان کا آنا غنیمت سمجھے اور سب کو اپنی طرف سمیٹ لیا شام میں جاکر انہوں نے کیا کیا اور معٰویہ نے ان سے کیا کام نکالا وہ ہماری تالیف کا اصلی مقصود ہے مگر ہم

اس کو کسی خاص مقام پر لکھیں گے یہاں اپنے سلسلہ کے قائم رکھنے کیلئے اتنا لکھ دینا بیجا نہ ہوگا۔ کہ ان حضرات میں کوئی صاحب ایسے خوش قسمت نہ نکلے جو امیرالمومنینؑ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے ہوں تمام بنی امیہ تو ایک ایک کر کے شام چلے گئے مگر مروان الحکمؑ، ولید ابن عتبہ، سعید ابن العاص صرف یہی چار شخص مدینہ میں تھوڑے دنوں تک رہے ان میں مغیرہ ابن شعبہ بھی شامل تھا ان کا قیام مدینے میں سوائے خبر رسانی کے اور دوسرا کوئی نہیں تھا۔"

امیرالمومنینؑ نے ان کے ساتھ بھی کچھ تعرض نہ فرمایا یہ لوگ جنکا نام اوپر لکھا گیا بیعت نہ کرنے کے خوف سے اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے تھے مگر تاہم ان پر کسی قسم کا تشدد و جبر ظلم یا دباؤ اگرچہ وہ کیسے ہے ہو تہدیداً" یا تشدیداً" ان لوگوں پر نہ ڈالا گیا امیرالمومنینؑ نے اپنی موجودہ قوت و اختیار اور پورے استحقاق کے ساتھ بھی ان کو انہیں کی حالتوں پر چھوڑ دیا اس میں شک نہیں کہ یہ بیعت نہ کرنے کی وجہ دریافت کرنے کیلئے امیرالمومنینؑ کی خدمت میں ضرور طلب کئے گئے ان سے جو گفتگو ہوئی وہ ہم نہایت معتبر تاریخ اعثم کوفی سے ذیل میں لکھتے ہیں۔"

لقد امت لما لم احد لی مقدما امامی ولا خلفی سوی المرب مرحلا
فوا اخی ابن امی والحوادت حمہ ووافی المنایا والکتاب موجلا
اتیت علیا غیر من بامرہ ولا ناظرا" فیہ محققا منبطلا

درحالیکہ میں نے اس حالت میں اپنے قدم آگے ڈالے کوئی آگے چلنے والا میرے نہیں تھا اور نہ اپنی موت کیلئے اپنے آگے پیچھے کوئی جائے پناہ یا جائے گریز نہ تھی میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا جس حالت میں بلا اور موت گردن پر سوار ہوتی ہے میں نہایت کراہت کے ساتھ علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایسی حالت میں میں ان کے پاس گیا ہوں کہ جب میں حق و باطل میں کوئی تحقیق نہیں کر سکتا تھا جو میرے ذہن نشین ہوتا۔

مروان وغیرہ کی اس گفتگو سے تو حضرات بنی امیہ کے وہ خیالات جو جناب امیرالمومنین کے ساتھ تھے پورے طور سے معلوم ہو گئے اب ان کے چھپے ہوئے مدتوں کے وہ دیرینہ کینے جو بعد نسلاً" اگر ہاشم مرحوم اور امیہ کے وقت سے نہیں تو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

Presented by www.ziyaraat.net/

ابوسفیان ابن الحرب کے زمانے سے تو ضرور ایک سینے سے ہو کر دوسرے کے سینے میں امانت رہتے تھے ظاہر ہوگئے بدر کے قصاص پر وہ تیار ہیں احد کے معاوضہ پر آمادہ ہیں آخر اب کی مکافات وہ آج ہی لیں گے شکست حنین گھاٹے وہ پورا کریں گے اور طرہ تو یہ ہے پھر انہیں کی متابعت بھی کریں گے اور مخالفت کے حلف بھی اٹھائیں گے۔

بنی امیہ میں سے سوائے ان لوگوں کے اور کسی دوسرے کا بیعت کرنا ثابت نہیں ہوتا مگر حقیقت میں یہ بیعت بھی ان کی کوئی بیعت نہیں تھی **یقولون بالسنتھم ولیس فی قلوبھم** دل میں کچھ زبان پر کچھ مروان کی بیعت کا خلوص تو ان کے اشعار سے ظاہر ہے جب ان کو کہیں پناہ نہ ملی تو مجبور ہو کر یہ روش اختیار کی ایسی ہی مجبوری پیش آئی جس کے سبب وہ امیرالمومنین کے سامنے بھی آئے ورنہ کہاں مروان اور کہاں علیؑ ابھی کتنے دن ہوئے کہ مروان جناب علیؑ کے تمامی شوریٰ جو آپ خلیفہ عثمانہ کو دوستانہ دیا کرتے تھے بات کی بات میں کاٹ دیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب علیؑ مرتضیٰ ان کی سوء تدبی سے عاجز آکر خاموش ہو بیٹھے۔

امیرالمومنین علیہ السلام اس قوم کو زمانہ دراز سے پہچانتے تھے ان کے بڑے بڑے نمودار اور سرداروں کے سر کچلے تھے اور ان کو اس قدر ضعیف کر دیا تھا کہ آخر کار انہوں نے مجبور ہو کر اس اسلام کو اختیار کیا جس کو وہ ایسی سخت نفرت سے برابر دیکھ رہے تھے وہ ان کی مقدار ایمان کو خوب سمجھتے تھے ان کی کراہیت سے بیعت کرنے پر کیا افسوس فرماتے یا ان کی ان فطرتی حرکتوں کی کیا شکایت کرتے یہ تو بنی امیہ کی فطرت ہی تھی اور فطرت کے خلاف کسی کا فعل ہو نہیں سکتا ہاں ان چھپی ہوئی کاروائیوں پر بھی ان کے حق میں کسی طرح سے چشم پوشی اختیار نہ فرمائی انہوں نے شام کی اجازت چاہی آپ نے بلاعذر منظور کر لی انہوں نے قیام مدینے سے انکار کیا آپ نے اس کو بھی بلا پس و پیش قبول کر لیا انہوں نے یہاں رہنے میں خوف ظاہر کیا آپ نے انہیں پوری تسکین اور اطمینان کا یقین دلایا پھر اس پر بھی یہاں تک آزاد کر دیا کہ شام پر منحصر نہیں تم جہاں چاہو ہو چلے جاؤ نہ تمہارے لئے کوئی ممانعت ہے نہ کوئی مزاحمت اب اس سے بڑھ کر شفیق اور مہربان کی وہ تلاش کریں تو تعجب ہے۔

یہ لوگ پہلے اس سے کہ یہ مدینہ سے کہیں چلے جائیں مخالفت علیؑ میں انواع و اقسام کی

فکر کرنے لگے افسوس جس کی عنایت و شفقت کا اس کشادہ پیشانی اور اس پر جوشی سے اعتراف کیا گیا اس کے حقوق کے مہینہ دو مہینے کیا دو تین روز تک بھی پورے طور سے رعایت نہیں کی گئی اور مخالفت علیؑ کی وہ مہیب اور خشناک تصویر جو ان کے دلی اوراق پر ان کے نقص فطرت نے کھینچی تھی ظاہر ہوگئی ان کی کینہ پرور اور حاسد طبیعتوں سے مملکت اسلام میں وہ وہ طوفان اٹھنے لگے جس نے مملکت اسلام اور ارکان ایمان اور انتظام خلافت کو بالکل تہہ و بالا کر دیا انہوں نے چاہا تھا کہ مدینہ کو دار الحرب بنائیں اور یہیں سے اس مخالفت اور مخاصمت کا سلسلہ اٹھائیں مگر جناب امیرالمومنین نے اس کی فوراً خبر کی اور عین وقت پر پہنچ کر اس کے استیصال اور دفع کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوئے۔

اس واقعہ کی پوری کیفیت علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں یوں لکھی ہے جن کے بجنسہ الفاظ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔"

جناب علیؑ مرتضیٰ کے خلیفہ ہونے پر پہلے جو معاملہ عامتہ الخلائق کی طرف سے ان کی توجہ کے واسطے پیش ہوا وہ قاتلان عثمان سے قصاص کا لینا تھا عثمان اپنے گھر میں بحالت محاصرہ شہید ہوئے تھے اور اس وقت ان کے پاس مروان اور نائلہ موجود تھیں مروان ان کا چچیرا بھائی اور نائلہ ان کی بی بی تھیں علیؑ مرتضیٰ نے مروان کو طلب کیا مگر اس کا پتہ نہ چلا نائلہ سے پوچھا گیا تو اس نے دو لا معلوم الاسم شخصوں کو بتلا دیا یہ حال دیکھ کر علیؑ مرتضیٰ نے حاضرین سے کہا کہ کئی آدمی اس فعل سے متہم بیان کئے جاتے ہیں۔ بدون گواہی اور شہادت کے سب کو سزا دینا ٹھیک نہیں ہے قصاص لینے میں ہم تم سے متفق ہیں مگر تحقیقات کے مکمل ہونے اور مجرم کے پکڑے جانے تک صبر کرنا واجب ہے غرض علی مرتضیٰؑ نے مصلحت وقت پر نظر کر کے کسی دعویدار کے پیدا ہونے تک اس کاروائی کو روک دیا۔ (المرتضیٰ ص ۷۶)

امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام نے امور خلافت میں سب سے پہلے بیت المال کا جائزہ لیا بیت المال میں مروان کی دست اندازیوں نے اول چھوڑا ہی کیا تھا اور جو کچھ بچ گیا تھا وہ اس عذر کے زمانے میں طلحہ ابن عبید اللہ کے ہاتھ لگ گیا (روضتہ الصفاص ۲۰۸) خیر اس پر بھی کچھ برکت تھی ایک جز و قلیل پایا گیا جو خازن بیت المال نے پیش کیا جناب علی مرتضیٰؑ نے اسی

Presented by www.ziyaraat.net/

وقت اس کے تقسیم تجویز فرما کر تمام اہل اسلام کو جمع فرمایا اور اس کے سامنے ذیل کا خطبہ پڑھا۔

ایہا الناس تم میں جو لوگ دنیا میں غرق ہیں قصرہائے نفیس میں بود و باش رکھتے ہیں نہریں اپنی آسائش کے لئے جاری رکھتے ہیں اسپان تیز و تند پر سوار ہوتے ہیں خوبصورت لونڈی غلام خدمت کیلئے موجود رکھتے ہیں حالانکہ یہ جملہ امور انکے لئے باعث ننگ و عار ہیں کل جس وقت وہ ان باتوں سے روکے جائیں اور حقوق واجب کے مطالبہ کیلئے بلائے جائیں تو اپنے انکار نہ پیش کریں اور معترض نہ ہوں کہ پسرؑ ابی طالبؑ ہم کو ہمارے حقوق سے محروم رکھتا ہے اور ہمارے فضل و سابقہ پر کچھ لحاظ نہیں کرتا۔

ایہاالناس مہاجرین و انصار میں سے جس کو یہ خیال ہو کہ ہم بوجہ محبت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اور سب سے اشراف اور افضل ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کیلئے فردائے قیامت میں حضرت ایزد تعالیٰ کے نزدیک شرف و فضیلت ظاہر ہے اور اس جل شانہ پر ہے کہ بعطائے اجر کامل و ثواب و افران کو راضی و خوشنود کرے لیکن دار دنیا میں جس نے دعوت رسول کو قبول کیا او ملت اسلام کی تصدیق فرمائی اور کلمہ شہادتین پڑھ کر رو بقبلہ ہوا وہ اسلام کے جملہ حقوق و حدود کا مستحق ہوگیا یہ مال مال خدا ہے اور تم بندگان خدا ہو تمہارے درمیان بالسویہ تقسیم ہوگا۔ اس کے رو سے کسی پر کسی کو ترجیح نہیں ہے یہاں پر پرہیز گاروں کیلئے فردائے قیامت میں افضل و اکمل ہے جزا۔ اس عزوجل نے دنیائے ناپائدار کو ان کا محل عوض و جزا نہیں قرار دیا ہے جو کچھ ان کیلئے وہاں ذخیرہ ہے وہ دنیا و مافیہا سے ان کیلئے بہتر ہے پس کل صبح کو تم لوگ ہمارے پاس آجاؤ تاکہ جو مال موجود ہے تم پر بانصاف تقسیم کر دیا جاوے کوئی اہل اسلام آزاد ہو یا غلام عجمی ہو یا عربی اس سے پہلے بھی اس کو حصہ ملا ہو یا نہیں اس تقسیم سے محروم نہیں رہیگا میں یہ کہتا ہوں اور تمہارے اور اپنے لئے مغفرت کا خواستگار ہوں۔ (تہذیب المتین فی تاریخ امیرالمومنین جلد دوم ص ۱۶)

اس تقسیم بالسویہ کی بار دیگر ترمیم سے وہ لوگ جو تقسیم رسولؐ کے آئین کو بھول کر سالہا سال سے تقسیم بالمدارج کے عادی ہو رہے تھے وہ ناراض ہوئے وہ صرف اپنی آمدنی میں اس کے باعث خسارہ دیکھ کر ان کو نہ قبول کر سکے دنیا اور اس کی دولت بہت بری چیز ہے اس کے کیسے ہی

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

برے نتیجے دکھلائے جائیں اور کیسے ہی ضرر رسان و نقصان دہ اور زیان آور نہ ثابت کئے جاویں اور اس کے مقابلہ میں قناعت اور توکل کی حد سے زیادہ فائدے بے شمار اور بے حساب منفعت نہ دکھلائے جائے مگر اس کمبخت کا جاگتا جادو عموماً" امارت پسند طبیعتوں پر اپنا ایسا گہرا اثر ڈالتا ہے کہ پھر وہ زائل ہی نہیں ہوتا۔

ان لوگوں پر جن کو تقسیم بالسویہ کی بار دیگر ترمیم گراں گذری تھی امیرالمومنین کی یہ مقدس تقریر کوئی اثر نہ پیدا کر سکی اگرچہ دوسرے دن تقسیم کے وقت یہ لوگ بھی آئے اور اپنی اپنی قسمت کے تین تین درم لے کر روانہ ہوئے مگر تاہم اس ترمیم کی نسبت ان کی شکایت ویسی کی ویسی ہی رہی اس جماعت میں سب سے زیادہ مشہور و معروف سات آدمی پائے جاتے ہیں طلحہ ابن عبید اللہ، زبیر ابن العوام، عبداللہ ابن عمر، سعید ابن العاص، مروان ابن الحکم ان لوگوں میں اس ناراضی کا ہمیشہ چرچا ہوتا رہا جن کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ تمام اہل اسلام یہ سن کر ہماری ناراضی کے شریک ہوں اور امیرالمومنینؑ کی مخالفت میں ہمارے قدم بقدم مگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے اور مخالفت علیؑ کا یہ افسوس ان کا اہل اسلام پر کچھ بھی اثر نہ پیدا کر سکا۔

ایک دن عبداللہ ابن ابورافع جناب رسالتمابؐ کا پشتینی نمک خوار جس آنحضرت کی خدمت کا شرف دوپشت سے حاصل تھا ایک راہ سے گذرا جہاں یہ لوگ اس تقسیم کی نسبت آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ عبداللہ نے ان کی تمام و کمال باتیں سن لیں اور ان میں سے سعید و زبیر کو مخاطب کر کے کہا تم لوگ کیوں حق باتوں سے عدول کرتے ہو کیا قرآن کی یہ آیت تمہاری نظر سے نہیں گذری ہے **صدق اللہ العلی العظیم و لکن اکثرھم للحق کارھون** خدا علی و عظیم نے سچا فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ امر حق سے کارہ ہوتے ہیں۔ عبداللہ کی یہ تقریر سن کر وہ لوگ خاموش ہوگئے وہاں سے واپس آکر عبداللہ نے یہ تمام وہ کمال کیفیت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں عرض کر دی یہ سنکر ملال خاطر تو ضرور ہوا مگر نہایت استقلال سے ارشاد فرمایا کہ اگر میں زندہ اور سلامت بچ گیا تو ان کو راہ روشن اور طریق واضح پر لاؤنگا (تہذیب المتین ص ۱۶)

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو خلافت ملنے کے پہلے ہی روز سے پیچیدہ

Presented by www.ziyaraat.net/

معاملات ملنے گئے ہمارے سلسلہ بیان ۳۶ ہجری کے آغاز سے شروع ہوتا ہے سب سے پہلے جس امر کی طرف توجہ فرمائی گئی وہ بیت المال کا جائزہ تھا اس کے بعد منکرین بیعت کا معاملہ پیش ہوا اسے بھی تصفیہ کر دکھایا یا اس کے بعد قصاص کے دعویٰ کیلئے زور دیا گیا وہ بھی ایک حد تک طے فرمایا گیا ان امور کے بعد امیرالمومنینؑ نے مملکت اسلامیہ کے عمال کی نسبت توجہ فرمائی جو امور ملکی میں سب سے زیادہ ضروری تھے امیرالمومنینؑ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ گذشتہ خلافت میں جو عبرتناک واقعے گذرے اور جو جو مصیبتیں غریف خلیفہ کو اٹھانی پڑیں وہ انہیں عمالوں کی شکایت کے باعث سے تھیں اور پہلی ناراضی جو ملک میں پھیلی وہ انہیں کی ناقابلیت کی وجہ سے امیر المومنینؑ نے اس پر غور فرما کر ان ناقابل عمالوں کی تبدیلی کو مناسب سمجھ کر ذیل کے لوگوں کو مقرر فرمایا۔

۱۔ زیاد ابن سمیہ کو فارس میں مقرر فرمایا۔
۲۔ عثمان ابن حنیف کو بصرہ میں مقرر کیا۔
۳۔ عبداللہ ابن عباس کو یمن میں بھیجا۔
۴۔ قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری کو مصر روانہ کیا۔
۵۔ سہیل ابن حنیف انصاری کو شام اور
۶۔ عمار ابن شہاب کو کوفہ میں عامل کیا۔

ان لوگوں کے مقرر ہونے سے فتنہ و فساد جو مخالفین کی اشتعال طبعی اور فتنہ انگیزی سے ملک میں ادھر ادھر پھیل رہا تھا ایک بارہی کھل گیا جس ملک میں اس کا پورا اثر نہیں ہوا تھا وہاں اس انتظام سے اصلاح ہوگئی اور امیرالمومنینؑ اس کی طرف مطمئن ہوگئے اور جن علاقوں میں اس کا قوی اثر پڑ چکا تھا وہاں پوری طرح سے مخالفت ظاہر ہوگئی امیرالمومنینؑ بھی ان کی طرف مشکوک ہو کر ان کے مطیع کرنے کے ذریعے سوچنے لگے۔"

فارس :۔ زیاد ابن سمیہ کو فارس میں بحال رکھا گیا یہ شخص پہلے یہاں کا عامل تھا سیاست اس کی مشہور تھی اس کی نسبت اہل عجم کا قول تھا کہ نوشیروان کے بعد اگر کسی نے تخت فارس پر اس کے اصول سے سیاست کی ہے تو زید نے اس کی مخالفت کی بو اپنے ملک میں نہیں پھیلنے دی اور

اسی وجہ سے اس کا ملک ان تمام خدمتوں سے پاک و صاف رہا۔

بصرہ :۔ عثمان ابن حنیف انصاری یہاں بھیجے گئے بصرہ میں دو فرقہ کے لوگ تھے ایک تو وہ جن کو بنی امیہ سے تعلق تھا اور جن پر اس پوشیدہ مخالفت کا پورا اثر پڑ چکا تھا دوسرے وہ لوگ تھے جو آزادانہ بسر کرتے تھے اور ان مخالفتوں سے دور دور رہتے تھے عثمان ابن حنیف انصار کی اطاعت اس اخیر فرقہ نے فوراً قبول کرلی مگر اول فرقہ کے لوگ جو شب و روز طلحہ و زبیر کے انتظار میں بیچین تھے مذبذب رہے اور ان کی اطاعت سے رکے رہے تاہم ان کو عثمان ابن حنیف انصاری کے خلاف کسی کاروائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یمن :۔ عبداللہ ابن عباس کے سپرد ہوا۔ یمن والوں نے ان کو بڑے اعزاز سے اپنا امیر تسلیم کر لیا اور نہایت کشادہ پیشانی سے ان کی اطاعت پر کمربستہ ہوگئے یہاں کا سابقہ عامل علی ابن منیہ تھا اپنی معزولی کی خبر پاتے ہی ایک بارگی تمام بیت المال کو جو اس وقت تک اس کی امانت میں موجود تھا لے دیکر یمن سے چلتا ہوا اور مکہ میں پہنچ کر طلحتین سے ملگیا اور جنگ جمل کے مصارف میں اپنا تمامی ہمراہی سرمایہ صرف کر دیا۔

مصر :۔ قیس ابن سعد ابن عبادہ مصر اور ممالک افریقہ کے عامل ہوئے حضرت عمر کے زمانے سے لے کر حضرت عثمان کے اخیر زمانے تک عرم ابن العاص وہاں کا امیر رہا مگر مروان کے سرگوشیوں کی وجہ سے عمر عاص کی قدیم امارت ٹوٹ گئی انکی جگہ عبداللہ ابن ابی سرح بھیجا گیا جس کے تعین کی وجہ سے تمام مصر کے لوگ باغی ہو کر خلیفہ عہد پر ٹوٹ پڑے اور اس امر کے تصفیہ کے لئے حضرت عثمان نے جناب علیؑ مرتضیٰ کی صلاح سے اخیر وقت میں عبداللہ ابن ابی سرح کو معزول کر کے محمد ابن ابوبکر کو مصر پر مامور کیا گیا مگر پھر رات ہی بھر میں ناعاقبت اندیش مروان کی رخنہ اندازیوں نے اس انتظام کو بھی درہم برہم کر دیا اور مستغیثان مصر اور حضرت عثمان کے مابین ان کی حرکتوں سے وہ مخالفت پیدا کر دی کہ آخر ان لوگوں نے خلیفہ عصر کی جان لے لی ۳۶ھ تک دارالامارت مصر خالی رہا اور کوئی شخص خلافت کی طرف سے وہاں کا امیر نہیں تھا۔ امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالب نے قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری کو مصر کی امارت تفویض فرمائی

Presented by www.ziyaraat.net/

قیس وہاں گئے مصریوں نے ان کی امارت تسلیم کرلی تھوڑے لوگوں نے جو فرقہ عثمانیہ کہلاتے تھے ان کی اطاعت میں تامل کیا قیس نے ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کی اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا۔

شام :۔ سہیل ابن حنیف انصاری کی امارت میں آیا یہاں تو بیس برس سے معاویہ ابن ابوسفیان کا جادو چل رہا تھا سہیل راستہ ہی میں تھے کہ ان کو منزل تبوک میں شام سے آتے ہوئے چند سوار ملے جنھوں نے انکو اطلاع دی کہ اہل شام سوائے معاویہ ابن ابوسفیان کے اور کسی دوسرے شخص کی امارت نہیں چاہتے یہ سن کر سہیل نے اپنا وہاں جانا بہت بڑے خطرے کا باعث جانا اور مدینے واپس آئے۔

کوفہ :۔ عمارۃ ابن شہاب کوفہ میں مامور ہوئے شام اگر معاویہ ابن ابوسفیان کی حکومت تھی تو کوفہ میں ابو موسیٰ الاشعری کی امالت کوفہ شام کا دروازہ ہے وہاں مخالفت ہو یہاں نہیں ایسا ناممکن عمارہ بھی راستہ ہی سے کوفہ والوں کے خیالات دریافت کرکے اپنا آگے بڑھنا مصلحت نہ سمجھا اور مدینے لوٹ آئے (ابوالفدا ص ۲۱۶ طبری جلد چہارم ص ۵۴۸ روضتہ الصفا جلد دوم اعثم کوفی ص ۱۴۵)

امیرالمومنینؑ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ان واپس شدہ عمال سے کوفہ اور شام والوں کے خیالات کی پوری اطلاع ہوگئی آپ نے فی الحال صرف ان کی تشفی فرمائی اور کسی فوری تحریک کو مناسب نہ سمجھا حضرت عثمان کی بد انتظامیوں نے ان دونوں ملکوں کو اس قدر سرکش کر دیا تھا کہ وہ خلافت کی قوت کی کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ قوی عامل سے اظہار سرکشی کے وقت پورا جواب نہیں لیا جاتا تھا اور نہ ان سے مقابلہ کیا جاتا تھا بلکہ ملائمت نرمی اور الٹی نہیں کہ خاطرداریوں اور دلجوئیوں سے کام لیا جاتا تھا اگر کبھی خلافت کی طرف سے کوئی اعتراض بھی ہوا تو اور لوگوں نے اپنے طور پر مروان کو سمجھا لیا اور مطمئن ہو بیٹھے اگر رعایا کی طرف سے عمال کی کوئی شکایت آئی الٹی رعایا کی سیاست کی گئی اور الٹے انہیں پر ان کے الزامات لگا کر اور سخت و ست سنا کر جدھر سے آئے تھے اسی طرف پھیر دیئے گئے اب ایسی حالتوں میں عمال کی سرکشی یا خود مختاری کی وجہ سے ڈھونڈنا فضول ہے جب ان کی افریا فوق انہیں

کے تحت فرمان اس طرح رہتا ہو اور اس کے خوف و دہشت کیوجہ سے اس کی اس قدر رعایت لحاظ اور مروت کی جاتی ہو ملک اور رعایا کہ تباہی کا خیال نہ کیا جاتا ہو تب وہ خود مختار ہو بیٹھیں تو کیا تھوڑا سرکش نہ ہو جائیں تو کیا تعجب جب وہ ایسی رعایتوں کے عادی ہو رہے ہوں تب وہ ایسے شخص کے حکم کیونکر فوراً مان سکتے ہیں جو کسی طرح ان کے ناجائز حقوق کی رعایت نہیں کرتا جو رعایا کی شکایتوں کے مقابلہ میں ان کی منصب۔ اعزاز اور قرابت کا مطلق خیال نہیں کرتا نہ ہو ان کے زور شمشیر سے لرزاں ہے نہ ان کی قوت تقریر سے ہراساں اس کی عدالت میں خصوصیت نہیں ہے وہ باعتبار عدالت ان کو اور ایک معمولی مسلمان کر برابر سمجھتا ہے وہ خوشامد کا عادی نہیں تملق کا خوگر نہیں۔ دنیا اور دنیا کی دولت اس کے آگے کوئی چیز نہیں ہے دنیا کی ثروت سے وہ مطلق واقف نہیں اسلام سے خلاف ہو کر وہ دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ وہ ان لوگوں سے عموماً اپنا تعلق قائم رکھتا جو احکام اسلام کی پوری پابندی نہیں کرتے منہیات اسلام کی طرف مائل ہیں اور امر اسلام سے کارہ ہیں دولت دنیا کے عوض میں دین کی نعمت کو ضائع کرنا اس کا شعار نہیں ہو وہ کچھ کرتا ہے ۔ خدا کے بھیجے ہوئے احکام اور اس کے پاک برحق اور برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق وہ اپنے ان اصول سے سرمواختلاف نہیں کر سکتا اس کے تمام احکام خالصتہً للہ اور اسلام کی اصلاح اور رفاہ پر مبنی ہوتے ہیں وہ کبھی اپنے امور میں ایسے لوگوں کی شرکت اور مداخلت کو جائز نہیں رکھتا جن کو اس نے اپنے ذاتی تجربہ سے فساد انگیز اور فتنہ خیز معلوم کرلیا ہے عمال کی تبدیلی سے امیرالمومنینؑ کی خاص غرض تفتیش احوال تھی اس کو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ آپ امور خلافت میں مطمئن تھے اور آپ کو چاروں طرف سے اطمینان حاصل تھا اطمینان تو بعد وفات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کو عمر بھر نصیب نہیں ہوا اگر آپ ان پوشیدہ اور اندرونی مخالفت کی خبرگیری آہستگی اور سہولیت سے کرنا چاہئے تو کیسے ممکن تھا قطعی اطمینان ہونا دشوار اور ان مخالفتوں کا ایک باری موقوف ہو جانا بالکل ناممکن اب اگر ان مخالفتوں کی تحقیق میں غفلت کی جاتی اور ان پوشیدہ مخاصمت کے سراغ لگانے میں بے ضرورت دیر کی جاتی تو یہ فتنہ روز بروز ترقی کرتا ہوا کہاں تک پہنچتا اور نتیجہ یہ ہوتا کہ خلافت پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگتے اور بھی مختلف مخالفت مدینتہ النبیؐ کو گھیر لیتی اور پھر خلیفہ عہد

Presented by www.ziyaraat.net/

کو سوائے خانہ نشینی کے تحفظ کی کوئی دوسری صورت نہیں آتی۔

ان وجہوں سے اس مخالفت کی بہت جلد خبر لگ گئی ایک ہی مہینہ کے عرصہ میں امیرالمومنینؑ کو اپنے دوست و دشمن موافق اور مخالف کی پوری تمیز ہوگئی امیرالمومنینؑ پر موقوف نہیں تمام اہل اسلام کو معلوم ہوگیا کہ شام اور کوفہ کے لوگ خلیفہ سے بغاوت پر آمادہ ہیں جو خلافت کے شریک اور معین تھے وہ ایک طرف ہوگئے اور جو اس سے خلاف تھے وہ باغی ہو کر خلافت سے مقابلہ کے سامان فراہم کریں گے اگر یہ عمال ان ملکوں میں نہ بھیجے جاتے تو وہاں کے سابق حکمراں جو حضرت عثمان کی ملامت اور مروان کی قوت کی وجہ سے اپنے اپنے متعلقات میں خود مختار ہو رہے تھے کہ بغیر کسی تحریک کے خود حاضر ہوکر خلیفہ عہد کی متابعت اور خلافت سے راستبازی اور امانت کے معاملے کرنے ہر شخص تو موقع اور اپنی گھات میں تھا کسی کو کسی بھاری سے بھاری علاقہ کی فکر تھی کسی کی بیت المال پر نظر تھی کوئی تحصیل زکوٰۃ پر دانت گرائے ہوئے تھا غرض جو تھا وہ اپنی فکر میں نہ خلیفہ سے علاقہ نہ خلافت سے تعلق فرمانروا کا غافل اور اس کے اراکین کا خود غرض اور خود مختار ہو جانا ملک کی تباہی فتنہ و فساد کا اصلی باعث ہوتا ہے۔

حضرت عثمان کے معاملات کو زیادہ تر ان کی غفلت' نرم مزاجی اور مروان کی بزدلی اور بندانہ حرکت نے ابتر کر رکھا تھا ورنہ کسی سرکش قوم کو آسانی اور آہستگی سے مطیع کر لینا اسلام کی موجودہ گورنمنٹ سے ایسا دشوار نہیں تھا مگر حضرت عثمان کی سادہ مزاجی نے اپنے معاملات کو اپنے اختیار سے باہر کر دیا امیرالمومنین علیہ السلام ان سامانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکے تھے۔ اب اگر پھر انہیں اصول کی پابندی کی جاتی اور وہی روش اختیار کی جاتی تو وہ اہل اسلام جو کل حضرت عثمان کی طرف حکومت پر معترض ہوتے تھے وہی آج امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اصول حکومت پر اعتراض کرنے کو موجود ہو جاتے بلکہ حضرت عثمان سے زیادہ حضرت علیؑ مرتضیٰ قابل اعتراض ٹھہرائے جاتے کیونکہ حضرت عثمان کو اس طرز حکومت کا کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا اگر انہیں الزام لگایا جاتا تھا تو اسی لئے کہ انہوں نے یہ اصول اپنی حکومت میں کیوں قائم رکھے تھے مگر جناب علیؑ مرتضیٰ پر تو اس سے زیادہ اعتراض لازم آتے اور تمام دنیا کے لوگ یہی کہتے کہ آپ ان کے اصول کی خرابیوں کو دیکھ چکے تھے اور اس سے جو نتیجے پیدا ہوئے

تھے ان کا تجربہ بھی آپ کو حاصل ہو چکا تھا۔ مگر تاہم آپ نے اس کی متابعت کی اور بہت بڑی غلطی کی۔ اگر اس امر کے خلاف ظہور میں آتا تو جناب علیؑ مرتضیٰ کے معاونین کو پھر اس اعتراض کے جواب کی مطلق گنجائش نہیں رہتی اور جناب علی مرتضیٰؑ کی صداقت اور راست گفتاری کے اس اصول سے جو ہمیشہ آپ کے عادات و خصائل کا ایک جزو اعظم دکھلایا گیا ہے صریحی انکار کرنا ہوتا اور اسی وقت یہ امر بھی تسلیم کر لینا ہوتا کہ جناب امیرالمومنینؑ نے ایک وقت میں ایک شخص غیر کی رائے کو خطا سمجھ کر اس کے ترک پر ہدایت کی اور پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہی رائے اپنے لئے عین اصول سمجھ کر روا رکھی اور پھر کسی کے کہنے پر عمل نہ کیا یہ باتیں چاہے جیسی ہوتیں ضرورت زمانہ یا ضرورت ملکی کے لحاظ سے مگر پھر بھی شان مرتضویؑ کے ضرور خلاف ہوتیں۔"

اس مقام پر ہم مغیرہ ابن شعبہ والی روایت بھی لکھے دیتے ہیں جو اس کے متعلق تمام اسلامی تاریخوں میں درج ہے۔ وہ یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ کو جب عمال کی تبدیلی منظور ہوئی تو آپ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باقی ماندہ اصحاب میں سے ان لوگوں کو جس کے نام اوپر لکھے گئے منتخب فرما کر خلافت کے مختلف صوبوں میں روانہ فرمانے کی تجویز کی مغیرہ ابن شعبہ کو اس جدید انتظام کی خبر لگی تو ان کو سب سے پہلے معاویہ کا خیال آیا مغیرہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ جناب علی مرتضیٰؑ کا استمزاج لینا چاہئے اور زیادہ تر معاویہ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کرنے چاہئیں یہ سوچ کر امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تھوڑی گفتگو کے بعد عرض کی کہ چند امور بنظر اصلاح پیش کرتا ہوں وہ یہ ہیں کہ چونکہ بنائے سلطنت ابھی استوار نہیں مناسب ہے کہ عاملان عثمان کے عزل میں تعجیل نہ فرمائی جاوے خصوصاً معاویہ کی نسبت چونکہ وہ مدت دراز سے شام میں حکومت کر رہا ہے اس کی حکومت اسی پر مستقل رکھی جائے اور عمر عاص کو چونکہ مرد تیز فہم چالاک صاحب حیلہ و تدبیر ہے بہتر ہے کہ حکومت مصر کے وعدے پر رضا مند کر کے اپنے اطاعت میں لایا جائے کہ استحکام خلافت کے واسطے بغیر ان اسباب کے چارہ نہیں۔ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے مغیرہ کی باتوں کو غور سے سنا معاویہ کی طرف سے جو شکایتیں اہل اسلام اور باقی ماندہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلافت گذشتہ کے

Presented by www.ziyaraat.net/

زمانے میں تھیں وہ اس وقت تک ان کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ جاریہ والا معاملہ غنائم جزیرہ قبرس اور یاقوت سرخ کی شکایت حضرت ابی ذر کی جلاوطنی کا الزام وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں تھیں جنھوں نے اہل اسلام کو معٰویہ ابن ابوسفیان کی طرف سے مخدوش کر دیا تھا اور اس کے مخالف ہوگئے تھے مگر مروان کا ایسا گہرا زور تھا کہ ان لوگوں کی کچھ بس نہ چل سکی اور ان کی تمام شکایتیں ایسی کی ایسی ہی رہ گئیں اس خلافت کے زمانہ میں تو معاویہ خلافت سے باغی اور اجماع امت سے منکر ہوگئے اور اس خلافت کو کسی طرح تسلیم نہ کر سکے اور شام کے علاقے پر خود مختار ہو بیٹھے۔ اب بغیر کسی چشم نمائی کے وہ ملک کا ملک یونہی چھوڑ دینا یا اس کے خوف و دہشت کی وجہ سے خاموش رہ جانا اور اس پر سکوت اختیار کرنا مروان شاہ مرداں کے فیصلہ میں بہت کم فرق باقی چھوڑتا۔

ان تدبیروں سے تو سوائے اس کے کہ اسلام سے دینداری اٹھ جائے اس کی صداقت امانت اور راست بازی کا استیصال ہو جائے طمع دنیاوی' حسد' کینہ' مخالفت اور عداوت کی بنیاد مضبوط کی جائے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اسلام جس کی غرض خاص و عام کی ہدایت سے تھی کہ دنیا میں شائستگی اخلاق اور اخلاص کی تعلیم بڑھے اور سابق شریعتوں کے ان نامکمل اور غیر مرتب اجزاء کی پوری تکمیل ہو جائے جو انسان کی روحانی تعلیمات کے متعلق ابھی تک ویسی ہی نامکمل اور غیر مرتب ہیں اسلام کا پہلا فرض تھا کہ وہ دنیا کو صداقت کی تعلیم دے اور راستبازی سے کام لے کر ایک کو دوسرے کا شریک اور ہمدرد بنا دے۔

امیرالمومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ انہیں اصول سے خلافت کا کام لینے والے تھے جو اسلام کا اصل مدعا تھا مغیرہ ابن شعبہ کی تجویز کو اس سے کیا علاقہ اس اصول میں اسلام کی سچائی اور دینداری تھی اور اس طریقہ میں چالاکی اور عیاری اگرچہ یہ امور سیاست و مدن کے ایک جزو بھی قرار دیئے جائیں مگر تاہم اس ملک اور تخت کے شایان نہیں ہوسکتی جہاں اسلام کی صداقت، کا سکہ جاری تھا اور مخبرؐ صادق کا خطبہ پڑھا جاتا تھا امیرالمومنینؑ اس تجویز کی متابعت کو ایک ساعت کیلئے بھی گوارا نہیں فرما سکتے تھے نہایت آزادی سے آپ نے اس کی باتوں کے جواب میں ارشاد فرمایا **ماکنت متخنا" المضلین عضدا** میں گمراہوں کو اپنا مددگار بنانا نہیں چاہتا اب ایسے صریح

انکار کے مقابلہ میں مغیرہ کو کسی اصرار کی کہاں گنجائش باقی رہی یہ سنکر اٹھے اور اپنے گھر واپس گئے اب مغیرہ کی چالوں پر غور کرو ان کی سفارش سے کوئی فائدہ تو نکلا ہی نہیں اور اس افسوس سے اس معجز نما دل پر کچھ بھی تاثیر نہ کی تو دوسرے دن مغیرہ ابن شعبہ پھر جناب امیرالمومنینؑ کی خدمت میں صرف اسی غرض سے حاضر ہوا کہ کل کی تقریر کے اثر کو چل کر آپ کے دل سے مٹا دیں نہیں تو ضرور آپ کو شک ہوگا۔ کہ مغیرہ معاویہ کی سازش میں ہے اور اس کی پلہ داری کرتا ہے امیرالمومنینؑ تنہا تھے اور اس وقت صحبت بالکل خالی تھی مغیرہ نے حاضر ہو کر نہایت آہستگی سے عرض" کی کہ میں نے شب کو اپنی اصلاح اور آپ کی تجویز پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت کی رائے بہت درست تھی بڑا فائدہ اس عزل و نصب سے یہ ہوگا کہ مخالفت سے موافق کی اور سرکش سے مطیع کی بخوبی تمیز ہو جائے گی۔ امیرالمومنینؑ مغیرہ کی باتوں کو خوب سمجھتے تھے سوائے سکوت کے کسی قسم کے جواب کو ضروری نہ سمجھا اور کچھ نہ فرمایا۔ (تہذیب المتین ص ۱۲۰ طبری جلد چہارم ص ۷ ۹۴)

عبداللہ ابن عباس اسی وقت مکہ سے تشریف لائے تھے۔ امیرالمومنینؑ سے ملاقات ہوئی تو مغیرہ کے آنے کی وجہ پوچھنے لگے آپ نے پوری کیفیت کہہ دی عبداللہ نے یہ سن کر کہا۔ **لقد صدق بالاول وکذب بالاخر** امیرالمومنینؑ نے یہ سنکر جواب دیا کہ میں اس کی مصلحت کو خود سمجھا ہوں مگر اس میں سوائے دنیاوی فائدے کے اسلام کا کوئی اور فائدہ نہیں ہے میں دنیا پر اہل اسلام کو حریص کرنا نہیں چاہتا میں اسلام کا امیر بھی ہوں اور امین بھی مجھ کو سب سے پہلے وہی طریقے اختیار کرنے ہوں گے جو ابتدا سے اس کے اصول قرار دیئے گئے ہیں ان کو غیر مستقل حالت میں نہیں چھوڑ سکتا اور نہ ان پر ان لوگوں کو مسلط کرنا پسند کرتا ہوں جنکو ان کے ساتھ اسکی دلچسپی کا خیال ہے اور نہ کسی ہمدردی کا لحاظ وہ اپنی خود غرضی کے آگے بربادی اور ضائع ہونے کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے ہم کو عموماً" تمام اہل اسلام کو جو بیشک اس خدائے برحق کی امانتیں ہیں ایسے ظالم حیلہ جو اور کینہ پرور لوگوں کی متابعت کے لئے مجبور کرنا نہیں ہوگا۔ جو اس کے ہمدرد نہیں ہیں اور جو ان کو پورے طور سے اس کے احکام بھی تعلیم نہیں کرسکتے۔

بہر حال ابھی جناب امیر علیہ السلام کو بیرونجات کی طرف سے فراغت نہیں ہوئی تھی اور

Presented by www.ziyaraat.net/

ہنوز آپ اپنے واپس شدہ عمالوں کی نسبت غور ہی کر رہے تھے کہ خاص مدینتہ النبیؐ میں فتنہ و فساد کے دو عظیم الشان ارکان قائم ہوئے اور انہوں نے خلافت کے تمام کاروبار کو ایک بار درہم و برہم کر دیا۔"

ملکی انتشار کی وجوہات

امیر المومنینؑ کی بیعت کی ابھی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ تخریبی کاروائیاں شروع ہوگئیں اور آپ کے گردو و پیش سازشوں کا ایک جال بُن دیا گیا۔ ہر طرف سے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے ایک فتنہ کو کچلا جاتا تو دوسرا فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا اسے دبایا جاتا تو کسی اور گوشہ سے نیا فتنہ ابھر آتا یہاں تک کہ آپ کا مختصر دور حکومت انہی الجھنوں کو سلجھانے اور نت نئے فتنوں کو فرو کرنے میں گزر گیا۔ ان فتنوں اور پیہم خانہ جنگیوں کی بنا پر کچھ لوگوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ یہ شورش و بد نظمی سیاسی کمزوری کا نتیجہ تھی اور امیر المومنینؑ اصل سیاست سے ناواقف اور ملی نظم و نسق کے قیام سے قاصر تھے بیشک امیر المومنینؑ دور خانہ جنگی و ہنگامہ آرائی کی جولانگاہ بنا رہا اور باہم آویزیوں کی وجہ سے ملکی حدود میں توسیع نہ ہوسکی مگر اس انتشار و پراگندگی کی وجہ سیاسی کمزوری نہ تھی بلکہ یہ نتیجہ تھا ان ناگوار حالات کا جن کی داغ بیل سابقہ حکومتوں میں پڑ چکی تھی اور اب اپنے عروج پر پہنچ چکے تھے۔ واقعات شاہد ہیں کہ دولت کی فراوانی اقتدار کی محرک ہوتی ہے چنانچہ فتوحات کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے اموال غنائم نے ذہنوں کے رخ خلافت سے ملوکیت کی طرف موڑ دیئے اور ہوس جاہ و اقتدار نے پوری فضا کو مسموم کر کے رکھ دیا اور کوئی گوشہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ اگر یہی حالات کسی اور مدبر و سیاست اندیش کو پیش آتے تو وہ ان ناگزیر نتائج سے اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکتا جن نتائج سے حضرت دوچار ہوئے بلکہ بعید نہ تھا کہ دشمن کی ستیزہ کاریوں کا مقابلہ نہ کر سکتا اور اس کی طوفانی یلغاروں کے آگے سپر انداختہ ہو جاتا۔

امیر المومنینؑ مسند خلافت پر اس وقت بیٹھے جب مدینہ شورشوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا اطراف و جوانب اور دوسرے علاقوں سے انقلاب پسند سمٹ کر مدینہ میں جمع تھے۔ سابقہ عمال، حکومت کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہے تھے۔ معاویہ شام میں خود مختاری کے خواہاں تھے زبیر کوفہ میں اور

طلحہ بصرہ میں اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے ان سب نے آپس میں گٹھ جوڑ کر کے ہر موڑ اور ہر دوراہے پر رکاوٹیں کھڑی کیں لشکر کشی کر کے دعوت مبارزت دی اور جنگ کے شعلے بھڑکا کر ملکی امن کو تباہ کرنے کی ٹھان لی۔ یہ امیر المومنینؑ کے سیاسی فہم و تدبر اور سوجھ بوجھ کا نتیجہ تھا کہ فرائض نظم و نسق کی انجام دہی کے ساتھ ان بغاوتوں کو بھی کچلتے رہے حالانکہ جو لوگ آپ کے پرچم کے نیچے جمع تھے ان میں کی اکثریت نہ ہم رنگ و ہم آہنگ تھی اور نہ اسے حضرت سے خلوص ہی تھا۔ ان مختلف الآراء لوگوں کے خیالات و نظریات میں ہم آہنگی پیدا کر کے انہیں ایک وحدت بنانا اور انہیں لے کر دشمن کی دل بادل فوجوں سے ٹکرا جانا آسان مرحلہ نہ تھا مگر حضرت انہی مختلف عناصر کو لے کر دشمن سے نبرد آزما ہوئے اور اسے شکست دی اور شامیوں کی شکست بھی یقینی تھی اگر وہ حیلہ و فریب سے حضرت کے لشکر میں پھوٹ نہ ڈلواتے۔ ان معرکوں اور صف آرائیوں کے باوجود حضرت نے جس حد تک ملکی اصلاحات کیں نظم و انضباط قائم کیا اور رعایا کے فلاحی امور پر نظر رکھی وہ آپ کی عظیم سیاسی بصیرت اور نظم و نسق کی اہلیت کا روشن ثبوت ہے۔ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے۔

قد قال بعض المتکلمین من اصحابنا ان سیاسة علی علیه السلام اذا تاملها المنصف متدبرا لها بالاضافة الیٰ احواله التی دفع الیها مع اصحابه جرت مجری المعجزات لصعوبة الامر و تعذره۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۸۴)

ہماری جماعت کے بعض متکلمین کا قول ہے کہ اگر کوئی انصاف پسند علی علیہ السلام کی سیاست پر نظر غائر ڈالے اور یہ دیکھے کہ آپ اپنے اصحاب کے ہاتھوں کس صورت حال سے دوچار تھے تو معاملات کی سختی و پیچیدگی کی بنا پر آپ کی سیاست ایک معجزہ سے کم نہ ہوگی۔"

اس ذہنی تبدیلی کے علاوہ مندرجہ ذیل اسباب و عوامل بھی ملکی انتشار و پراگندگی میں کار فرما تھے۔

پہلا امر یہ تھا کہ حضرت کی سیاست خالص سیاست تھی اور آپ کسی صورت میں اخلاقی و اسلامی قدروں کو حکومت و اقتدار پر قربان کرنے کیلئے تیار نہ تھے چہ جائیکہ حیلہ گری و دنیا سازی سے کام لے کر اقتدار کے استحکام کی فکر کرتے یا دو رخی سیاست اور چکنی چپڑی باتوں سے اپنا

Presented by www.ziyaraat.net/

مقصد نکالتے اگر حضرت بھی وہی طریق کار اختیار کرتے جو آپ کے مخالفین نے دیانت کے تقاضوں سے منہ موڑ کر اختیار کیا تھا تو جہاں آپ کو بظاہر ناکامی سے دوچار ہونا پڑتا وہاں آپ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتے مگر اس صورت میں حضرت کی حکومت ملوکیت قرار پاتی اس خلافت کا عملی نمونہ نہ ہوتی جس میں نہ مکرو فریب کی گنجائش ہے اور نہ عوام فریبی کا دخل ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں ایک طرف اخلاقی آئین اور دینی ضوابط کی پابندیاں راستہ روکے کھڑی ہوں اور دوسری طرف ہر قسم کے مکرو فریب اور الزام تراشی میں باک محسوس نہ کیا جاتا ہو وہاں چیخ چیخ کر گلا پھاڑ پھاڑ کر فتنہ و شر کو ہوا دی جاسکتی ہے چنانچہ مخالفین نے یہ سمجھتے ہوئے کہ حضرت اپنے مسلمہ اصولوں میں لچک پیدا نہ ہونے دیں گے آپ کے خلاف ہر طرح کے سیاسی حربوں سے کام لیا اور آپ کی صاف دلی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ احمد حسن الزیات نے تحریر کیا ہے۔

لا یعرف الهوادة فی الدین ولا المرونة فی الدنیا فکانت هذه الخلال الکریمة من انصار معاویة الداهیة فی الخلاف علیه۔ (ادب العربی ص ۱۷۴)

حضرت علیؑ دینی معاملات میں لچک اور دنیوی امور میں زمانہ سازی سے آشنا ہی نہ تھے آپ کے یہی بلند عادات و اطوار ہی تھے جن سے معاویہ ایسے چالاک نے فضا کو آپ کے خلاف کرنے میں مدد لی۔"

دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت خواص کی دلجوئی کیلئے عوام کے مفاد کو نظر انداز کرنا گوارا نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ ان کے مفاد کو خواص و سربر آوردہ افراد کے مفادات پر ترجیح دیتے تھے اور اپنے عمال کو بھی یہی ہدایت فرماتے تھے۔ چنانچہ مالک اشتر کو تحریر فرمایا۔ "تمہیں سب طریقوں سے زیادہ وہ طریقہ پسند ہونا چاہئے جو حق کے اعتبار سے بہترین انصاف کے لحاظ سے سب کو شامل اور رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کی مرضی کے مطابق ہو کیونکہ عوام کی ناراضگی خواص کی رضا مندی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور خواص کی ناراضگی عوام کی رضا مندی کے ہوتے ہوئے نظر انداز کی جاسکتی ہے۔" یہ طرز عمل جاہ طلب و اقتدار پسند طبیعتوں پر شاق گزرا اور انہوں نے اپنا تفوق و امتیاز برقرار رکھنا چاہا اور جب انہیں معاشرہ میں اپنا مقام حاصل ہوتا نظر نہ آیا تو نظم و نسق کو درہم و برہم کرنے کے درپے ہوگئے اور عوام کو اپنے انقلاب آفرین نعروں سے متاثر

کرکے ہنگامہ و شورش پر اتر آئے تاکہ ان کی بالا دستی اور امتیازی حیثیت برقرار رہے۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ حضرت مساویانہ تقسیم کے اصول پر کاربند تھے اور اعلیٰ و ادنیٰ اور عرب و عجم کی تفریق کے قائل نہ تھے۔ اس سے اگرچہ عوام اور موالی و اعجام کا طبقہ خوش ہوگیا مگر امتیاز پسند لوگوں کے دلوں میں گرہ پڑ گئی۔ وہ جس طرز عمل کے خوگر ہو چکے تھے اس کے خلاف کسی روش کو پسندیدہ نظروں سے نہ دیکھ سکتے تھے چنانچہ وہ اس پر سیخ پا ہوئے پر زور احتجاج کیا اور جب ان کی آواز موثر ثابت نہ ہوئی تو شام کا رخ کرلیا جہاں حضرت کے خلاف سازشوں کی پخت و پز ہوتی تھی۔ فضیل ابن جعدہ کہتے ہیں۔

امیرالمومنین سے عرب کی روگردانی کا اصل سبب مال تھا حضرت اعلیٰ کو ادنیٰ پر اور عربی کو عجمی پر ترجیح نہ دیتے تھے اور نہ حکمرانوں کی طرح امرا و سرداران قبائل کی آؤ بھگت کرتے تھے اور نہ کسی کو اپنی طرف مائل کرتے تھے اور معاویہ کی روش اس کے برعکس تھی اس لئے لوگ علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ سے جا ملے۔"

جب امیر المومنینؑ سے یہ کہا گیا کہ جن لوگوں سے فتنہ برپا کرنے کا اندیشہ ہے یا معاویہ سے وابستہ ہو جانے کا خطرہ ہے انہیں داد و دہش سے روک لیں تو آپ نے فرمایا۔

"کیا تم مجھے اس امر کا پابند کرنا چاہتے ہو کہ بے راہروی سے کچھ لوگوں کی امداد حاصل کروں تو خدا کی قسم جب تک سورج نکلتا اور ستارہ آسمان پر چمکتا رہے گا میں ایسا نہیں کروں گا اگر مسلمانوں کا مال میرا ذاتی مال ہوتا جب بھی میں اسے سب میں برابر تقسیم کرتا چہ جائیکہ یہ مال انہی کا ہے۔"

امیر المؤمنین کی اس سیرت و روش کے مقابلہ میں معاویہ کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ سیاسی مقصد براری کیلئے بے دریغ دولت لٹاتے اور خزانوں کے منہ کھول کر لوگوں کے دین و ایمان کا سودا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جاریہ ابن قدامہ، احنف ابن قیس، جون ابن قتادہ اور حتات مجاشعی معاویہ کے پاس آئے معاویہ نے حتات کو ستر ہزار اور دوسروں کو ایک ایک لاکھ درہم دیئے۔ حتات کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے معاویہ سے کہا کہ تم نے مجھے میرے قبیلہ میں رسوا کرنے کا سامان کیا ہے اوروں کو ایک ایک لاکھ اور مجھے ستر ہزار درہم دیئے ہیں معاویہ نے کہا۔

Presented by www.ziyaraat.net/

انی اشتریت من القوم دینهم (تاریخ کامل ج ۳ ص ۲۳۱)

میں نے ان لوگوں سے ان کا دین خرید کیا ہے۔"

اب جہاں یہ صورت ہو کہ درہم و دینار کے بدلے دین و ایمان کا کھلم کھلا سودا ہوتا ہو اور لوگ روپیہ پیسہ کے عوض دین بیچنے پر آمادہ ہو جاتے ہوں وہاں یہ توقع کیونکر کی جاسکتی تھی کہ امیر المومنینؑ کی محتاط روش انہیں خوش رکھ سکے گی اور وہ مال و دولت کو ٹھکرا کر محض دینی جذبہ کے زیر اثر حق سے وابستہ رہیں گے۔

چوتھا سبب یہ تھا کہ وہ امور جو خلاف شرع ہوتے ہوئے شرعی صورت اختیار کر چکے تھے اور دین کا جزو سمجھے جا رہے تھے۔ حضرت اپنی منصبی ذمہ داری کی بنا پر انہیں شرعی جواز دینے کے لئے تیار نہ تھے اور عوام کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو چیزیں ان کے ذہنوں میں اتر جاتی ہیں اس سے دستبردار ہونا گوارا نہیں کرتے اور نہ اس کے خلاف کوئی آواز سننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت نے منبر پر کچھ کہہ دیا تو عبیدۃ السلمانی نے کھڑے ہو کر کہا۔

رایک مع الجماعة احب الینا من رایک وحدک۔ (ابن ابی الحدید۔ ج ۲ ص ۱۸۴)

آپ ---- ایک اکیلے کی رائے سے ہمیں آپ کی وہ رائے زیادہ پسند ہے جو جماعت کی رائے کی موافق ہو۔"

اس اختلاف رائے نے بھی انتشار کے اسباب فراہم کئے اور لوگ ایسی بات کو جو ان کے پہلے طرز عمل کے خلاف ہوتی لے اڑتے اور لوگوں میں بدظنی پیدا کر کے فتنہ و شر پھیلاتے۔

پانچواں سبب یہ تھا کہ حضرت نے برسر اقتدار آتے ہی ان تمام عمال و حکام کی برطرفی کا اعلام کر دیا جو سابقہ حکومتوں کی طرف سے متعین تھے اور اس کا رد عمل یہ ہوا کہ ان عمال نے ان لوگوں سے جو عہدوں کے امیدوار تھے اور کامیاب نہ ہوسکے تھے گٹھ جوڑ کر کے قصاص خون عثمانی کی تحریک چلائی اور حضرت کے خلاف محاذ جنگ قائم کر کے ملکی نظم و نسق کو تباہ کرنے میں بھرپور حصہ لیا۔

ان تمام محرکات فتنہ و انتشار کے باوجود حضرت نے جس حد تک ملکی حالات کو بگڑنے سے

بچایا وہ صرف آپ کی سیاسی بصیرت معاملہ فہمی اور حسن تدبر کا نتیجہ تھا ورنہ شورش پسندوں نے تفرقہ و انتشار پھیلانے اور ملکی نظم کو درہم و برہم کرنے میں کون سعی کسر اٹھا رکھی تھی۔

عمال حکومت کی برطرفی اور اس کے وجوہ!

جب امیر المومنینؑ برسر اقتدار آئے تو مملکت کے صوبوں پر سابقہ حکومت کے ان عمال و حکام کا عمل دخل تھا جنہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ جس طرح چاہتے رعایا کو ستاتے اور جو چاہتے کر گزرتے تھے نہ مرکز سے باز پرس کا اندیشہ تھا نہ پوچھ گچھ کی فکر۔ مسلمان ان کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے تھے اور استبدادی گرفت میں جکڑے ہوئے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ حضرت نے عنان حکومت ہاتھوں میں لیتے ہی انہیں برطرف کرنے کا فیصلہ کر لیا اور دینی سیاست کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان لوگوں کو یکقلم معزول کر دیا جائے جنہوں نے لوٹ کھسوٹ اپنا وتیرہ اور ظلم و تعدی اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔

اس عام معزولی کی بھنک مغیرہ ابن شعبہ کے کانوں میں پڑی تو وہ حضرت کے پاس آیا اور کہا میں آپ کا ہمدرد و بہی خواہ ہوں اور اس ہمدردی و خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کو یہ مشورہ دوں کہ آپ فی الحال معاویہ' عبداللہ ابن عامر اور عہد عثمانی کے دوسرے عمال کو ان کے عہدوں پر بحال رہنے دیں اور جب وہ بیعت کر کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو جائیں تو پھر جیسا چاہیں ویسا قدم اٹھائیں خواہ انہیں بحال رہنے دیں خواہ انہیں برطرف کر دیں۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہاری یہ رائے دنیا سازی کے اعتبار سے موزوں و مناسب ہے لیکن۔

واللّٰہ لا اداهن فی دینی ولا اعطی الدنیة فی امری۔ (تاریخ طبری ج ۳۔ ص ۴۶۱)

خدا کی قسم میں دین میں دو رخی نہیں برتوں گا اور نہ اپنی حکومت میں ذلت و پستی گوارا کروں گا۔"

اب مغیرہ کو کچھ اور کہنے کی ہمت نہ ہوئی منہ لٹکا کر اٹھ کھڑا ہوا اور واپس چلا آیا۔ اسے اپنے مشورہ کی بے قدری کا احساس تو تھا ہی دوسرے دن پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے کل جو رائے دی وہ صائب نہ تھی مزید غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں

Presented by www.ziyaraat.net/

کہ انہیں معزول کر دینا ہی بہتر رہے گا۔ امیر المومنینؑ ابھی اس "یک بام و دو ہوا" پر حیرت زدہ تھے کہ ابن عباس حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ مغیرہ کس مقصد سے آپ کے ہاں آیا تھا فرمایا کہ وہ مجھے مشورہ دینے کیلئے کل بھی آیا تھا اور آج بھی آیا ہے۔ کل اس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ میں سابقہ عمال کو برقرار رہنے دوں اور ان میں کوئی رد و بدل نہ کروں اور آج یہ رائے دی ہے کہ میں انہیں معزول کر دوں۔ ابن عباس نے کہا کہ اس نے جو رائے کل دی تھی اس میں ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ نظر آتا ہے اور آج کی رائے کل کی رائے کے ٹھکرائے جانے کا رد عمل اور مکرو فریب پر مبنی ہے۔ میں اس کی پہلی رائے سے اتفاق کرتا ہوں اور آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ ابھی معاویہ کو ان کے عہدہ پر بحال رہنے دیں اور جب وہ بیعت کرکے اطاعت کا اقرار کر لیں تو انہیں برطرف کر دیں۔ حضرت نے فرمایا۔

ان اقررت معاوية مافی يده كنت متخذ المضلين عضدا (استیعاب۔ ج ۳ ص ۲۵۹)

اگر میں معاویہ کو اس کے عہدہ پر باقی رہنے دوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنا رہا ہوں۔"

اسی طرح زیاد ابن خنطلہ تمیمی نے بھی کچھ ایسا ہی مشورہ دیا مگر حضرت نے ان مشوروں کو قابل اعتناء نہ سمجھا اور ان مشیروں کی رائے کے خلاف اپنی اصابت رائے پر بھروسا کرتے ہوئے انہیں یکلخت معزول کرنے کا فیصلہ بحال رکھا۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اگر حضرت ان مشیروں کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتے اور ان کے تجربہ معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت سے فائدہ اٹھاتے تو ان الجھنوں میں گرفتار نہ ہوتے جن الجھنوں سے انہیں دو چار ہونا پڑا اور جن خانہ جنگیوں میں ان کا دور خلافت گزرا اس کی نوبت نہ آتی۔ مگر یہ صرف ناپختہ ذہنوں کی خام خیالی ہے۔ اگر حضرت ان کے مشوروں پر چلتے اور عمال کو ان کے عہدوں پر بحال رہنے دیتے جب بھی الجھنوں اور پریشانیوں سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا اور مملکت کو ان کی ریشہ دانیوں سے محفوظ نہ رکھا جا سکتا تھا اس لئے کہ یہ عمال صرف معزولی کی بنا پر آمادہ مخالفت نہ ہوئے تھے بلکہ پہلے سے مخالف چلے آرہے تھے۔

اگر انہیں عہدوں پر باقی رہنے بھی دیا جاتا جب بھی حکومت اور ان کے درمیان ذہنی تصادم اور نظریاتی ٹکراؤ رہتا اور وہ حکومت کو اپنے مادی اغراض کی راہ میں حائل سمجھ کر اس کے خلاف اندر ہی اندر سازشوں کے جال بچھاتے امور مملکت میں رخنہ انداز ہوتے اور حضرت کے لئے مسلسل پریشانی و درد سر کا باعث بنے رہتے۔ جب بحال و برطرفی دونوں صورتوں میں پریشانیوں اور پیچیدگیوں کا سامنا تھا تو آپ کی شرعی ذمہ داریوں کا تقاضا یہی تھا کہ اسی صورت کو اختیار کرتے جو دینی قدروں اور اسلامی تقاضوں سے موافقت رکھتی ہو خواہ اس کیلئے کتنی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا اور تیز آندھیوں اور طوفانوں سے ٹکرانا پڑتا۔ چنانچہ اس معزولی کے چند وجوہ یہ تھے جن سے اس اقدام کے حق بجانب اور دینی سیاست سے ہم آہنگ ہونے پر ثبوت لایا جاسکتا ہے۔

اولاً" یہ کہ امیر المومنینؑ کا مقصد اولین اسلامی حکومت کا قیام اور دینی نظام کا نفاذ تھا۔ اس نظام کا بروئے کار لانے کیلئے ضروری تھا کہ خود غرضی مفاد پرستی اور زر اندوزی کی راہیں بند کرکے معاشرہ کی تطہیر کی جائے اور جو غلط سیاست ملک پر چھائی ہوئی تھی اس کا پورا ڈھانچا بدل دیا جائے اور یہ مقصد صرف مسند خلافت کے خالی ہونے سے حاصل نہ ہوسکتا تھا جب تک ان عاملوں کو بھی الگ نہ کیا جاتا جو سیاسی جوڑ توڑ کا سہارا لے کر اقتدار پر چھائے ہوئے اور کنبہ پروری کے نتیجہ میں عہدوں پر قابض چلے آرہے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان شورہ پشت و شوریدہ سر عمال کی غلط کارانہ روش کے نتیجہ میں اسلامی طرز معاشرت کی نقوش مٹتے جا رہے تھے۔ حرص و ہوس نے استحصال کا بازار گرم کر رکھا تھا اور دنیا استبدادی شکنجوں میں جکڑی ہوئی کراہ رہی تھی۔ اگر ان لوگوں کو کلیدی عہدوں پر برقرار رہنے دیا جاتا تو اسلامی حکومت کی تشکیل ممکن ہی نہ تھی کیونکہ اسلامی حکومت دینی عناصر ہی کے ذریعہ پروان چڑھ سکتی ہے۔ جو اسلام اور اس کے احکام سے واقف دین اور اس کے آئین کے پابند اور اسلامی و اجتماعی مفاد پر ذاتی مفاد کو قربان کرنے کے عادی ہوں۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا حضرت عثمان سے یہی تو مطالبہ تھا کہ وہ ان خود سر عاملوں کو معزول کرکے ان کے بجائے انصاف پرور نیک کردار اور خوش اطوار لوگوں کو عامل مقرر کریں اور جب ان کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا تو انہوں نے تبدیلی حالات کیلئے انقلابی قدم اٹھایا۔ اگر حضرت

Presented by www.ziyaraat.net/

ان لوگوں کی رائے کے خلاف سابقہ نظام حکومت علیٰ حالہ باقی رہنے دیتے تو پھر اس ظلم و سفاکی اور بے راہروی کا دور شروع ہو جاتا جو اس انقلاب کا محرک تھا اور وہ انقلاب پسند جنہوں نے سابقہ حکومت کا تختہ الٹا تھا اس حکومت کی تبدیلی کے بھی درپے ہو جاتے اور نتیجہ میں خون خرابہ ہوتا جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور اس حکومت کا بھی وہی حشر ہوتا جو سابقہ حکومت کا ہو چکا تھا۔

تیسرے یہ کہ امیرالمومنینؑ خود عمال کے طور طریقوں کے شاکی تھے اور ان پر نکتہ چینی کرتے رہے تھے اور حضرت عثمان کو متعدد بار یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ معاویہ اور دوسرے خود سر عمال کو برطرف کر دیں مگر حضرت عثمان حیل و حجت سے کام لیتے اور معاویہ کے بارے میں یہ عذر پیش کر دیتے کہ وہ حضرت عمر کے مقرر کردہ والی شام ہیں۔ اگر حضرت برسر اقتدار آنے کے بعد ان عمال کو ان کے عہدوں پر برقرار رہنے دیتے تو عوام اس سے یہ تاثر لیتے کہ عمال کی برطرفی کا مطالبہ مفاد عامہ کیلئے نہیں تھا بلکہ آپ اصلاح حالات کی آڑ میں حکومت کا تختہ الٹ کر خود برسر اقتدار آنا چاہتے تھے اور جب مقصد میں کامیابی ہوگئی اور اقتدار حاصل ہوگیا تو سیاسی مصالح کی بنا پر معاویہ اور دوسرے عمال کی علیحدگی ضروری نہیں سمجھی اور محض اس خیال سے کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت نہ کریں انہیں عہدوں پر بحال رہنے دیا۔ یہ روش ایک اقتدار پسند و دنیا پرست کی تو ہوسکتی ہے جو غلط سیاست اور غیر اسلامی وسائل کا سہارا لے کر اپنے اقتدار کی بنیادیں مستحکم کرنا چاہتا ہے مگر یہ اس کا کردار نہیں ہوسکتا جو اقتدار سے زیادہ اصول دیانت کی بقا عزیز رکھتا ہو اور آئین اسلام سے سرموانحراف گوارا نہ کرتا ہو۔

چوتھے یہ کہ اگر حضرت اپنی حکومت و سیادت کے استحکام کیلئے معاویہ اور دوسرے عمال کو عہدوں پر بحال رکھتے تو یہ امر آپ کی سیاسی کمزوری پر محمول کیا جاتا اور کہنے والے یہی کہتے کہ آپ نے نظریاتی اختلاف کے باوجود ان لوگوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور ان کے اثر و نفوذ کو دیکھتے ہوئے انہیں برطرف کرنے کی جرات نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دوسرے لوگ بھی اس کمزوری کو تاڑ کر جاو بے جا مطالبات پیش کرتے اور مقصد بر آری کے لئے ان تمام ہتھکنڈوں کو کام میں لاتے جو کمزور حکومت کو دبانے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں اور انجام کار حکومت

ایک کھلونا بن کر رہ جاتی ملک میں خلفشار بڑھتا' امن عامہ تباہ ہوتا' نظم و نسق کا شیرازہ بکھرتا اور اس حکومت کا حشر بھی پہلی حکومت سے مختلف نہ ہوتا۔

پانچویں یہ کہ امیرالمومنینؑ نے خلافت کو پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ قبول کیا تھا جس کے بعد عمال سے سرزد ہونے والے مظالم سے انہیں بے تعلق نہیں سمجھا جاسکتا تھا بلکہ بڑی حد تک ان کے افعال و اعمال کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی کہ انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے ان عمال کو لوگوں پر مسلط رہنے دیا جو استحصال پسند اور ظلم و ستمرانی کے خوگر تھے لہٰذا انہیں عہدوں پر برقرار رہنے دینا یا ان کی برطرفی میں تاخیر کرنا ان کے مظالم میں شرکت کے مترادف ہوتا اور حضرت یہ گوارا نہ کرسکتے تھے کہ ان کی غلط کاریوں کا ذمہ لے کر اپنا دامن داغدار کریں اس لئے آپ نے پہلے ہی مرحلہ پر ان غلط کار عمال سے اظہار بیزاری اور ان کے موقف سے بے تعلقی کا اعلان کرتے ہوئے ان کی معزولی کو ضروری قرار دے لیا۔

چھٹے یہ کہ حضرت علیؑ اور معاویہ دو مختلف و متضاد گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔ معاویہ اس گروہ کے فرد تھے جو دینی پابندیوں سے بے نیاز وقتی مصلحتوں کا پرستار اور مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر حیلہ و فریب کو جائز سمجھتا تھا۔ اس کے برخلاف امیرالمومنینؑ کی سیاست مصلحت کی تہوں کے نیچے دبی ہوئی نہ تھی اور نہ ان کی سیاست کی اجزائے ترکیبی میں عیاری و فریب کاری داخل تھی۔ اس ذہنی تضاد اور نظریاتی اختلاف کی بنا پر معاویہ اپنے عہدہ کی بحالی پر مطمئن نہ رہ سکتے تھے بلکہ وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ انہیں اس منصب پر باقی رکھنا کبھی گوارا نہ کریں گے اور ایک نہ ایک دن انہیں امارت سے معزول کر دیں گے۔ اس صورت میں اگر انہیں کچھ دنوں کے لئے امارت پر برقرار رہنے دیا جاتا تو وہ یہ عرصہ مستقبل کی فکر سے بے نیاز ہوکر خاموشی سے نہ گزارتے بلکہ اپنے وقتی اقتدار سے فائدہ اٹھاتے مالی و عددی طاقت بڑھاتے اور ضرورت محسوس کرتے تو ہمسایہ مملکت روم سے جنگی معاہدہ کرتے۔ اس متوقع صورت کے پیش نظر کیا یہی قرین مصلحت نہ تھا کہ انہیں مزید قوت و توانائی کے فراہم کرنے کا موقع دیئے بغیر معزول کر دیا جاتا۔

ساتویں یہ کہ معاویہ کے پیش نظر صرف امارت شام کا تحفظ نہ تھا بلکہ تمام قلمرو اسلام پر اپنا جھنڈا لہرانا چاہتے تھے اور اس مقصد کیلئے انہوں نے حضرت عثمان کی زندگی ہی میں اپنے گرد

Presented by www.ziyaraat.net/

اعوان و انصار کا جم غفیر جمع کر لیا تھا تاکہ جب موقع دیکھیں ان مدد گاروں کا سہارا لے کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ فضا حضرت عثمان کے خلاف ہو چکی ہے تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور حضرت عثمان سے کہا کہ آپ میرے ہمراہ شام چلے جائیں وہاں کے باشندے آپ کے محافظ و سینہ سپیر ہوں گے اور آپ کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچ سکے گا اور اگر مدینہ میں رہے تو شورش پسند آپ کا کام تمام کر دیں گے۔ معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح حضرت عثمان کو مرکز سے الگ کر کے ایک گوشہ میں بٹھا دیں اور ان کے جیتے جی مملکت کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لے لیں تاکہ اس عارضی اقتدار کو آئندہ مستقل اقتدار کی صورت میں بے روک ٹوک منتقل کیا جاسکے مگر حضرت عثمان نے شام جانے سے انکار کر دیا اور یہ حربہ کارگر ثابت نہ ہوسکا۔ اور جب حضرت عثمان کے قتل کا حادثہ رونما ہوا تو انہوں نے اس قتل کو حصول اقتدار کا ذریعہ قرار دے لیا اور قصاص کے نام پر اپنی جدوجہد تیز کر دی اگر حضرت ان سے کوئی تعرض نہ کرتے اور انہیں امارت شام پر برقرار رہنے دیتے تو وہ امارت شام پر قناعت کر کے خاموش نہ بیٹھے رہتے بلکہ مرکز پر اپنی قوت و طاقت کا دباؤ ڈالتے جھوٹے سچے وعدوں سے لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکاتے اور عوام میں خوف و دہشت پھیلا کر حکومت کو ناکام بناتے اگر اس سے کام نہ چلتا تو ہنگامہ آرائی کے لئے کوئی اور عذر تلاش کرتے اور کچھ نہ سہی تو قتل عثمان کے سلسلہ میں حضرت کو مورد الزام ٹھہراتے۔ اگر حضرت اس خون سے اپنی برات کا ثبوت دیتے تو یہ شوشہ چھوڑتے کہ حضرت کا انتخاب غیر آئینی ہے کیونکہ یہ صرف اہل مدینہ کا انتخاب ہے اور انتخاب کا حق اہل مدینہ ہی کو کیوں ہو اہل شام کو کیوں نہ ہو جبکہ شام اپنی کثرت و طاقت کے لحاظ مرکزیت کا زیادہ سزاوار ہے۔ غرض انہیں منصب پر برقرار رکھنے کی صورت میں بھی ان کی الزام تراشی وحیلہ طرازی سے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ جب منصب کی بحالی کی صورت میں بھی ان کی فتنہ انگیزیوں اور افترا پردازیوں سے محفوظ نہ رہا جا سکتا تھا تو انہیں منصب پر باقی رکھنے میں مصلحت ہی کیا ہوسکتی تھی کہ ان کی معزولی عمل میں نہ لائی جاتی۔

آٹھویں یہ کہ یہ عمال نظم و ضبط کی اہلیت اور عوام سے جذبہ ہمدردی کی بنا پر منتخب نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا انتخاب خلیفہ وقت سے وابستگی اور خاندانی قرابت کا مرہون منت تھا۔ چنانچہ

حضرت عثمان نے کوفہ سے عمار یاسر کو معزول کر کے اپنے مادری بھائی ولید ابن عقبہ کو مقرر کیا بصرہ سے ابو موسیٰ کو علیحدہ کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ ابن عامر کو متعین کیا۔ مصر سے عمرو ابن عاص کو الگ کر کے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ ابن سعد کو مقرر کیا اور اسی طرح دوسرے عمال بھی زیادہ تر انہی کے خاندان کے افراد تھے۔ سعید ابن مسیب کہتے ہیں۔

کان کثیر اما یولی بنی امیة ممن لم یکن له صحبة فکان یجئی من امر امرائه ما ینکره اصحاب محمد۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۰)

"حضرت عثمان بیشتر بنی امیہ کے انہی افراد کو امارت کے لئے نامزد کرتے تھے جنہیں پیغمبر کی صحبت کا شرف حاصل نہ ہوتا تھا اور ان کے بارے میں ایسی خبریں آتی تھیں جنہیں اصحاب پیغمبر ناپسند کرتے تھے۔"

جب یہ انتخاب جنبہ داری خویش پروری اور اہل افراد کی حق تلفی کے نتیجہ میں عمل میں لایا گیا تو اسے جوں کا توں باقی رکھنا ایک غلط اقدام کی تائید کے مترادف ہوتا اور امیر المومنینؑ سے توقع نہ کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی امر باطل کی تائید کریں گے خواہ اس سے آپ کی مخالف جماعت میں اضافہ ہوتا یا مملکت کے استحکام کو دھچکا لگتا۔

نویں یہ کہ امیر المومنینؑ یہ دیکھتے چلے آرہے تھے کہ سابقہ حکومتوں میں انصار و بنی ہاشم کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے یہاں تک کہ جس مجلس شوریٰ کے نتیجہ میں حضرت عثمان منتخب ہوئے تھے اس میں بھی انصار کا کوئی حصہ نہ تھا اور حضرت عثمان نے بھی عہدوں کی تقسیم کا معیار امویت کو قرار دے لیا تھا جس سے ایک طرف انصار و بنی ہاشم کو اپنے حق سے محرومی کا احساس ہوگیا تھا اور دوسری طرف گروہی عصبیت ابھر آئی تھی اگر اس گروہی و قبائلی معیار کے بجائے اہلیت و استعداد کار کو معیار قرار دیا جاتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ انصار اور بنی ہاشم میں سے کوئی منتخب نہ ہوتا جبکہ ان میں اہل افراد کی کوئی کمی نہ تھی۔ اب اس کا تدارک یونہی ہوسکتا تھا کہ سابقہ عمال کو معزول کر کے صرف اہلیت کی بنا پر انتخاب عمل میں لایا جاتا تاکہ امارت ایک طبقہ میں محدود ہو کر نہ رہ جائے اور نہ اہل افراد کو حق سے محرومی کا احساس ہونے پائے خواہ کوئی مہاجر ہو یا انصار ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی۔

Presented by www.ziyaraat.net/

دسویں یہ کہ یہ عمال باجودیکہ حضرت عثمان کے ساختہ پرداختہ اور احسان پروردہ تھے مگر ان کے محاصرہ کے دنوں میں جو ایک مہینہ انیس دن تک رہا کسی ایک نے بھی ان سے تعاون نہ کیا حالانکہ ان کے پاس فوج بھی تھی اور سامان حرب بھی تھا۔ جب ان لوگوں نے اپنے محسن و سرپرست کے ساتھ کچھ نہ کیا تو امیر المومنینؑ مملکت کے نظم و انصرام کے سلسلہ میں ان سے کیا توقع رکھ سکتے تھے کہ وہ آڑے وقت پر کام آئیں گے یا کسی مہم میں ہاتھ بٹائیں گے البتہ جب حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے تو ان میں سے چند ایک قصاص کے نام پر اٹھ کھڑے ہوئے حالانکہ انہیں اس وقت اپنے صوبوں سے نکلنا چاہیئے تھا جب ان کا نکلنا مفید ثابت ہو سکتا تھا مگر اس وقت سب منقار زیر پر دبکے پڑے رہے اور اس پہلو تہی کے جواز میں کوئی معقول عذر بھی پیش نہ کر سکے یہاں تک کہ معاویہ جو سخن سازی میں مہارت رکھتے تھے اور موقع پر بات بنا لینا بھی خوب جانتے تھے وہ بھی کوئی بات نہ بنا سکے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابو الطفیل کنانی ان کے ہاں آیا معاویہ نے اس سے کہا کہ تم قتل عثمان کے موقع پر کہاں تھے کہا کہ تھا تو مدینہ ہی میں مگر میں ان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ کہا کہ تم پر ان کی نصرت و حمایت واجب تھی اور تم نے اس سے کنارہ کشی کی۔ ابو الطفیل نے کہا۔

منعنی ما منعک اذ تربص به ریب المنون و انت بالشام۔ (مروج الذہب۔ ج ۲ ص ۶۲)

"جو مانع تمہارے لئے تھا وہی مانع میرے لئے تھا تم شام میں بیٹھے رہے اور مصیبتوں کے بادل ان کے سر پر منڈلاتے رہے۔"

کہا کہ میری یہ نصرت و امداد کیا کم تھی کہ میں ان کے خون کے قصاص کے لئے لڑا۔ کہا کہ تمہارا اور عثمان کا معاملہ ایسا ہے جیسا جعدی نے کہا ہے۔

لا الفینک بعد الموت تندبنی وفی حیاتی ما زودتنی زادا

مر گیا میں تو زمانے نے بہت یاد کیا زیست میں کوئی مرے حال کا پرساں نہ ہوا

اب ان عمال میں سے چند نمایاں افراد کا اجمالی تعارف درج کیا جاتا ہے تاکہ ہمارے موقف کی مزید وضاحت ہو سکے۔

معاویہ ابن ابی سفیان

معاویہ ہند بنت عتبہ کے بطن سے ابوسفیان ابن حرب کے فرزند تھے۔ ہند پہلے فاکہ ابن مغیرہ کی زوجیت میں تھی جب فاکہ بنی جذیمہ کے ہاتھ سے مارا گیا تو حفص ابن مغیرہ سے عقد کر لیا اور حفص کے مرنے کے بعد ابوسفیان کے نکاح میں آئی۔ ہند مکہ کی بدنام عورتوں میں سرفہرست اور اسلام دشمنی میں پیش پیش تھی۔ غزوہ احد میں جنگی ترانہ گا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ترغیب دیتی رہی اور عم رسولؐ حضرت حمزہ کا کلیجہ دانتوں سے چبا کر وحشت و بربریت کی مثال قائم کی اور **اکلۃ الاکباد** (جگر خوارہ) کا لقب پایا۔ اسی طرح ابوسفیان بھی پیغمبر کا بدترین دشمن اور اس سازش میں شریک تھا۔ جس سازش کے نتیجہ میں پیغمبر اکرم کو گھر بار چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت اختیار کرنا پڑی۔ ہجرت کے بعد بھی آنحضرتؐ کے خلاف فوج کشی کرتا رہا اور بدر احد اور احزاب کی جنگیں لڑیں۔ جب ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا تو اپنے بیٹے معاویہ کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تاکہ اپنا اور اپنی اولاد کا تحفظ کر سکے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر کیا ہے۔

Presented by www.ziyaraat.net/

اسلم هو و ابوه يوم فتح مكة و شهد حنينا و كان من المولفة قلوبهم

(تاریخ الخلفاء ص ۱۳۵)

"معاویہ اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ فتح مکہ کے دن اسلام لایا اور غزوہ حنین میں شریک ہوا اور اس کا شمار مولفتہ القلوب میں ہوتا ہے۔"

مولفتہ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی صداقت سے متاثر ہوئے بغیر اسلام سطوت سے مرعوب ہو کر یا جان کے ڈر سے اسلام کی آڑ لے لی تھی اور جس طرح ہر مفتوح فاتح کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے انہوں نے بھی پیغمبر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ **واللہ ما اسلموا ولکن استسلموا** "خدا کی قسم یہ لوگ اسلام نہیں لائے تھے بلکہ سر جھکا دیئے تھے۔" اس ظاہری اسلام کے باوجود آنحضرت نے انہیں اسلامی جماعت میں شامل کر لیا تاکہ رفتہ رفتہ اسلام سے متاثر اور اس کے تعلیمات و معارف سے آگاہ ہو سکیں بلکہ ان کی دلجوئی کے لئے عام مسلمانوں سے زیادہ ان کے ساتھ مراعات برتتے۔ چنانچہ غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے عام مسلمانوں سے زیادہ انہیں دیا ابوسفیان اور اس کے دونوں بیٹوں یزید اور معاویہ کو بھی مولفتہ القلوب والا حصہ یعنی سو سو اونٹ دیئے جبکہ عام مسلمانوں کو چار چار اونٹ دیئے گئے تھے حالانکہ ابوسفیان مسلمانوں کی وقتی ہزیمت پر بغلیں بجاتا تھا اور خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔

شام پر معاویہ کے تسلط و اقتدار کی صورت یوں پیدا ہوئی کہ حضرت ابوبکر نے شام پر لشکر کشی کا ارادہ کیا اور عمرو ابن عاص، شرجیل ابن حسنہ، ابوعبیدہ جراح اور یزید ابن ابی سفیان کی زیر کمان چار لشکر ترتیب دیئے اور سرداران لشکر سے یہ معاہدہ کیا کہ فتح کے بعد ابوعبیدہ حمص پر، شرجیل ابن حسنہ اردن پر، عمرو ابن عاص اور علقمہ ابن مجزز فلسطین پر اور یزید ابن ابی سفیان دمشق پر حاکم ہوں گے۔ اس قرار داد کے بعد چاروں لشکر مختلف راستوں سے روانہ ہوئے اور مقام یرموک میں جمع ہوگئے۔ مسلمانوں کے سامنے رومیوں کا لشکر گراں تھا جس کے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہ پاتے ہوئے انہوں نے حضرت ابوبکر سے مزید کمک طلب کی حضرت ابوبکر نے خالد ابن ولید کو نو ہزار کے لشکر کے ساتھ عراق سے یرموک جانے کا حکم دیا اور لشکر کی تعداد

چالیس ہزار یا زیادہ سے زیادہ چھیالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ یزید کے لشکر میں سہیل ابن عمرو اور مکہ کے چند شیوخ مشیر کی حیثیت سے شامل تھے اور علم لشکر معاویہ کے ہاتھ میں تھا۔

اس جنگ کے دوران ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳ھ کو حضرت ابوبکر وفات پا گئے اور حکومت حضرت عمر کی طرف منتقل ہوگئی۔ ان کے دور میں ماہ رجب ۱۴ھ کو چھ ماہ کے محاصرہ کے بعد دمشق فتح ہو گیا اور یزید ابن ابی سفیان دمشق کا حاکم قرار پایا۔ ۱۸ھ میں یزید مرض طاعون میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا اور حضرت عمر نے اس کی جگہ معاویہ ابن ابی سفیان کو جو دمشق میں موجود تھے امیر مقرر کر دیا۔ حضرت عمر کے انتقال کے بعد ۲۳ھ میں جب حضرت عثمان برسر اقتدار آئے تو انہوں نے دمشق کے علاوہ اردن فلسطین لبنان حمص اور قنسرین بھی ان کے حوالے کر دیئے اور جس اقتدار کی طرح حضرت ابوبکر نے ڈالی تھی حضرت عمر نے اسے عملی صورت دی اور حضرت عثمان نے اسے تکمیل تک پہنچایا۔

یہ امر انتہائی تعجب خیز ہے کہ وہ اکابر صحابہ جن کی اہلیت کار مسلم اور اسلامی خدمات ناقابل انکار ہیں نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کو جو اسلام کے دشمن بنی ہاشم کے دیرینہ معاند اور پیغمبر اسلامؐ کے مقابلہ میں صف آرا رہے اور فتح مکہ کے موقعہ پر مجبوری کی صورت میں اسلام لائے شام ایسی وسیع مملکت کا بااختیار حاکم بنا دیا جاتا ہے گویا۔

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

حضرت عمر نے معاویہ کو صرف امارت شام کا عہدہ ہی سپرد نہیں کیا بلکہ ان کے اقتدار کے دوام و استحکام کی بھی تدبیر کر گئے اور لوگوں کو یہ ہدایت دے گئے کہ وہ حالات میں تبدیلی رونما ہوتے دیکھیں تو ان کے گرد جمع ہو جائیں۔ چنانچہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں۔

ان عمر حض الناس علٰی اتباع معاوية والهجرة اليه الى الشام اذا وقعت فرقة (تطہیر الجنان ص ۱۹)

حضرت عمر لوگوں کو معاویہ کی پیروی پر ابھارتے اور انہیں آمادہ کرتے کہ جب آپس میں پھوٹ پڑے تو ہجرت کر کے معاویہ کے پاس شام چلے جائیں۔

یہ امر کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے کہ بنی امیہ کے دلوں میں بنی ہاشم کی طرف سے ہمیشہ

Presented by www.ziyaraat.net/

بغض و عناد کار فرما رہا اور معاویہ کے دل میں اس موروثی دشمنی کے علاوہ حضرت علیؑ کی طرف سے انتقامی جذبہ کی چنگاریاں بھی بھڑک رہی تھیں کیونکہ ان کا نانا عتبہ' بھائی حنظلہ اور ماموں ولید حضرت ہی کے ہاتھوں سے اپنے کیفر کردار کو پہنچے تھے اور عرب کی افتاد طبیعت کچھ ایسی ہی واقع ہوئی ہے کہ وہ انتقامی جذبات سے سے اپنے دل و دماغ کو خالی نہیں رکھ سکتے۔ اگرچہ اسلام نے اسے ختم کرنا چاہا مگر صدیوں کی رچی بسی ہوئی خو اپنا عمل مشکل ہی سے تبدیل کیا کرتی ہے۔ حضرت عمر کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ انتقامی جذبہ افتراق و انتشار اور جنگ و جدل کی صورت میں ابھر سکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کے ذہن پلٹا کھائیں اور اقتدار کا رخ حضرت علیؑ کی طرف مڑ جائے۔ اس صورت میں معاویہ کا اقتدار خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔ انہوں نے پیش بندی کرتے ہوئے لوگوں کو معاویہ کے اتباع اور شام کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت کی تاکہ عوامی طاقت ان کی پشت پر رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت کے برسر اقتدار آتے ہی لوگ جوق درجوق شام کی جانب چل دیئے اور معاویہ کے اشارہ چشم و ابرو پر چلتے پھرتے نظر آنے لگے۔ اگر یہ افتراق حضرت عمر کے پیش نظر نہ تھا تو اور کون سی افتراق و انتشار کی صورت انہیں نظر آرہی تھی کہ جس کی بنا پر حق کے اتباع کے بجائے معاویہ کے اتباع کا اور دار لہجرت مدینہ کی مرکزیت کو مضبوط کرنے کے بجائے شام کو دار الہجرت قرار دینے کا حکم دیا۔

حضرت عمر سے یہ امر مخفی نہ تھا کہ معاویہ جس طرز زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں وہ قیصری و کسروی طرز زندگی ہے جسے اسلام اور اسلام کے سادہ طرز معاشرت سے دور کا لگاؤ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر شام آئے تو معاویہ کے تزک و احتشام اور شان و شکوہ کو دیکھ کر کہا کہ تم تو عرب کے کسریٰ ہو اور میں نے سنا ہے کہ حاجتمند تمہارے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں اور تم گھر میں پڑے رہتے ہو۔ معاویہ نے کہا کہ ہم ایک ایسی سرزمین پر ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہماری ایک ایک بات پر نظر رکھتے ہیں اور اپنے مرکز کو معلومات بہم پہنچاتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ سطوت و شکوہ کا مظاہرہ کرکے ان پر اپنا رعب و دبدبہ قائم رکھیں۔ حضرت عمر نے یہ جواب سنا تو کہا کہ یہ ایک زیرک آدمی کی سخن طرازی ہے علامہ طبری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کہا کرتے تھے۔

تذکرون کسری و قیصر و دھاء ھما و عندکم معاویة (تاریخ طبری - ج۴ ص ۲۴۴)

"تم کسریٰ و قیصر اور ان کی چالبازیوں کے تذکرے کرتے ہو حالانکہ معاویہ تمہارے درمیان موجود ہے۔"

مگر اس کے باوجود ان کیلئے اقتدار کی راہ ہموار کی اور ان کے ذہن میں یہ بٹھا دیا کہ وہ باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر خلافت پر قبضہ کر سکتے ہیں اور اس طرح نفسیاتی طور پر انہیں خلافت کا امیدوار بنا دیا چنانچہ ابن ابی الحدید نے ابو عثمان جاحظ کی کتاب السفیانہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ سے کہا۔

انکم ان تعاونتم و توازرتم و تنا صحتم اکلتموھا و اولادکم وان تحاسد تم و تقاعدتم و تدابر تم و تباغضتم غلبکم علے ھذا الامر معاویة ابن ابی سفیان۔

(شرح ابن ابی الحدید۔ جزو ا ص ۳۷)

اگر تم نے باہمی تعاون دستگیری اور خیر خواہی کے جذبات سے کام لیا تو تم اور تمہاری اولادیں خلافت سے بہرہ اندوز ہوتی رہیں گی اور اگر تم نے آپس میں حسد و بغض رکھا اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے میں کوتاہی کی تو پھر معاویہ ابن ابی سفیان تمہیں مغلوب کرکے خلافت ہتھیالے گا۔"

یہ بات معاویہ کے گوشگزار ہوئی ہوگی تو طبعاً ان کے خیالات نے کروٹ لی ہوگی اور ذہنی رخ خلافت کی طرف مڑ گیا ہوگا۔ چنانچہ ان کے حرکات و سکنات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کے زمانہ خلافت ہی میں اقتدار کیلئے بھگ دوڑ شروع کر دی تھی اور ان کے قتل کے بعد تو ان کی سرگرمیوں میں اور تیزی آگئی اور ہر جائز و ناجائز طریق کار سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔

جب شام پر اموی پھریرا لہرایا تو سلطنت روما کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے اس پر رومی تمدن چھایا ہوا تھا۔ حکومت کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں اسلام کے بعد بھی وہاں کے لوگوں پر رومی اثرات غالب رہے اور معاویہ نے بھی اسلام کی سادہ زندگی کو چھوڑ کر وہیں کا طرز معاشرت اختیار

Presented by www.ziyaraat.net/

کر لیا۔ اپنے تعمیر کردہ قصر خضراء میں بڑے ٹھاٹ سے رہتے دروازہ پر پولیس کا پہرہ زرین کمر غلاموں کا جھرمٹ مصاحبوں کا جمگھٹا اور دربار کا کرو فر قیصری و کسروی شان کا آئینہ دار تھا۔ یہ تمکنت و شکوہ اور نگاہوں میں خیرگی پیدا کرنے والا سامان آرائش عوام کو مرعوب و متاثر کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ لیکن جہاں انہیں یہ شبہ ہوتا کہ شاہی آن بان اور مادی سازو سامان کا اثر نہیں لیا جائے گا تو وہاں اور طریقہ اختیار کیا جاتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عمرو ابن عاص مصریوں کے ایک وفد کے ہمراہ دمشق آئے اور چاہا کہ وفد کی نظروں میں معاویہ کی اہمیت گرائے اور ان کے کبر و غرور کو ٹھیس لگائے۔ عمرو نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جب تم معاویہ کے ہاں جانا تو اسے خلیفہ کہہ کر سلام کرنے کے بجائے عام طریقہ سے سلام کرنا اور گفتگو میں ایسا انداز اختیار کرنا کہ گویا تم ایک عام آدمی سے مخاطب ہو اور ان کے دبدبہ شاہی سے قطعاً مرعوب نہیں ہو اس طرح تمہارا وقار بڑھے گا اور قدرو منزلت زیادہ ہوگی۔ معاویہ نے پہلے ہی سے تاڑ لیا تھا کہ عمرو مصریوں کی نظر میں انہیں غیر اہم ثابت کرنا چاہتا ہے انہوں نے دربانوں کو بلا کر کہا کہ جب مصری وفد باریابی کے لئے آئے تو انہیں اس طرح جھنجھوڑنا کہ ان کے سارے کس بل نکل جائیں اور ان میں سے ہر شخص یہ سمجھنے لگے کہ اسے موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب وہ دربانوں کے ہاتھوں ذلیل ہو کر بوکھلائے ہوئے معاویہ کے سامنے آئے تو ابن خیاط نامی ایک شخص آگے بڑھا اور السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر انہیں سلام کیا اس کے بعد جو شخص آگے بڑھتا انہی لفظوں میں سلام کرتا اور جب دربار سے باہر نکلے تو عمرو نے برہم ہو کر کہا۔

لعنکم اللّٰہ نہیتکم ان تسلموا علیہ بالامارۃ فسلمتم علیہ بالنبوۃ۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۴۴)

"تم پر خدا کی پھٹکار میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اسے خلیفہ کہہ کر بھی سلام نہ کرنا چہ جائیکہ تم نے اسے یا رسول اللہ کہہ کر سلام کیا۔"

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ معاویہ اپنے بارے میں یا رسول اللہ کے الفاظ سنتے ہیں اور ان کی قوت سامعہ پر گراں نہیں گزرتے حالانکہ ان لفظوں سے کسی اور کو مخاطب کیا جاتا تو اس کی روح لرز اٹھتی اور کان کے پردے پھٹ جاتے مگروہ چپ سادھ لیتے ہیں۔ اگر اس موقع پر خاموشی میں

کوئی مصلحت تھی تو بعد میں اس کی تردید کرتے مگروہ نہ اس کی تردید ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کہنے والوں کو تنبیہہ و سرزنش کرتے ہیں۔ کیا بعید ہے کہ وہ ذرا سہا وفد انہیں۔ رب اعلیٰ کے الفاظ سے مخاطب کرتا جب بھی وہ خاموش رہتے اور اس کی تردید غیر ضروری سمجھ کر ٹال دیتے۔

جہاں ذہن کی رُوش اس طرح کی ہو وہاں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کے اصول و ضوابط کا احترام یا اس کے او امرو نواہی کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہوگی۔ چنانچہ ریشم جسے شریعت نے مردوں کے لئے حرام کیا ہے بے کھٹکے پہنا جاتا سونے اور چاندی کے برتن کھنکتے شراب کے دور چلتے اور بے جھجک جام دوسروں کے سامنے پیش کئے جاتے۔ عبداللہ ابن بریدہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ معاویہ کے ہاں گیا ہمیں فرش پر بٹھایا گیا اور کھانے کے بعد ہمارے سامنے شراب پیش کی گئی۔ میرے والد نے شراب کو دیکھا تو کہا۔

ماشربتہ منذ حرمہ رسول اللّٰہ (مسند احمد ابن حنبل ۔ ج ۵ ص ۳۴۷)

"جب سے رسول اللہ نے شراب کو حرام کیا ہے میں نے اسی منہ نہیں لگایا۔"

دین میں ان کی بدعات و اولیات کا سلسلہ بھی طویل ہے۔ چنانچہ اپنے باپ کی ناجائز اولاد زیاد ابن سمیہ کو فرزند ابوسفیان قرار دے کر ارشاد نبوی **الولد للفراش وللزانی الحجر** (بچہ شوہر کا ہوگا اور زانی کیلئے پتھر ہے) کا مذاق اڑایا خطبات میں امیر المومنینؑ پر سب و شتم کو رواج دیا نماز عیدین سے قبل اذان کا اجراء کیا خطبہ عید کو نماز پر مقدم کردیا کھڑے ہو کر خطبہ دینے کے بجائے بیٹھ کر خطبہ دینے کا آغاز کیا اور ان کے بعد بنی امیہ نے اسے اپنا شعار بنا لیا۔ اموی دور کے بعد جب سفاح عباسی برسر اقتدار آیا اور اس نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو مجمع نے پکار کر کہا۔

یا بن عم رسول اللّٰہ احییت السنۃ احیاک اللّٰہ (محاضرۃ الاوائل ص ۸۴)

"اے فرزند رسول تم نے پھر سے سنت کو زندہ کیا خدا تمہیں زندہ رکھے۔"

نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ کا پڑھنا ترک کر دیا۔ محمد ابن عقیل تحریر کرتے ہیں۔

ھو اول من ترک الجھر بالتسمیۃ فی الصلواۃ بالمدینۃ حتی انکر علیہ المھاجرون والانصار وقالو اسرقت التسمیۃ یا معاویۃ (نصائح کافیہ ص ۹۶)

Presented by www.ziyaraat.net/

"معاویہ نے مدینہ میں سب سے پہلے نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کو ترک کیا یہاں تک کہ مہاجرین و انصار نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور کہا اے معاویہ تم نے بسم اللہ کی چوری کی ہے۔"

اسلام کے واضح احکام میں ردو بدل کے ساتھ ان تقریبات و رسوم کو فروغ دیا جو غیر مسلموں میں رائج تھے۔ کلیدی عہدے غیر مسلموں کے سپرد کئے اور مدینہ کی مرکزیت کو مضمحل کرنے کی تدبیر کی۔ چنانچہ نو روز و مہرجان کے تہوار منائے جاتے اور تحائف کے نام پر رقمیں وصول کی جاتیں۔ مرکزی دفتر کا افسر ایک عیسائی سرجون رومی تھا اور حمص کے محکمہ خراج کا نگران اعلیٰ ابن اوثال بھی مسیحی تھا۔ ۵۰ ھ میں حج کے بعد مدینہ آئے تو منبر رسول کو شام منتقل کرنے کا ارادہ کیا جب اسے اٹھانے کیلئے حرکت دی تو سورج کو گہن لگ گیا۔ دیکھنے والے دہشت زدہ ہوگئے اور آخر لوگوں کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا اور بات یہ بنائی کہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسے دیمک تو نہیں لگ گئی۔

یہ واقعہ حسان ابن کلال عبدی کے واقعہ سے ملتا جلتا ہے۔ اس نے بھی یہ چاہا تھا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کرکے اس کے پتھر یمن لے جائے مگر قدرت نے اسے ایسا جکڑا کہ وہ اپنے ارادہ میں ناکام و نامراد رہا اسی طرح یہاں فطرت کے خشمگین تیور گہن کی صورت میں آڑے آئے اور منبر نبوی کو منتقل کرنے کی کوشش ناکام ہوگئی۔

معاویہ کے وہ افعال و اعمال جو اسلامی قدروں کو پامال اور امت مسلمہ کے شیرازہ کو منتشر کرنے کا باعث ہوئے یوں تو ان گنت ہیں مگر ان کا اپنے بدکردار اور نانہجار بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا اقدام ایک ایسا مہلک اقدام ہے کہ وہ گروہ جو صحابہ پر جرح و نقد اور ان کی باہم آویزیوں پر تبصرہ تک کا روادار نہیں ہے وہ بھی اس کے خلاف آواز اٹھائے بغیر نہ رہ سکا اور یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ ان کے اس اقدام نے خلافت کا رخ ملوکیت کی طرف موڑ دیا اور ایک ایسی بدعت کی داغ بیل ڈال گئے جو صدیوں تک اسلامی دنیا میں جاری و ساری رہی اور اس استبدادی و غیر آئینی کاروائی کے نتیجہ میں ہر فرمانروا جو خلیفتہ المسلمین کے نام سے مسند خلافت پر بیٹھا خلافت کو اپنی ملکیت و جاگیر سمجھتے ہوئے اپنے وارثوں کی طرف منتقل کرتا رہا۔

معاویہ کا یہ اقدام نہ صرف شرعی اعتبار سے غلط تھا بلکہ اخلاقی نقطہ نظر سے بھی قابل مذمت ہے کیونکہ انہوں نے امام حسن علیہ السلام سے معاہدہ صلح میں یہ شرط تسلیم کرلی تھی کہ وہ اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کریں گے مگر ان کا یہ معاہدہ پا در ہوا ثابت ہوا اور انہوں نے عامہ مسلمین کی ناپسندیدگی کے باجود معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کی زمام قیادت یزید کے ہاتھوں میں دے دی۔ معاویہ کا مطمح نظر شروع ہی سے موروثی سلطنت کا قیام تھا جس کے لئے انہوں نے شرعی حدود تک نظرانداز کر دیئے تھے تو پھر وعدہ کی خلاف و رزی کو کیا اہمیت دیتے اور لوگوں کی ناپسندیدگی کو کیا خاطر میں لاتے انہیں تو بہرصورت یہ قدم اٹھانا تھا اور وہ اٹھا کر رہے اور جن لوگوں کے بارے میں انہیں یہ کھٹکا تھا کہ وہ اسے تسلیم نہیں کریں گے یا اسے عملی صورت دینے میں روڑے اٹکائیں گے اور اپنے اثر و نفوذ سے کام لے کر دوسروں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیں گے ان میں سے کسی سے مصلحتہً کوئی تعرض نہ کیا اور کسی کو ڈرا دھمکا کر مہر بلب کر دیا اور کسی کو زرو مال یا عہدہ دے کر ہموار کرلیا اور جو کسی صورت میں بکتے نظر نہ آئے انہیں خفیہ طور پر زہر دلوا کر راستے سے ہٹا دیا۔ چنانچہ امام حسن کو جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ زہر دلوایا۔ مسعودیؒ نے تحریر کیا ہے۔

قد کان معاویة دس الیها ان احتلت فی قتل الحسن وجهت الیک بمائة الف درهم و زوجتک یزید (مروج الذهب۔ ج ۲ ص ۵۰)

"معاویہ نے اسے چپکے چپکے یہ پیغام بھیجا کہ اگر تو کسی حیلہ سے حسن کا کام تمام کردے تو میں تجھے ایک لاکھ درہم دوں گا اور یزید سے تیرا عقد کر دوں گا۔"

اس سازش کے ماتحت اس نے زہر سے امام حسن کی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور اس کے صلہ میں معاویہ نے اسے ایک لاکھ درہم بھجوا دیئے اور دوسرے وعدہ سے یہ کہہ کر گریز کیا کہ مجھے یزید کی زندگی عزیز ہے۔

اسی طرح خالد ابن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن کو زہر دلوا کر ختم کیا۔ ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے شام میں خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ اے لوگو میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور موت کی ساعت قریب ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے بعد کے لئے کوئی انتظام کر جاؤں۔ معاویہ کا خیال تو یہ

Presented by www.ziyaraat.net/

تھا کہ لوگ سطوت و قوت سے متاثر ہو کر یا خوشامد درآمد کی بنا پر یزید کا نام لیں گے اور وہ رائے جمہور کی آڑ میں اس کی ولی عہدی کا اعلان کر دیں گے مگر لوگوں سے یزید کی بدعنوانیاں مخفی نہ تھیں اور وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ خلافت کے سلسلہ میں اس کا نام لیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن ابن خالد کا نام لیا۔ معاویہ نے یزید کے بجائے عبدالرحمٰن کا نام سنا تو اس کی طرف سے ان کے دل میں گرہ پڑ گئی اور چاہا کہ یزید کے راستے سے اس سنگ گراں کو ہٹا دیں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن کی بیماری کی خبر سنی تو اپنے ہاں کے ایک طبیب کو لالچ دے کر آمادہ کیا کہ۔

ان یاتیه فیسقیه سقیة یقتله بها (استیعاب ج ۲ ص ۴۰۱)

"وہ اس کے ہاں جائے اور دوا پلا کر اس کا کام تمام کر دے۔"

چنانچہ اسے دوا کے بہانے زہر دے دیا گیا۔

عبدالرحمٰن ابن ابی بکر بھی اسی حربہ کا شکار ہوئے۔ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ جب معاویہ نے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے کہا۔

اهر قلیة کلمامات قیصر کان قیصر مکانه لا نفعل واللّٰه ابدا (اصابہ۔ ج ۲ ص ۴۰۰)

"کیا وہی ہر قلی نظام کہ ایک قیصر مرجائے تو دوسرا قیصر اس کی جگہ لے لے۔ خدا کی قسم ہم اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

معاویہ نے ان کا منہ بند کرنے کے لئے ایک لاکھ درہم بھجوائے مگر انہوں نے وہ درہم واپس کر دیئے اور کہا کہ میں دنیا کے عوض دین نہیں بیچوں گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ جاتے ہوئے ابھی دس میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ موت کی نیند سلا دیئے گئے۔ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔

کان موته فجأةً من نومة نامها (اصابہ۔ ج ۲ ص ۴۰۰)

"عبدالرحمٰن سوتے میں ناگہانی طور پر مر گئے۔"

عمرو ابن عاص

عمرو کا باپ عاص ابن وائل تھا جسے قرآن نے ابتر (بے اولاد) اور دشمن رسول کہا ہے۔ ماں

کا نام سلمیٰ بنت حرملہ اور لقب نابغہ تھا۔ بنی غزہ سے اسیر کر کے لائی گئی عکاظ کے بازار میں بکی فاکہہ ابن مغیرہ نے اسے خریدا اور پھر عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ بیچ ڈالا اور یوں بکتی بکاتی عاص ابن وائل تک پہنچ گئی اور اپنی کوکھ سے عمرو کو جنم دیا۔

عمرو نے اسلام دشمنی اپنے باپ عاص سے ورثہ میں پائی تھی۔ چنانچہ دشمنان اسلام کی صف اول میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی شان میں ناساز کلمات کہتا اور آپ کے خلاف جنگ و قتال کے معرکے گرم کرتا رہا۔ جب اسلام کے غلبہ و اقتدار کے آگے اپنے کو بے بس پایا تو اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی صف میں شامل ہوگیا۔ حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں اس فلسطین و اردن کا امیر نامزد کیا اور جب یہ علاقہ معاویہ کے زیر نگین کیا تو اسے فوج دے کر مصر روانہ کر دیا۔ اس نے مصریوں سے جنگ کر کے اسے فتح کر لیا اور مرکز کی طرف سے وہاں کا حاکم قرار پایا۔ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان نے بھی اسے کچھ عرصہ امارت پر بحال رکھا پھر ۲۶ ھ میں اسے معزول کر کے اپنے دودھ شریک بھائی عبداللہ ابن سعد کو وہاں کا والی بنا دیا جو لشکر کشی کے موقع پر میمنہ لشکر کا سردار تھا۔ عمرو جو حضرت عثمان کا ہوا خواہ تھا اس برطرفی کی بنا پر ان کا شدید مخالف ہوگیا اور اسے مخالف ہونا ہی چاہئے تھا اس لئے کہ اس کی دوستی مفاد و خود غرضی سے وابستہ تھی۔ یہ مخالفت اس حد تک بڑھی کہ اس نے محاذ قائم کر کے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ ابن عبدالبر تحریر کرتے ہیں۔

کان عمرو ابن عاص منعزله عن مصر یعمل حیلة فی التالیب والطعن علیٰ عثمان۔ (استیعاب ج ۳ ص ۳۲۲)

"حضرت عثمان نے عمرو ابن عاص کو مصر کی امارت سے الگ کیا تو وہ لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے اور ان پر زبان طعن کھولنے لگا۔"

اس نے اسی پر بس نہ کی بلکہ طیش میں آکر اپنی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ کو جو حضرت عثمان کی مادری بہن تھی طلاق دے دیا اور ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے سرگرم عمل ہوگیا۔ حضرت عثمان نے اس کا یہ رویہ دیکھا تو اسے بلا کر کہا کہ اے نابغہ کے بیٹے تم ان حرکات سے باز آؤ اور نفاق و دورخی چھوڑ کر شریفانہ طرز عمل اختیار کرو۔ عمرو نے بھی اسی لب و لہجہ میں جواب

Presented by www.ziyaraat.net/

دیا اور ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ حضرت عثمان اس کی باتوں پر سٹپٹائے اور تنگ آکر کہا کہ تمہیں میرے کاموں پر نکتہ چینی اور میرے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں زمانہ جاہلیت میں بھی تم سے زیادہ محترم تھا اور اب بھی زیادہ باوقار ہوں۔ عمرو نے کہا کہ ہاں ہاں میں نے آپ کے باپ عفان کو دیکھا ہے وہ کسی لحاظ سے میرے باپ عاص ابن وائل کا ہمپایہ نہ تھا۔ اس پر حضرت عثمان نے تو کچھ نہ کہا لیکن مروان پیچ و تاب کھانے لگا اور حضرت عثمان سے کہا اب آپ کی حیثیت یہ رہ گئی ہے کہ عمرو آپ کے باپ تک کو نہیں بخشتا۔ اس دوبدو تلخ کلامی کے بعد عمرو نے اپنی سرگرمیوں کو اور تیز کر دیا اور طلحہ و زبیر اور دوسرے لوگوں کو ان کے خلاف ابھارا اور جب عوام و خواص کے جذبات ان کے خلاف بھڑک اٹھے اور ان کے گرد گھیرا ڈال دیا گیا تو مدینہ سے نکل کھڑا ہوا اور فلسطین میں جہاں اس کا عالیشان محل اور وسیع جاگیر تھی چلا آیا تاکہ دور رہ کر اپنی کوششوں کو بار آور ہوتے دیکھے اور نتائج کی ذمہ داری سے اپنے کو بچالے جائے۔

ایک دن اپنے قصر عجلان میں سلامہ ابن روح جذامی اور اپنے دونوں بیٹوں محمد اور عبداللہ سے مصروف گفتگو تھا کہ ادھر سے ایک سوار کا گزر ہوا اسے بلا کر پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو کہا مدینہ سے کہا عثمان کا کیا حشر ہوا کہا کہ جب میں مدینہ سے نکلا تھا تو شدید محاصرہ میں تھے۔ اس کے بعد ایک اور سوار ادھر سے گزرا اسے بھی بلا کر پوچھا اس نے کہا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ عمرو نے سنتے ہی کہا۔

انا ابو عبداللہ اذا حککت قرحۃ نکاتھا (تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۹۲)

میں بھی عبداللہ کا باپ ہوں جب کسی کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو اسے ادھورا نہیں چھوڑتا۔"

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جب انہیں قتل عثمان کی خبر ہوئی تو یہ کہا۔

انا ابو عبداللّٰہ انا قتلتہ وانا بوادی السباع ان یل ھذا الا مر طلحۃ فھو فتی العرب وان یل ابن ابی طالب فھو اکرہ من یلیہ۔ (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۴۱)

میں عبداللہ کا باپ ہوں میں نے وادی السباع (سبع) میں رہتے ہوئے عثمان کو قتل کیا ہے

اگر طلحہ خلیفہ ہوئے تو وہ جود و سخا کے لحاظ سے عرب کے جوانمرد ہیں اور اگر ابن ابی طالبؑ کو خلافت ملی تو وہ حکمرانی کے اعتبار سے ناپسندیدہ شخصیت ہیں۔"

ابھی وہ اپنی کامیابی کی سرمستیوں میں کھویا ہوا تھا کہ حضرت علیؑ کے خلیفہ منتخب کئے جانے کی خبر سنی سنتے ہی سر پکڑ کر رہ گیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو کچھ ڈھارس بندھی اور جنگ جمل کے نتیجہ کا منتظر رہا کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اور جب حضرت علیؑ کی فتحیابی کی خبر سنی تو رہی سہی آس بھی ٹوٹ گئی مگر جب یہ اطلاع آئی کہ معاویہ نے بیعت سے انکار کر دیا ہے تو یاس و حرماں کی اندھیاریوں میں امید کی کرن نظر آنے لگی۔ حکومت کی فکر تو تھی ہی کیونکہ حکومت و اقتدار کے کیف آفریں لمحوں میں ایک عرصہ گزار چکا تھا اور اب اگرچہ عمر کی آخری منزل میں پہنچ چکا تھا مگر جذبہ جاہ پسندی ایسا نہیں ہے کہ عمر کے کسی حصہ میں سرد پڑ جائے بلکہ

بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے ۔۔۔ جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے

چنانچہ وہ حکومت مصر کی دیرینہ آرزو لے کر معاویہ کے ہاں پہنچ گیا اور وہاں کی حکومت کا سودا چکانے کے بعد اپنا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔

عمرو ابن عاص سیاسی ہتھکنڈوں اور سازشی حربوں میں ماہر اور پھوٹ ڈلوا کر مقصد برآری کے فن میں طاق تھا۔ اسی جوڑ توڑ اور سوجھ بوجھ کے نتیجہ میں کامیابی کی راہیں پیدا کرتا رہا اگرچہ کامیابی کے لئے اسے دینی و اخلاقی قدروں کی قربانی دینا پڑی مگر حکمرانی و کشورستانی کی سیاست میں ان اقدار کو چنداں اہمیت نہیں دی جایا کرتی جبکہ سیاست کا مقصد ہی کامیابی قرار دے لیا گیا ہے خواہ وہ کذب و افترا پردازی سے حاصل ہو یا قتل و خونریزی سے۔ اور واقعات شاہد ہیں کہ ابن عاص کو ان امور کے ارتکاب سے کوئی باک نہ تھا۔ آخر ۹۰ برس کی طویل زندگی کے بعد ۴۳ھ میں عید الفطر کے دن وفات پائی۔ اس کے فرزند عبداللہ نے پہلے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر نماز عید ادا کی۔

عبداللہ ابن سعد

عبداللہ حضرت عثمان کا دودھ شریک بھائی اور سعد ابن ابی سرح کا بیٹا تھا۔ سعد کا شمار ان

Presented by www.ziyaraat.net/

لوگوں میں ہوتا تھا جو اسلام کی آڑ میں اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے اور اپنے طرز عمل کی بنا پر منافقین کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ ابن قتیبہ نے تحریر کیا ہے۔

وابوه سعد من المنافقين۔ (المعارف ص ۱۳۱)

عبداللہ کا باپ سعد منافقین میں شامل تھا۔"

عبداللہ گو صحابی رسول اور کاتب وحی تھا مگر اس کے فکر و عمل کی پشت پر اسی کے باپ کا ذہن کام کر رہا تھا جس کا ثبوت اس کا یہ طرز عمل ہے کہ جب پیغمبرؐ قرآن کی آیت لکھواتے تو ان میں اپنی مرضی سے ردو بدل کر دیتا۔ چنانچہ الکافرین کی جگہ الظالمین اور عزیز حکیم کی جگہ علیم حکیم لکھ دیتا۔ ایک مرتبہ انسانی پیدائش کے سلسلہ میں ایک آیت لکھتے ہوئے آیت کے سیاق کی مناسبت سے اس کی زبان سے **فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین** کا جملہ نکل گیا آنحضرت نے فرمایا کہ یہ بھی اسی آیت کا ٹکڑا ہے اسے بھی لکھ لو۔ اس نے لکھنے کو تو لکھ لیا مگر شک میں پڑ گیا کہ قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام ہے یا پیغمبر کا ساختہ اور پھر اس کی تشہیر کرنے لگ گیا کہ قرآن میں کوئی خاص ندرت اور بشری طاقت سے بلند تر جوہر بلاغت نہیں ہے ایسا کلام تو میں بھی پیش کر سکتا ہوں۔ اس پر یہ آیہ قرانی نازل ہوا۔

ومن اظلم ممن افترىٰ على اللّٰه كذبا اوقال اوحى الى ولم يوح اليه شئٌ ومن قال سانزل مثل ما انزل اللّٰه۔

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت باندھے اور کہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس وحی نہیں آئی یا وہ یہ دعویٰ کرے کہ جیسا قرآن اللہ نے اتارا ہے ویسا میں بھی نازل کئے دیتا ہوں۔"

پیغمبر اکرمؐ نے اس کی یاوہ گوئی کی بنا پر اسے مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا چنانچہ وہ اسلام سے منحرف ہو کر مکہ میں آگیا اور یہاں بھی لوگوں سے برملا کہنا شروع کیا کہ محمد خود آیتیں گڑھ لیتے ہیں اور وحی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت عثمان ایسے لوگوں کے پشت پناہ تو بن ہی جایا کرتے تھے انہوں نے آنحضرتؐ سے سفارش کی کہ اسے مدینہ آنے کی اجازت دی جائے مگر پیغمبرؐ نے کسی صورت میں اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی۔ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت فاتح کی حیثیت

سے مکہ میں داخل ہوئے تو حکم دیا کہ عبداللہ ابن سعد کو قتل کر دو خواہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے چمٹا ہوا کیوں نہ ہو۔ حضرت عثمان نے یہ فرمان نبوی سنا تو اسے لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ عبداللہ ابن سعد بیعت کیلئے حاضر ہوا ہے اسے امان دی جائے اور اس سے بیعت لی جائے۔ مگر پیغمبر نے نہ بیعت لینے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا اور نہ زبان سے کچھ فرمایا اور دیر تک خاموش رہے۔ ادھر حضرت عثمان کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر پیغمبر اکرمؐ نے اس کی جان بخشی کر دی۔ جب وہ اٹھ کر چلا گیا تو آنحضرت نے ان لوگوں سے جو وہاں موجود تھے فرمایا کہ میں اتنی دیر اس لئے چپ رہا کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اس کی گردن مار دے۔

اماكان فيكم من يقوم الى ہذا الكلب قبل ان اومنه فيقتله (انساب الاسراف۔ ج ۱ ص ۳۵۸)

کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس کتے کی طرف بڑھتا اور قبل اس کے کہ میں اسے امان دیتا وہ اسے قتل کر دیتا۔"

حضرت عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے آنکھ سے اشارہ کر دیا ہوتا تو ہم اسے قتل کر دیتے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

انى ما اقتل باشارة لان الانبيا لايكون لهم خائنة الاعين۔ (انساب الاشراف۔ ج ۱ ص ۳۵۸)

میں اشارہ سے قتل کا حکم نہیں دیا کرتا اور نہ انبیاء آنکھ بچا کر اشارہ بازی کیا کرتے ہیں۔"

حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں اس کی بداعمالیوں سے چشم پوشی کر کے اسے مصر ایسی وسیع مملکت کا والی بنا دیا۔ گویا وحی میں خیانت اور ارتداد کوئی جرم ہی نہ تھا۔ اس نے امارت مصر پر قابض ہونے کے بعد وہی طرز عمل اختیار کیا جس کی اس سے توقع کی جاسکتی تھی۔ ہر طرف جبر و استحصال کے طوفان امنڈ آئے ملکی خوش حالی نکبت و افلاس میں بدل گئی اور حضرت عثمان کے چند ہوا خواہوں کے علاوہ تمام اہل مصر اس کے مخالف ہوگئے اور عام کے دلوں میں مرکز کی طرف سے بھی نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ آخر محمد ابن ابی حذیفہ نے اس کی حکومت کا

Presented by www.ziyaraat.net/

تختہ الٹ کر لوگوں کو اس کے چنگل سے نجات دلائی۔

محمد ابن ابی حذیفہ حضرت عثمان کے پروردہ تھے اور اپنے والد ابو حذیفہ کے جنگ یرموک میں مارے جانے کے بعد انہی کے زیر کفالت رہے۔ جب محمد بڑے ہوئے تو حضرت عثمان سے کہا کہ مجھے موقع دیجئے کہ اسلام کی ترویج و ترقی میں حصہ لوں اور کسی لشکر میں شریک ہو کر دشمنوں سے جہاد کروں حضرت عثمان نے انہیں عبداللہ ابن سعد کے معاون و مددگار کی حیثیت سے مصر جانے کی اجازت دے دی اور وہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ مصر آگئے۔ محمد ابن حذیفہ بڑے عابد و متورع اور پرہیز گار تھے انہوں نے والی مصر کی بے راہرویوں اور انتظامی خرابیوں کو دیکھا تو عبداللہ ابن سعد کو سمجھایا کہ وہ اپنی روش کو بدلے مگر اس کی عادات و اطوار میں تبدیلی نہ آئی۔ جب وہ بار بار۔ جھنجھوڑنے پر بھی نہ سنبھلا تو انہوں نے علانیہ لوگون کو اس کے خلاف کہنا سننا شروع کر دیا اور حضرت عثمان پر بھی لے دے کی کہ انہوں نے ایک ایسے باغی انسان کو اہل مصر پر مسلط کر دیا ہے جس کا خون پیغمبرؐ نے مباح کر دیا تھا۔ اہل مصر محمد کے تقویٰ و طہارت اور محتاط طرز عمل سے متاثر تو تھے ہی ان کے گردو پیش جمع ہوگئے۔ عبداللہ ابن سعد پہلے ہی اہل مصر کی نظروں سے گرا ہوا تھا اب اس کا رہا سہا وقار بھی جاتا رہا اور اس کی حکومت بے وزن ہو کر رہ گئی۔ عبداللہ ابن سعد نے یہ صورتحال دیکھی تو حضرت عثمان کو تحریر کیا کہ آپ کے پروردہ ابن ابی حذیفہ نے یہاں کی فضا کو مکدر کر دیا ہے وہ اٹھتے بیٹھتے عوام کو حکومت کے خلاف آمادہ بغاوت کرتے رہتے ہیں اگر اس کا بندوبست نہ کیا گیا تو بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے روک تھام کی مگر اب معاملہ میرے قابو سے باہر ہوگیا ہے۔ حضرت عثمان کو کوئی اور تدبیر نہ سوجھی تو انہوں نے مال و دولت سے اس سیلاب پر بند باندھنا چاہا۔ چنانچہ چند قیمتی پارچے اور تیس ہزار درہم ابن ابی حذیفہ کو بھجوائے مگر یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور ابن ابی حذیفہ لالچ کا شکار نہ ہوسکے انہوں نے وہ پارچے اور درہم مسجد میں لاکر ڈھیر کر دیئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

یا معشر المسلمین الاترون الی عثمان یخاد عنی عن دینی و یرشونی علیہ۔

(تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۳۵)

ترجمہ :۔ اے گروہ مسلمین تم عثمان کی اس حرکت کو نہیں دیکھتے کہ وہ دین کے معاملہ میں مجھے فریب دینا چاہتے ہیں اور یہ مال رشوت کے طور پر مجھے بھیجا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفت اور شدید ہوگئی بغاوت کے جذبات ابھر آئے اور لوگوں نے علانیہ عبد اللہ ابن سعد کو برا بھلا کہنا سروع کر دیا۔ حضرت عثمان کو اس کا پتا چلا تو انہوں نے ابن ابی حذیفہ کو تحریر کیا کہ مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم میرے احسانات کو یکسر فراموش کر دوگے اور خود بھی علم بغاوت بلند کروگے اور رعایا کو بھی میرے خلاف بغاوت پر اکساؤ گے۔ مگر ابن ابی حذیفہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر عبداللہ کے خلاف تحریک چلاتے رہے۔ آخر اہل مصر کا ایک جتھا مدینہ روانہ ہوگیا۔ تاکہ حضرت عثمان کو مجبور کرے کہ وہ عبد اللہ ابن سعد کو اس کے عہدہ سے معزول کر کے کسی دوسرے کا تقرر کریں۔ اس جتھے میں محمد ابن ابی بکر بھی تھے جو مصر میں ابن ابی حذیفہ کے اس تحریک میں معاون تھے۔

اس وفد کے بعد عبد اللہ ابن سعد نے بھی مدینہ کا رخ کر لیا اور مصر کا نظم ونسق ابن ابی حذیفہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ جب عبد اللہ مدینہ جاتے ہوئے مقام ایلہ پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ مصریوں نے عراقیوں کے ساتھ مل کر حضرت عثمان کو محاصرہ میں لے لیا ہے اور وہاں جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے وہ وہیں سے واپس مصر کی طرف پلٹا مگر ابن ابی حذیفہ نے اسے حدود مصر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ جب اسے کوئی ٹھکانا نظر نہ آیا تو فلسطین کی طرف چل دیا اور فلسطین سے متصل مصر کی آخری سرحد پر پہنچ کر ٹھہر گیا اور اس انتظار میں رہا کہ دیکھئے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں اور اس محاصرہ کا نتیجہ کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی زمانہ قیام میں ایک شخص ادھر سے گزرا اس سے دریافت کیا کہ تمہیں مدینہ کی شورش کے بارے میں کچھ علم ہے اس نے کہا کہ عثمان قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سنا تو **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ** کہا اور پھر پوچھا کہ خلافت کے لئے کون منتخب ہوا ہے کہا علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام۔ یہ سن کر اس نے پھر **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون** کہا۔ اس شخص نے کہا کہ تم حضرت عثمان کے قتل اور حضرت علیؑ کی خلافت دونوں کو ایک طرح کا المیہ سمجھتے ہو۔ پھر غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم عبداللہ ابن سعد تو نہیں ہو کہا کہ ہاں عبد اللہ ابن سعد ہوں۔ کہا کہ پھر بھاگ کر اپنی جان بچاؤ ورنہ

ترجمہ :۔ اے گروہ مسلمین تم عثمان کی اس حرکت کو نہیں دیکھتے کہ وہ دین کے معاملہ میں مجھے

Presented by www.ziyaraat.net/

فریب دینا چاہتے ہیں اور یہ مال رشوت کے طور پر مجھے بھیجا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفت اور شدید ہوگئی بغاوت کے جذبات ابھر آئے اور لوگوں نے علانیہ عبد اللہ ابن سعد کو برا بھلا کہنا سروع کر دیا۔ حضرت عثمان کو اس کا پتا چلا تو انہوں نے ابن ابی حذیفہ کو تحریر کیا کہ مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم میرے احسانات کو یکسر فراموش کر دوگے اور خود بھی علم بغاوت بلند کروگے اور رعایا کو بھی میرے خلاف بغاوت پر اکساؤ گے۔ مگر ابن ابی حذیفہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر عبداللہ کے خلاف تحریک چلاتے رہے۔ آخر اہل مصر کا ایک جتھا مدینہ روانہ ہوگیا۔ تاکہ حضرت عثمان کو مجبور کرے کہ وہ عبد اللہ ابن سعد کو اس کے عہدہ سے معزول کرکے کسی دوسرے کا تقرر کریں۔ اس جتھے میں محمد ابن ابی بکر بھی تھے جو مصر میں ابن ابی حذیفہ کے اس تحریک میں معاون تھے۔

اس وفد کے بعد عبد اللہ ابن سعد نے بھی مدینہ کا رخ کر لیا اور مصر کا نظم ونسق ابن ابی حذیفہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ جب عبد اللہ مدینہ جاتے ہوئے مقام ایلہ پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ مصریوں نے عراقیوں کے ساتھ مل کر حضرت عثمان کو محاصرہ میں لے لیا ہے اور وہاں جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے وہ وہیں سے واپس مصر کی طرف پلٹا مگر ابن ابی حذیفہ نے اسے حدود مصر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ جب اسے کوئی ٹھکانا نظر نہ آیا تو فلسطین کی طرف چل دیا اور فلسطین سے متصل مصر کی آخری سرحد پر پہنچ کر ٹھہر گیا اور اس انتظار میں رہا کہ دیکھئے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں اور اس محاصرہ کا نتیجہ کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی زمانہ قیام میں ایک شخص ادھر سے گزرا اس سے دریافت کیا کہ تمہیں مدینہ کی شورش کے بارے میں کچھ علم ہے اس نے کہا کہ عثمان قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سنا تو **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون** کہا اور پھر پوچھا کہ خلافت کے لئے کون منتخب ہوا ہے کہا علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام۔ یہ سن کر اس نے پھر **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ** کہا۔ اس شخص نے کہا کہ تم حضرت عثمان کے قتل اور حضرت علیؑ کی خلافت دونوں کو ایک طرح کا المیہ سمجھتے ہو۔ پھر غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم عبد اللہ ابن سعد تو نہیں ہو کہا کہ ہاں عبد اللہ ابن سعد ہوں۔ کہا کہ پھر بھاگ کر اپنی جان بچاؤ ورنہ امیرالمومنین تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیں گے یا ملک سے نکال باہر کریں گے۔ عبداللہ وہاں سے دمشق کی طرف چل دیا او رکچھ عرصہ معاویہ کے زیر سایہ رہنے کے بعد ۲۶ھ یا ۲۷ میں عسقلان میں وفات پاگیا۔

ولید ابن عقبہ

ولید اروی بنت کریز کے بطن سے عقبہ ابن ابی معیط کا بیٹا اور حضرت عثمان کا مادری بھائی تھا۔ عقبہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف محاذ جنگ قائم کرنے والوں میں شامل تھا۔ مسلمانوں نے اسے اسیر کرکے آنحضرتؐ کے پیش کیا تو آپ نے اس کو قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ ولید اور اس کے بھائی عمارہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا یہ اسلام، حق کو حق سمجھنے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ایک طرح کی اطاعت و سرا فگندگی تھی جو مجبوری کی حالت میں اختیار کی جایا کرتی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے جب زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لئے مختلف افراد مختلف قبائل کی طرف بھیجے تو ولید کو بنی مصطلق کی طرف بھیجا۔ جب وہ ان کی بستیوں کے قریب پہنچا تو انہوں نے خیر سگالی کے طور پر اس کا استقبال کرنا چاہا اس نے انہیں آگے بڑھتے دیکھا تو خوفزدہ ہو کر واپس پلٹ آیا اور پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ وہ لوگ اسلام سے منحرف ہو چکے ہیں اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ آنحضرت نے اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور ان کی تادیب و سرزنش کے لئے قدم اٹھانا چاہا۔ بنی مصطلق کو خبر ہوئی تو وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے بارے میں جھوٹ بولا گیا ہے اور ہم پر بہتان باندھا گیا ہے۔ ہم نہ اسلام سے منحرف ہوئے ہیں اور نہ زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اِن جَاءَ کُم فَاسِقُ بِنَبَاءٍ فَتَبَیَّنُوا اَن تُصِیبُوا قَومًا بِجَهَالَةٍ

”اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے خبری کی بنا پر نقصان پہنچاؤ۔“

ایک مرتبہ اس نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میں شمشیر زنی و صف شکنی میں آپ سے کم نہیں ہوں حضرت نے فرمایا **اسکت یا فاسق** ”اے فاسق چپ رہ“ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَفَمَن کَانَ مُومِناً کَمَن کَانَ فَاسِقاً لَا یَستَوُون۔

کیا جو شخص ایماندار ہو اس شخص کے برابر ہو جائے گا جو فاسق ہو یہ (دونوں) برابر نہیں

Presented by www.ziyaraat.net/

ہو سکتے۔"

نزلت فی علی ابن ابی طالب و الولید ابن عقبہ (استیعاب ج ۳ ص ۵۹۶)

یہ آیت علی ابن ابی طالبؑ اور ولید ابن عقبہ کے بارے بں نازل ہوئی۔"

ان دونوں آیتوں میں اسے فاسق کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اس کے بعد ہر مجلس اور ہر اجتماع میں اسی نام سے یاد کیا جاتا رہا اور جب تک قرآن مجید پڑھا جاتا رہے گا اسی نام سے یاد کیا جاتا رہے گا۔

حضرت عثمان نے سعد ابن ابی وقاص کو جنہیں حضرت عمر نے مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا تھا امارت کوفہ سے معزول کرکے اس فاسق کو کوفہ کی گورنری کے لئے نامزد کیا اور پروانہ حکومت دے کر ادھر بھیج دیا۔ جب یہ کوفہ پہنچا تو چلچلاتی دھوپ میں سعد کے مکان پر آیا سعد کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ برطرفی کا حکم لے کر آیا ہے۔ پوچھا کہ کیسے آنا ہوا کہا کہ مجھے عثمان نے والی کوفہ بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں تمہیں امارت سے برطرف کرکے بیت المال اور تمہارے مقرر کردہ عمال کا جائزہ لوں۔ سعد نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ تم لوگ زیادہ زیرک و دانا ہوگئے ہو یا ہم حماقت و سفاہت کا شکار ہوگئے ہیں۔ یہ ردو بدل اور نصب و عزل کا کیا چکر ہے۔ کہا کہ اس حکومت نے کس سے وفا کی ہے جو تم سے وفا کرتی یہ صبح کو کسی کی ہوتی ہے اور شام کو کسی کی۔ لہٰذا جو چیز صبح ہے اور شام نہیں اس کے جانے پر غم نہ کیجئے آخر اسے ایک نہ ایک دن جانا ہی تھا۔ سعد نے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے تم نے اس ملک کو اپنے باپ دادا کی چھوڑی ہوئی جاگیر قرار دے لیا ہے کہ جسے چاہا بخش دیا اور جس سے چاہا چھین لیا۔

سعد کوفہ کی امارت ولید کے سپرد کرکے مدینہ واپس آگئے۔ ولید برسر اقتدار آتے ہی اقتدار کے نشہ میں کھو گیا ناؤ نوش کی مجلسوں میں رونق آگئی علانیہ شراب کے دور چلنے لگے اور خم کے خم لنڈھائے جانے لگے۔ ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے۔

کان الاصمعی و ابو عبیدۃ وابن الکلبی و غیر ھم یقولون کان الولید ابن عقبۃ فاسقا شریب خمر (استیعاب ج ۳ ص ۵۹۶)

اصمعی ابوعبیدہ، ہشام ابن کلبی اور دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ ولید ابن عقبہ فاسق اور بلا

کا شراب نوش تھا۔"

ولید کے مصاحبین میں ایک عیسائی ابوز بید طائی مصاحب خاص اور اس کا ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا ولید نے مسجد سے متصل ایک مکان لے کر اسے دے دیا تھا وہ مسجد کے صحن سے گزر گاہ کا کام لیتا اور ادھر ہی سے آتا جاتا۔ لوگ ایک عیسائی کو شراب کے نشہ میں جھومتے لڑکھڑاتے آتے جاتے دیکھتے تو پیچ و تاب کھاتے مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ درباری ندیم کو روکے ٹوکے اور مسجد میں سے ہو کر گزرنے سے منع کرے۔ ایک دن ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور دبی گھٹی آوازیں چیخ بن کر گونج اٹھیں۔ ہوا یہ کہ ولید نے نشہ کی ترنگ میں صبح کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھا دی اور نمازیوں سے کہا کہ آج ہم وجد و بے خودی کے عالم میں ہیں اگر کہو تو اور پڑھا دیں۔ اور نماز میں قرأت کے بجائے یہ شعر دہراتا رہا۔

علق القلب الربابا بعد ماشابت و شابا

"دل بھی بوڑھا ہوگیا اور رباب بھی بوڑھی ہوگئی مگر دل ابھی تک اسی میں اٹکا ہوا ہے۔"

اہل کوفہ نے تنگ آکر حضرت عثمان سے شکایت کی اور ولید کی شراب نوشی پر گواہ پیش کئے حضرت عثمان نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو اسے مدینہ طلب کیا اور کوڑے لگوائے اور اس کی جگہ سعید ابن عاص کو حاکم کوفہ بنا کر بھیج دیا۔ سعید نے کوفہ میں وارد ہونے کے بعد حکم دیا کہ جس منبر پر ولید ایسا نجس و ناپاک آدمی بیٹھتا تھا اسے دھو کر پاک و صاف کیا جائے۔ اور جب تک اسے دھویا نہ گیا سعید نے اس پر بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ جب امیرالمومنینؑ برسر اقتدار آئے تو ولید مدینہ کی سکونت چھوڑ کر بصرہ میں مقیم ہوگیا اور پھر وہاں سے رقہ کی طرف منتقل ہوگیا اور رقہ ہی میں وفات پائی اور وہیں پر ابوز بید طائی کے پہلو میں دفن ہوا۔

سعید ابن عاص

سعید، عاص بن سعید کا بیٹا تھا جو جنگ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ سعید نے اپنے باپ کے مارے جانے کے بعد یتیمی کا زمانہ حضرت عثمان کے زیر سایہ گزارا۔ فتح شام

Presented by www.ziyaraat.net/

کے بعد معاویہ کے پاس چلا گیا۔ پھر شام سے مدینہ چلا آیا اور ۳۰ ھ میں ولید کی برطرفی کے بعد کوفہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ سعید ایک خود پسند، خود سر اور متشدد قسم کا آدمی تھا۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے۔

کان فی سعید تجبر و غلظة و شدة سلطان۔ (استیعاب ج ۲ ص ۹)

"سعید جابر درشت خو اور تشدد پسند تھا۔"

اس کی تند خوئی و درشت مزاجی کے ثبوت میں یہ واقعہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ عید کے چاند کے بارے میں اس نے لوگوں کو اپنے ہاں جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے چاند دیکھا ہے؟ ہاشم ابن عتبہ نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ ہم نے نہیں دیکھا۔ اس پر سعید نے کہا کہ اس کانے نے چاند دیکھ لیا ہے اور تم لوگ نہیں دیکھ پائے۔ ہاشم کی ایک آنکھ جنگ یرموک میں جاتی رہی تھی۔ انہیں اس انداز تخاطب پر غصہ آیا اور کہا کہ تم میری یک چشمی پر کیا طنز کرتے ہو یہ آنکھ اللہ کی راہ میں جاتی رہی ہے ہاشم تو یہ کہہ کر واپس آ گئے مگر چاند کی تصدیق کے لئے لوگوں کا ان کے ہاں تانتا بندھ گیا۔ سعید کو یہ امر ناگوار گزرا اس نے چند آدمیوں کو بھیج کر انہیں بری طرح سے پٹوایا اور ان کا گھر جلوا دیا۔ جب مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو سعد ابن ابی وقاص نے حضرت عثمان سے کہا کہ اس ظلم و تشدد کی روک تھام ہونا چاہئے۔ اور جب کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا تو انہوں نے سعید کا گھر جو مدینہ میں تھا جلا دینا چاہا مگر حضرت عائشہ کے کہنے سننے سے رک گئے۔

سعید جتنا عرصہ بر سر اقتدار رہا عوام اس کے ظلم و استحصال کا تختہ مشق بنے رہے۔ بیت المال کو ذاتی ملکیت سمجھ کر جسے چاہتا اور جو چاہتا بطور عطائے خسروانہ بخش دیتا۔ نہ اللہ کا ڈر تھا اور نہ مرکز کی طرف سے احتساب کا خطرہ۔ اگر اس کے خلاف کوئی آواز بلند کرتا تو اسے سختی سے دبا دیتا۔ اس کی جرأت اس حد تک بڑھ گئی کہ ایک دفعہ جبکہ اعیان و اشراف کوفہ سے دربار چھلک رہا تھا برملا کہنے لگا۔

انما هذا السواد بستان قریش (تاریخ کامل ج ۳ ص ۷۰)

"عراق کی زمینیں صرف قریش (بنی امیہ) کی ہیں۔"

مالک ابن حارث اشتر یہ سن کر خاموش نہ رہ سکے کہنے لگے کہ جو زمینیں ہماری تلواروں نے فتح کی ہوں وہ تمہاری اور تمہاری قوم کی جاگیر نہیں ہو سکتیں۔ اس پر پولیس کا ایک افسر عبدالرحمٰن ابن جیش اسدی بول اٹھا کہ امیر سچ تو کہتے ہیں اور مالک اشتر سے الجھنے لگا اور سخت کلامی پر اتر آیا۔ جب بات بڑھی تو مالک اشتر کا ایماء پا کر بنی نخع اور اشراف کوفہ نے اس کو زدو کوب کیا اور اس قابل نہ چھوڑا کہ پیروں پر چل کر اپنے گھر جا سکے۔ اس واقعہ کے بعد نفرت کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ جہاں چند لوگ جمع ہوتے سعید کو برا بھلا کہتے اور حضرت عثمان کو بھی کوستے جنہوں نے ایسے مطلق العنان لوگوں کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا جو ان کے اموال کو خورد برد کرنے میں ذرا باک محسوس نہ کرتے تھے۔ سعید اور تو کچھ نہ کر سکا ان لوگوں کا اپنے ہاں آنا جانا بند کر دیا اور حضرت عثمان کو لکھا فلاں اور فلاں حکومت کے خلاف آمادہ شورش و بغاوت ہیں اگر ان کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ حکومت کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ حضرت عثمان نے جواباً تحریر کیا کہ ان لوگوں کو شام جلا وطن کر دیا جائے اور امیر شام معاویہ کو لکھا۔ کہ چند شر پسند اور فتنہ جو لوگ شام بھیجے جا رہے ہیں انہیں اس طرح جھنجھوڑو کہ آئندہ حکومت کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہ کر سکیں چنانچہ پکڑ دھکڑ شروع ہوئی اور انہیں بجبر و قہر شام روانہ کر دیا گیا۔

یہ لوگ جنہیں شر پسند اور فتنہ پرداز قرار دیا گیا کوفہ کے اعیان و اشراف قاریان قرآن، حفاظ حدیث اور صحابہ و تابعین تھے جو اپنے زہد و اتقاء علم و عمل اور فضل و شرف کے اعتبار سے اسلام کا عظیم سرمایہ تھے ان میں مالک ابن حارث اشتر، مالک ابن کعب ارحبی، اسود ابن یزید نخعی، علقمہ ابن قیس نخعی، صعصعہ ابن صوحان عبدی، زید ابن صوحان، حارث ابن عبداللہ اعور، ثابت ابن قیس ہمدانی، کمیل ابن زیاد نخعی، جندب ابن زہیر غامدی جندب ابن کعب ازدی، عروہ ابن جعد اور عمرو ابن حمق خزاعی ایسے عمائد کوفہ شامل تھے۔ ان کا جرم جس کی پاداش میں انہیں دربدری و جلاوطنی کی سزا دی گئی یہ تھا کہ انہوں نے حق کے قیام کیلئے باطل کی ہمنوائی نہیں کی اور حکمران طبقہ کی بے راہرویوں پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے حریت ضمیر کو برقرار رکھا۔ اگر انہوں نے ایک ایسی حکومت میں جسے انتخابی و جمہوری حکومت کا نام دیا جاتا ہے اور جس میں آزادانہ اظہار رائے کا حق تسلیم کیا جاتا ہے حق گوئی و صاف بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ

Presented by www.ziyaraat.net/

مسلمانوں کی مشترکہ زمینوں پر ایک مخصوص گروہ کا قبضہ و تسلط غلط ہے تو کیا غلط کہا۔ اگر یہی لوگ اہل اقتدار کی ہاں میں ہاں ملانا اپنا شعار بنا لیتے اور سطوت و طاقت کے سامنے جھک کر ظلم کو عدل، بدی کو نیکی اور باطل کو حق کہنے لگتے تو غلط کار حکمرانوں کو ان کی غلط کاریوں پر روکنے ٹوکنے کی امید کس سے کی جاسکتی تھی۔ یہی تو وہ لوگ تھے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ نظر انداز کرکے کبھی ظلم و عدوان سے روا داری برتنے پر آمادہ نہ ہوسکتے تھے۔ اور اگر اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ تشدد آمیز رویہ اختیار بھی کیا تو یہ ان کے دینی احساس اور اخلاقی فرض کا تقاضا اور حکومت کی بے اثری و بے وقعتی کا کرشمہ تھا۔

جب یہ لوگ جلاوطن ہو کر دمشق پہنچے تو انہیں کنیۂ مریم میں جگہ دی گئی اور معاویہ نے سخت گیری کے بجائے سیاسی لب و لہجہ میں انہیں ہمنوا بنانے کی کوشش کی اور کہا کہ تم لوگ اسلام کی بدولت ایک بلند مرتبہ و مقام پر پہنچے ہو اور دوسری قوموں پر غلبہ و فتحمندی حاصل کی ہے۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم قریش اور عمال حکومت پر نکتہ چینی کرتے ہو اور انہیں علانیہ برا بھلا کہتے ہو اگر قریش نہ ہوتے تو تم ذلت و گمنامی کے گوشے میں پڑے رہتے اور تمہیں کوئی پوچھتا بھی نہ۔ تمہارے حکمران تمہاری سپر ہیں اسے توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ حکومت اب تک تمہاری نازیبا حرکتیں برداشت کرتی رہی ہے اگر تم باز نہیں آؤ گے تو اللہ تمہیں مصیبتوں میں جکڑ لے گا اور ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دے گا۔ صعصعہ نے کہا کہ تم نے قریش کے تفوق و امتیاز کا ذکر کیا ہے تو قریش کسی دور میں ہم سے گنتی میں زیادہ نہ تھے اور نہ ہم سے قوی و توانا تر تھے۔ رہا تمہارا یہ قول کہ فرمانروا ہماری سپر ہیں تو اسے ٹوٹنے دیجئے ہم خود اپنی سپر بن جائیں گے۔

اسی طرح بات چیت کا سلسلہ چلتا رہا اور آپس میں سوال و جواب ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ معاویہ نے دوران گفتگو میں کہا کہ قریش سے یہ بات ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے کہ میرا باپ ابوسفیان قریش میں سب سے زیادہ معزز و باوقار تھا البتہ آنحضرت کو نبوت مل گئی جو کسی اور کو نہ مل سکی۔ اگر تمام لوگ ابوسفیان کی اولاد ہوتے تو سب کے سب زیرک و دانا ہوتے۔ صعصعہ نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو۔ حضرت آدمؑ جو ابوسفیان سے بہرحال بہتر تھے اللہ نے انہیں اپنے

دست قدرت سے پیدا کیا ان میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو ان کے سجدہ پر مامور فرمایا ان کی اولاد میں عقلمند بھی ہیں اور بے وقوف بھی اچھے بھی ہیں اور برے بھی۔ معاویہ سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور چپ سادھ لی۔ ایک اور ملاقات میں کہا کہ تمہیں اپنی بھلائی پر نظر کرنا چاہئے اور وہ طرز عمل اختیار کرنا چاہئے جو تمہارے اور تمہارے قبیلہ اور عامہ اہل اسلام کیلئے مفید ہو۔ صعصعہ نے کہا کہ یہ تم نے نیکی و ہدایت کا درس دینا کب سے شروع کیا ہے کیا اس میں کوئی فلاح و بہبود کا پہلو ہے کہ ہم اللہ کی معصیت کرتے ہوئے تمہاری اطاعت کریں۔ معاویہ نے کہا کہ میں نے یہی تو کہا ہے کہ اللہ سے ڈرو نبی کی پیروی کرو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ پردازی سے باز آؤ۔ صعصعہ نے کہا کہ تم نے کب رسول کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی اور تفرقہ و انتشار کو ہوا نہیں دی۔ معاویہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوا ہو تو میں توبہ کرتا ہوں اور تمہیں تقویٰ و طاعت اور جماعت سے وابستگی کا حکم دیتا ہوں تم اپنے حکمرانوں کی عزت و توقیر کرو اور ان سے تعاون کرتے ہوئے دوستی و خیر خواہی کی فضا میں انہیں مشورے دو۔ صعصعہ نے کہا کہ پھر ہم تمہیں خلوص نیت سے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ تم امارت شام کے منصب سے الگ ہو جاؤ اور جو اس منصب کا تم سے زیادہ حقدار ہے اس کیلئے جگہ خالی کرو۔ کیا تم اس سے انکار کرسکتے ہو کہ عرب میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جن کے اسلامی خدمات تم سے کہیں زیادہ ہیں کہا کہ یہ صحیح ہے مگر اس وقت بار حکومت کے اٹھانے کا مجھ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے۔ اگر مجھ میں کوئی کمزوری ہوتی تو حضرت عمر میری پاسداری نہ کرتے اور مجھے اس عہدہ پر باقی نہ رہنے دیتے۔ لہٰذا امارت شام سے دستبردار ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر صعصعہ اور دوسرے لوگ بگڑ گئے اور معاویہ پر جھپٹے۔ معاویہ نے کہا کہ یہ کوفہ نہیں ہے سرزمین شام ہے اگر یہاں کے لوگوں کو تمہاری اس حرکت کا علم ہوگیا تو وہ تمہیں قتل کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور منزل پر پہنچ کر حضرت عثمان کو تحریر کیا کہ وہ لوگ جو ہمارے ہاں آئے ہیں انہیں نہ عقل و شعور سے واسطہ ہے اور نہ دین و مذہب سے لگاؤ ان کا مقصد صرف فتنہ گری و شرانگیزی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر یہ لوگ یہاں رہے تو فتنہ و شر پھیلائیں گے اور شامیوں کو آمادہ بغاوت کریں گے لہٰذا مناسب ہوگا کہ انہیں یہاں سے کہیں اور بھیج دیا جائے۔ حضرت عثمان

Presented by www.ziyaraat.net/

نے لکھا کہ انہیں سعید ابن عاص کے پاس کوفہ روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ انہیں واپس کوفہ بھیج دیا گیا۔ سعید سے کشیدگی تو تھی ہی یہاں آنے پر حالات رو باصلاح ہونے کے بجائے اور بگڑ گئے۔ حضرت عثمان کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے مالک اشتر کو تحریر کیا کہ تم لوگ کوفہ خالی کر دو اور یہاں سے حمص چلے جاؤ۔ اشتر نے یہ فرمان پڑھا تو کہا۔

اللھم اسوأ نا نظر اللرعیة و اعملنا فیھم بالمعصیة فعجل له النقمة (تاریخ طبری ج ۳۔ ص ۳۶۷)

"بار الہا! ہم میں سے جو رعیت کا بدخواہ اور اس کے حق میں معصیت کار ہو اس پر جلد عذاب نازل کر۔"

یہ لوگ کوفہ سے حمص چلے آئے والی حمص عبدالرحمٰن ابن خالد ابن ولید نے ان کی تذلیل و تحقیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور انہیں طرح طرح کے شدائد و آلام میں جکڑے رکھا۔ جب انہیں ایک مہینہ قید و بند میں سختیاں جھیلتے گزر گیا تو انہیں پھر کوفہ بھیج دیا گیا۔ اب رعایا کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا لوگ عثمانی عمال کے ہاتھوں پہلے ہی نالاں تھے کہ حضرت عثمان کو اس طرز عمل سے جو ان معزز و سربلند افراد کے ساتھ روا رکھا گیا ہر طرف غضب و انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے نظم و مملکت تہ و بالا ہو کر رہ گیا۔ حضرت عثمان ان بدلے ہوئے حالات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے تھے انہوں نے اس ہمہ گیر شورش کو دبانے کے لئے ۳۴ ھ میں عمال و حکام کو مدینہ میں طلب کیا۔ سعید ابن عاص بھی کوفہ سے مدینہ آیا اور جب یہاں سے فارغ ہو کر کوفہ کی طرف پلٹا تو قادسیہ کے قریب جو جرعہ کے مقام پر اسے روک دیا گیا اور مالک اشتر اور ان کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ ہم تمہیں کوفہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے تم جدھر سے آئے ہو ادھر واپس چلے جاؤ۔ سعید نے کچھ حیل حجت کی مگر اس کی ایک نہ سنی گئی اور سب نے کہا کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ واپس پلٹ جاؤ اب عوام کے ریلے کو روکنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ وہ وہیں سے واپس مدینہ آگیا۔ حضرت عثمان نے اس کی جگہ ابو موسیٰ اشعری کو بھیج دیا جن کی کارگزاریوں کا تذکرہ جمل اور تحکیم کے سلسلہ میں ہوگا۔

قصاص خون عثمان

قصاص یعنی خون کے بدلے خون ایک ایسا ضابطہ ہے جسے نہ عقل غلط کہتی ہے اور نہ شرع بلکہ تمام ملل و ادیان اس کی ضرورت پر متفق ہیں مگر ہر قاعدہ و قانون میں کچھ مستثنیات بھی ہوتے ہیں اور یہ ضابطہ بھی مستثنیات سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی جرم کی پاداش میں قتل کر دیا جاتا ہے یا کوئی شخص اپنی جان کے بچاؤ کے لئے حملہ آور کو قتل کر دیتا ہے بلکہ جان کا تحفظ اس کے قتل پر منحصر ہو تو ان دونوں صورتوں میں اگرچہ فعل قتل کا ارتکاب ہوا ہے مگر نہ شرع قصاص کا حکم دیتی ہے اور نہ عقل۔ اس طرح متعدد ایسے موارد شمار کئے جاسکتے ہیں جہاں قصاص کا حکم عائد نہیں ہوتا جہاں تک نفس قصاص کا تعلق ہے اس کی مشروعیت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے البتہ اس کے موارد میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

امیر المومنین کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جب قصاص خون عثمان کا مسئلہ چھڑا تو یہ مسئلہ بھی اختلافی بن گیا یا بنا دیا گیا اور لوگ دو مختلف اور متضاد گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ حضرت عثمان کے قتل کو جائز قرار دیتا تھا اس کے نزدیک قصاص کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا اور ایک گروہ اس قتل کو ناروا سمجھتا تھا اور قصاص کا پر زور حامی تھا۔ اس سے بحث نہیں کہ یہ مطالبہ صحیح تھا یا غلط جو بھی صورت ہو عملی اعتبار سے یہ مسئلہ اتنا آسان نہ تھا کہ اس کا فوری حل نکل آتا اور ان پیچیدگیوں اور دشواریوں کو باآسانی دور کیا جاسکتا جو اس راہ میں حائل تھیں اگر امیر المومنین اس قتل کو ناروا سمجھتے ہوئے قصاص کی طرف متوجہ ہوتے تو اس گروہ کے بگڑنے کا اندیشہ تھا جو اس قتل کو بر بنائے تاویل جائز سمجھتا تھا اور قصاص کے خلاف تھا۔ اور اگر قصاص سے پہلو تہی کرتے تو وہ گروہ آمادہ بغاوت نظر آتا تھا جو اس خون کو خون ناحق قرار دیتا تھا اس وقت ایک طرف جھکاؤ انتہائی خطرناک تھا اور حکومت میں ابھی اتنا دم خم نہ تھا کہ دونوں گروہوں کے جذبات کو متوازن سطح پر لا کر اس گتھی کو سلجھایا جاسکتا۔ ابھی نہ ملکی معاملات منضبط ہوئے تھے نہ حکومت میں استحکام پیدا ہوا تھا۔ ہر طرف کھینچا تانی اور افراتفری کا عالم تھا نہ قصاص طلب کرنے والوں کے جذبات کو فرو کیا جاسکتا تھا اور نہ بلوائیوں کو باآسانی گرفت میں لیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ جب طلحہ و زبیر اور ان کے ہم خیال لوگوں نے حضرت سے قصاص کے بارے میں کہا تو آپ نے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا "جو تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں

Presented by www.ziyaraat.net/

لیکن میرے پاس اس کی قوت و طاقت کہاں ہے جب کہ فوجکشی کرنے والے اپنے انتہائی زوروں پر ہیں وہ اس وقت ہم پر مسلط ہیں ہم ان پر مسلط نہیں اور عالم یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور صحرائی عرب بھی ان سے مل جل گئے ہیں اور اس وقت بھی وہ تمہارے درمیان اس حالت میں ہیں کہ جیسا چاہیں تمہیں گزند پہنچا سکتے ہیں۔ کیا تم جو چاہتے ہو اس پر قابو پانے کی کوئی صورت تمہیں نظر آتی ہے۔"

حضرت نے اس وقت کے حالات کا جو نقشہ کھینچا ہے تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ اس وقت مدینہ پر بلوائی چھائے ہوئے تھے اور ہر طرف انہی کا عمل دخل تھا۔ وہ جو چاہتے کرتے کسی کو ان کے خلاف عملی اقدام تو درکنار لب کشائی کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اگر امیرالمومنین اس وقت قصاص کے لئے قدم اٹھاتے تو ایسا نہ تھا کہ وہ چپکے سے تلوار کے آگے سر خم کر دیتے اور کوئی مزاحمت نہ کرتے بلکہ وہ پوری قوت و طاقت سے مقابلہ کرتے اور خونی ہنگامہ برپا ہوتا کہ مدینہ کے کوچہ و بازار لاشوں سے پٹ جاتے۔ آخر وہ اتنے کمزور نہ تھے کہ باآسانی ان پر قابو پا لیا جاتا۔ اگر وہ اتنے ہی کمزور ہوتے تو محاصرہ کے دنوں میں یہی طالبان قصاص اہل مدینہ کے تعاون سے انہیں روکتے قتل سے مانع ہوتے اور اگر باز نہ آتے تو ان سے جنگ کرتے مگر اس وقت تو ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور گھروں کے گوشوں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ اور جب حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے تو حضرت پر قصاص کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا حالانکہ ان بلوائیوں کی قوت و طاقت اور ان کے مقابلہ میں اپنی کمزوری و بے بسی کے یہ خود معترف تھے۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے حضرت کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا اور حضرت عائشہ نے یہ رائے دی کہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہیئے کیونکہ قاتلان عثمان مدینہ ہی میں ہیں تو طلحہ و زبیر اور دوسرے لوگوں نے کہا۔

یا ام المومنین دعی المدینة فان من معنا لا یقرنون لتلک انموغا التی بها و اشخصی معنا الی البصرة (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص ۴)

"اے ام المومنین مدینہ کا ارادہ ترک کیجئے اس لئے کہ وہ لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں ان بلوائیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو مدینہ میں ہیں آپ ہمارے ہمراہ بصرہ چلئے۔"

جب یہ لوگ سامان جنگ اور فوجی طاقت کے ہوتے ہوئے مدینہ میں جنگ نہیں چھیڑتے

اور عذر یہ کرتے ہیں کہ بلوائیوں کے مقابلہ کی قوت و طاقت اپنے اندر نہیں پاتے اور اگر یہی عذر حضرت پیش کریں تو اس کے تسلیم کرنے میں پس و پیش کیوں۔ اگر ان لوگوں کا مقصد قصاص ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قاتلین کو مدینہ میں چھوڑ کر بصرہ کا رخ کرتے ان کا مقصد تو قصاص کی آڑ میں حضرت کے خلاف محاذ جنگ قائم کرنا تھا تاکہ حکومت کا تختہ الٹ کر اپنے اقتدار کی راہ ہموار کریں ورنہ یہ لوگ بھی سمجھتے تھے کہ آخر قصاص کس سے لیا جائے جبکہ حضرت عثمان کے قتل کی ذمہ داری ایک یا دو چار گنے چنے افراد پر عائد نہیں ہوتی بلکہ مدینہ، مصر اور کوفہ کے لوگ اس میں شریک تھے اور وہ صحابہ بھی اس میں ملوث تھے جنہوں نے خطوط لکھ لکھ کر بلوائیوں کو حضرت عثمان کے خلاف بھڑکایا تھا اور وہ مہاجرین و انصار اور صحابہ کبار بھی شامل تھے جنہوں نے بیرونی حملہ آوروں کی پشت پناہی کی تھی۔ اگر وہ ان کی حمایت و پشت پناہی نہ کرتے تو انہیں خلیفہ وقت کو محاصرہ میں لے کر قتل کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔

اب قصاص کی ایک صورت تو یہ تھی کہ ان تمام لوگوں کو جنہوں نے کسی نہ کسی صورت میں اس میں حصہ لیا تھا تہ تیغ کر دیا جاتا خواہ کوئی صحابی ہو یا تابعی مدنی ہو یا مصری، کوفی ہو یا بصری۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ بلوائیوں کی جماعت میں سے اصلی قاتلوں کا پتا چلایا جاتا اور انہیں قصاصاً" قتل کیا جاتا۔ پہلی صورت ممکن ہی نہ تھی اور نہ اس کا کوئی شرعی جواز تھا کہ ایک کے بدلے میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا اور دوسری صورت میں ضروری تھا کہ قاتلوں کی نشاندہی کی جاتی ان کے خلاف شہادتیں ہوتیں اور ثبوت جرم کے بعد انہیں قتل کیا جاتا مگر ان کے خلاف گواہی کی نوبت تو اس وقت آتی جب کوئی موقعۂ واردات پر موجود ہوتا۔ جو چند اموی حضرت عثمان کے گھر میں جمع تھے وہ تو حملہ کے وقت ادھر ادھر ہوگئے یا ام حبیبہ کے گھر میں جا چھپے اور جو رہ گئے وہ مارے گئے البتہ حضرت عثمان کی زوجہ نائلہ بنت فرافصہ موقع پر موجود تھیں تو وہ کسی کی نشاندہی نہ کر سکیں۔ چنانچہ امیرالمومنین نے قاتلوں کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا۔

لا ادری دخل علیه رجلان لا اعرفهما و معهما محمد ابن ابی بکر (صواعق محرقہ ص ۱۱۸)

Presented by www.ziyaraat.net/

مجھے معلوم نہیں ہے البتہ محمد ابن ابی بکر کے ساتھ دو آدمی اندر گھسے تھے میں ان دونوں کو نہیں پہچانتی۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قاتل زندہ موجود تھے اور ان پر قتل کا جرم بھی ثابت تھا پھر بھی اس امر کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا وجوہ تھے جن کی بنا پر وہ قتل ایسے سنگین جرم پر اتر آئے۔ یہ امر تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ قتل ہنگامی جذبات کا نتیجہ نہ تھا بلکہ مسلسل گفت و شنید اور باہمی مفاہمت کی ناکامی کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی۔ چنانچہ مختلف شہروں کے وفد حضرت عثمان کے ہاں آتے رہے عمال کی بے عنوانیاں ان کے گوشگزار ہوتی رہیں اور وہ ہر مرتبہ رفع شکایات کے وعدے کرتے رہے مگر یہ وعدے کسی منزل پر پورے نہ ہوئے جب انہیں وعدے یاد دلائے گئے اور عمال کی برطرفی پر زور دیا گیا تو یہ جواب دیا۔

ان کنت مستعملا من اردتم و عاز لا من کرھتم فلست فی شئ والامر امرکم (تاریخ کامل۔ ج ۳ ص ۸۶)

"جسے تم چاہو اسے میں عامل مقرر کروں اور جسے تم نہ چاہو اسے معزول کروں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ میں کوئی چیز ہی نہیں اور حکم چلتا تو تمہارا چلتا ہے۔"

اس پر ان لوگوں کو برہم ہونا ہی تھا انہوں نے بگڑ کر کہا کہ اگر مظالم کا ازالہ اور عمال کی برطرفی آپ کے بس کی بات نہیں ہے تو خلافت سے دستبردار ہو کر گھر میں بیٹھ جائے ہم اپ سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہم آخری قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ تم کس جرم کی پاداش میں مجھے قتل کرو گے۔ قتل سزا ہے ارتداد کی یا زنائے محصنہ کی یا قتل ناحق کی اور میں ان چیزوں میں سے کسی ایک کا بھی مرتکب نہیں ہوا انہوں نے کہا کہ جو زمین میں فساد پھیلائے یا باغیانہ قدم اٹھائے یا دوسروں کے حقوق میں حائل ہو کر قتال کرے ان کے لئے بھی کتاب اللہ میں قتل کا حکم ہے اور آپ ان تمام چیزوں کا مرتکب ہوئے ہیں آپ نے حکومت کے بل پر معزز ترین صحابہ کو پٹوایا انہیں خوفزدہ کیا اور دربدر پھرایا رعایا پر مظالم ڈھائے لوگوں کے حقوق پامال کئے اور حق کا مطالبہ کرنے والوں کے سروں پر تلواریں آویزاں کیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ لوگ جو تلواریں لئے آپ کے سینہ سپر

بنے ہوئے ہیں آپ کی مرضی کے خلاف لڑ بھڑ رہے ہیں تو وہ اسی لئے تو لڑ رہے ہیں کہ آپ مسند خلافت سنبھالے ہوئے ہیں اگر آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو ان کی تلواریں بھی کند ہو جائیں گی اور وہ اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ جائیں گے۔ حضرت عثمان سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور خاموشی کے ساتھ اندر چلے گئے۔

اس گفتگو سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے آخری قدم اس وقت اٹھایا جب حضرت عثمان پر حجت تمام کر دی اور یہ سمجھ لیا کہ قرآن و سنت کی رو سے ان کا قتل جائز ہے اور اس جواز کو تقویت ان صحابہ کے قول و عمل سے بھی حاصل ہوئی جو اس قتل کے جواز پر متفق تھے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ، طلحہ ابن عبید اللہ' زبیر ابن عوام' و عمرو ابن عاص اور دوسرے اکابر صحابہ قتل کے جواز کے فتوے دے رہے تھے۔ اگر جنگ جمل میں طلحہ و زبیر اور ام المومنین کے اقدام کو اجتہادی غلطی قرار دیا جاتا ہے تو اس موقع پر بھی ان کے اجتہاد کو تسلیم کر کے اسے کم از کم اجتہادی غلطی قرار دینا چاہئے۔ بہرحال ان لوگوں نے قرآنی شواہد پیش کرنے کے بعد یہ اقدام کیا اور بر بنائے تاویل قتل کے مرتکب ہوئے اور جو قتل تاویل کی بنا پر ہو اس میں شرعاً" قصاص کا جواز ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت علی نے عثمان کے قاتلین کو قتل نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ باغی تھے اور جو باغی ہوتا ہے وہ قوت و طاقت بھی رکھتا ہے اور اپنے اقدام کے جواز کی تاویل بھی۔ وہ لوگ حضرت عثمان کے قتل میں تاویل بھی رکھتے تھے اور حکومت سے ٹکراؤ کی قوت بھی اور حضرت عثمان کی ناپسندیدہ باتوں کی وجہ سے اس اقدام کو جائز و حلال سمجھتے تھے اور ایسے باغیوں کا حکم شرعی یہ ہے کہ جب وہ امام عادل کے مطیع ہو جائیں تو جو کچھ وہ پہلے اہل عدل کا نقصان کر چکے ہوں ان کا خون بہا چکے ہوں اور ان کے بدنوں کو مجروح کر چکے ہوں ان سے ان چیزوں کا مواخذہ نہیں ہو گا۔ لہٰذا حضرت علیؑ کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ انہیں قتل کریں یا قصاص طلب کرنے والوں کے حوالے کریں۔"

(سیرت امیرالمومنینؑ ۴۶۱ تا ۴۹۵)

Presented by www.ziyaraat.net/

جنگ جمل

جنگ جمل تاریخ اسلام کی وہ بلاخیز و ہلاکت آفریں جنگ ہے جو امیرالمومنین کے اوائل عہد حکومت میں خون عثمان کے نام پر لڑی گئی اس خونریز جنگ کے نتائج و عواقب اور تفریق بین المسلمین کی ذمہ داری بڑی حد تک حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر پر عائد ہوتی ہے جو حضرت عثمان کے خون کا قصاص لینے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے حالانکہ یہی لوگ ان کی زندگی میں ان کی سخت مخالفت کرتے اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رسول اللہ کی نعلین اور پیراہن مبارک کو حضرت عثمان کے سامنے رکھ کر برملا کہا کرتی تھیں کہ ابھی یہ چیزیں کہنہ بھی نہیں ہونے پائیں کہ تم نے رسول خدا کے دین اور ان کے سنن و احکام کو سرے سے بدل کر رکھ دیا ہے۔ حضرت عائشہ عوامی مزاج کے سمجھنے میں کافی درک رکھتی تھیں انہوں نے عوام کے جذبات بھڑکانے کا وہ طریقہ اختیار کیا جو موثر ترین ہوسکتا تھا وہ سمجھتی تھیں کہ لوگ پیغمبر سے والہانہ عقیدت کی بنا پر آپ کے جسم مبارک سے مس ہونے والے آثار کو دیکھنے کی انتہائی تڑپ رکھتے ہیں اور جب یہ چیزیں ان کی نگاہوں کے سامنے آئیں گی تو ان میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان چیزوں کو دیکھتے ہی لوگوں کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے قصر خلافت کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور جب حضرت عائشہ نے یہ دیکھا کہ محاصرین کی گرفت مضبوط ہوچکی ہے تو مروان ابن حکم، عبدالرحمٰن ابن عتاب اور زید ابن ثابت کے روکنے کے باوجود حضرت عثمان کو محاصرہ میں چھوڑ کر مکہ روانہ ہوگئیں اور دوران سفر میں بھی لوگوں کو ان کے خلاف کہتی سنتی اور برانگیختہ کرتی رہیں۔ چنانچہ جب مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر مقام صلصل میں پہنچیں تو ابن عباس سے جو امیرحج کی حیثیت سے مکہ جا رہے تھے پرزور الفاظ میں کہا۔

"اے ابن عباس تم کو گویائی و چرب زبانی کا جوہر عطا ہوا ہے میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم لوگوں کو اس شخص (عثمان) کی مدد سے روکو اور ان کے بارے میں لوگوں کو شک و شبہ میں ڈالو۔ یوں بھی لوگوں کی آنکھیں کھل چکی ہیں حقیقت کی راہ ہموار اور روشنی کا مینار بلند ہو چکا ہے لوگ مختلف شہروں سے فیصلہ کن امر کے لئے جمع ہو چکے ہیں آپ جانتے ہیں کہ طلحہ ابن

عبید اللہ بیت المال اور خزانے کی کنجیوں پر قابض ہو چکا ہے اگر خلافت اس کے سپرد کی گئی تو وہ قدم بقدم اپنے ابن عم ابوبکر کی سیرت پر چلے گا۔" (تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۳۴)

حضرت عائشہ حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی چھ سالوں تک تو ان کی خیر خواہی و ہمنوائی کرتی رہیں مگر اس کے بعد ان سے ان بن ہوگئی اور علانیہ مخالفت پر اتر آئیں۔ اس عناد و مخالفت کی وجہ بظاہر یہی نظر آتی ہے کہ حضرت عثمان نے ان کا وہ وظیفہ جو انہیں سابقہ حکومت کی طرف سے ملتا تھا کم کر دیا تھا۔ چنانچہ مورخ یعقوبی نے تحریر کیا ہے۔

حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کے درمیان نفرت کی خلیج حائل تھی اور انہوں نے وہ وظیفہ جو انہیں حضرت عمر دیا کرتے تھے کم کر دیا اور رسول خدا کی دوسری بیویوں کے برابر انہیں دینا شروع کر دیا۔"

حضرت عثمان اور ان کے عمال کی آمرانہ روش کی وجہ سے فضا کچھ تو پہلے ہی ان کے خلاف تھی کہ حضرت عائشہ کی اشتعال انگیز باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

آتشم تیز است و داماں مے زنم

اس مخالفت نے زور پکڑ لیا اور لوگ ان کے خلاف سرگرم عمل ہوگئے خصوصاً طلحہ ابن عبید اللہ اور ان کا قبیلہ بنی تیم اس مخالفت میں پیش پیش تھا۔ طلحہ نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے اور ان کے قتل کے اسباب فراہم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بلاذری نے تحریر کیا ہے۔

"اصحاب نبی میں طلحہ سے بڑھ کر حضرت عثمان پر سخت گیر کوئی نہ تھا۔" (انساب الاشراف۔ ج ۱۔ ص ۱۱۳)

چنانچہ انہی نے محاصرہ کے دنوں میں لوگوں کو ان تک پانی پہنچانے سے منع کیا انہی نے رات کے اندھیرے میں ان کے گھر پر تیر برسائے اور لوگوں کو ان کے خلاف مشتعل کیا اور گھیرا ڈالنے والوں کے سرگروہ اور بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابی عبدالرحمٰن ابن عدیس کو تاکید کی کہ وہ کسی کو ان کے گھر کے اندر جانے اور باہر نکلنے کی اجازت نہ دے۔ حضرت عثمان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے کہا۔

Presented by www.ziyaraat.net/

"خدایا مجھے طلحہ ابن عبید اللہ کے شر سے بچائے رکھ اسی نے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا ہے اور میرے گرد گھیرا ڈلوایا ہے۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳ ص ۴۱۱)

طلحہ کا یہ رویہ حضرت عثمان کی زندگی تک نہ تھا بلکہ ان کے قتل کے بعد بھی ان کی روش میں فرق نہ آیا اور ان کی نعش پر اور تجہیز و تدفین کرنے والوں پر پتھر برسوائے اور جنۃ البقیع میں دفن ہونے سے مانع ہوئے۔

اسی طرح زبیر جن کے گھر میں حضرت عائشہ کی ہمشیرہ اسماء تھیں محاصرہ کے دنوں میں لوگوں کو یہ کہتے سنے گئے۔

"عثمان کو قتل کر دو اس نے تو تمہارا دین ہی بدل ڈالا ہے" (شرح ابن ابی الحدید۔ ج ۲۔ ص ۴۰۴)

انہی لوگوں نے حضرت عثمان کے قتل کی بنیاد رکھی اور ان کے خلاف ایسی فضا پیدا کر دی جس کے نتیجہ میں وہ قتل کر دیئے گئے۔ اگر قتل عثمان جرم تھا تو ان لوگوں کو اس جرم سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اعانت جرم بھی جرم ہوتی ہے۔ اگرچہ ام المومنین قتل عثمان کے موقع پر مدینہ میں موجود نہ تھیں مگر انہوں نے مدینہ قتل عثمان سے صرف بیس دن پہلے چھوڑا تھا جبکہ انہیں اپنے لگائے ہوئے پودے کے بار آور ہونے کا یقین ہوگیا تھا۔ اس موقع پر روانگی کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ مدینہ کی شورش و ہنگامہ آرائی سے انہیں بے تعلق سمجھا جائے۔ اور جب وہ قتل ہو جائیں تو طلحہ یا زبیر کو برسراقتدار لا کر اس مالی نقصان کی جو انہیں موجودہ حکومت سے پہنچا تھا تلافی کر لیں مگر حضرت عائشہ اپنے منصوبہ میں کامیاب نہ ہوسکیں اور اہل مدینہ نے ان کی عدم موجودگی میں حضرت علیؑ کی خلافت کا فیصلہ کر لیا۔

طلحہ و زبیر حضرت عمر کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے نامزد رکن تھے اور اس رکنیت کی وجہ سے اپنے ذہن کو خلافت کے تصور سے خالی نہیں رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ قتل عثمان کے سلسلہ میں تگ و دو اسی مقصد کے حصول کے لئے تھی۔ مگر جب یہ دیکھا کہ لوگ حضرت علیؑ کی خلافت پر مصر ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کی بیعت پر رضامند نہیں ہیں اور نہ ان کے سوا کوئی دوسرا ان کے معیار پر پورا اترتا ہے تو انہوں نے رائے عامہ کا رخ دیکھ کر بیعت میں پیش قدمی کی اطاعت و

سرافگندگی کا اظہار کرتے ہوئے بیعت کر لی۔ اگر انہیں برسراقتدار آنے کی کچھ بھی گنجائش نظر آتی تو وہ ہاتھ پیر مارتے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتے مگر عصمت بی بی از بے چادری انہیں چپ سادھنا پڑی اور چپ کے سوا چارہ ہی کیا تھا کیونکہ اس وقت دو گروہوں میں سے ایک گروہ کی پشت پناہی ضروری تھی اور انہیں کسی ایک گروہ کی بھی حمایت حاصل نہ تھی۔ ایک گروہ وہ جو حضرت عثمان کے عادات و اطوار اور ان کے طرز عمل سے نالاں تھا اور ایک وہ جو ان سے وابستگی کی بنا پر ان کا دوست و ہمنوا تھا۔ وہ گروہ جو ان کے طرز عمل کا شکوہ سنج تھا وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی برسراقتدار لانا نہ چاہتا تھا اس لئے کہ ان کے طور طریقے بھی وہی تھے جن طور طریقوں کی وجہ سے لوگ حضرت عثمان کے خلاف ہوگئے تھے اور انہیں اپنا رویہ بدلنے یا خلافت سے دستبردار ہونے پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان اگر دولت کی جمع آوری کی طرف مائل تھے تو انہیں بھی زہد و قناعت سے کوئی ربط اور سادگی و سادہ معاشرت سے کوئی واسطہ نہ تھا بلکہ دولت کے بے پناہ ذخائر کے باوجود حرص و آز کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دولت پر دولت سمیٹتے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ طلحہ نے عراق و سراۃ میں کثیر جائیدادیں پیدا کیں کوفہ و بصرہ میں محلات تعمیر کئے اور بے شمار دولت ترکہ میں چھوڑ گئے۔ ابن عبدربہ نے تحریر کیا ہے۔

"جب طلحہ ابن عبید اللہ مارے گئے تو ان کے ترکہ میں پوری پوری کھال کے بنے ہوئے تین سو تھیلے پائے گئے جن میں سونا اور چاندی بھری ہوئی تھی۔" (عقد الفرید۔ ج ۲۔ ص ۱۰۳)

زبیر ابن عوام بھی اپنے دور میں امیر الامراء اور عظیم سرمایہ دار تھے چنانچہ ذہبی نے تحریر کیا ہے ان کے ہاں ایک ہزار غلام تھے جو انہیں خراج ادا کرتے تھے۔ (ج ۲ ص ۱۵۴) انہوں نے اسکندریہ مصر، بصرہ اور کوفہ میں قصر تعمیر کئے اور غلاموں، کنیزوں اور اونٹ گھوڑوں کے علاوہ ان کی سینت سینت کی رکھی ہوئی دولت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی وصیت کے مطابق ایک تہائی ان کے پوتے کو دینے کے بعد۔

"ان کی چاروں بیویوں میں سے ہر ایک کو گیارہ گیارہ لاکھ ملا جو آٹھویں حصہ کی ایک چوتھائی تھا۔" (عقد افرید۔ ج ۳۔ ص ۱۰۴)

اب رہا دوسرا گروہ جو حضرت عثمان کا ہوا خیر خواہ تھا تو وہ ان دونوں کو قتل عثمان کے سلسلہ

Presented by www.ziyaraat.net/

میں نمایاں کردار ادا کرنے کی وجہ سے مسند خلافت پر نہ دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ طلحہ نے حضرت عثمان کی زندگی ہی میں بیت المال کی کنجیوں پر قبضہ کر کے خلافت کی تمہید بٹھالی تھی مگر نہ انہیں کامیابی نصیب ہوئی اور نہ زبیر کو۔

جب مسند اقتدار کو خالی کروانے کے باوجود انہیں مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو جزوی اقتدار کی طرف رخ کیا اور بیعت کے دوسرے ہی دن حضرت سے یہ مطالبہ کر دیا کہ انہیں کوفہ و بصرہ کی امارت دے دی جائے اور بیعت میں پیش قدمی کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس طرح حضرت کو ممنون احسان کر کے حکومت میں کوئی امتیازی عہدہ حاصل کر لیں مگر حضرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ مملکت کے ان علاقوں کو جو حکومت کے محاصل کا سرچشمہ تھے ان کی بڑھتی ہوئی حرص و ہوس کی آماجگاہ بننے دیں۔ چنانچہ آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں تمہارے معاملہ میں جو بہتر سمجھوں گا وہ کروں گا فی الحال تو دونوں کا مرکز میں میرے قریب رہنا زیادہ بہتر ہے۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ چونکہ انہیں کوفہ و بصرہ میں اثر و نفوذ حاصل ہے اور انہی کی بھاگ دوڑ سے وہاں کے لوگ مرکزی حکومت میں انقلاب لانے کیلئے جمع ہوئے تھے اس لئے حضرت ان کے اثر و رسوخ کو دیکھتے ہوئے بلا تامل انہیں کوفہ و بصرہ کی حکومت کا پروانہ دے دیں گے اور رکن شوریٰ ہونے کی وجہ سے وہ اسے اپنا جائز حق بھی سمجھتے تھے مگر انہیں یا یاس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا اور انہوں نیا سمجھ لیا کہ اس حکومت میں نہ انہیں من مانی کرنے کا موقع ملے گا ور نہ وہ خصوصی مراعات حاصل ہوگی جو سابقہ حکومتوں میں حاصل تھی۔ اب انہوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے غیر آئینی خطوط پر سوچنا شروع کر دیا اور اپنی نگاہوں کا رخ حضرت عائشہ کی نقل و حرکت کی طرف موڑ دیا تاکہ ان کے عزائم کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل ترتیب دیں۔

حضرت عائشہ یہ چاہتی تھیں کہ حضرت عثمان کے قتل کے بعد طلحہ کو برسر اقتدار لائیں اور اس طرح خلافت کو مستقل طور پر اپنے قبیلہ بنی تیم میں منتقل کر دیں اس لئے وہ مکہ میں قیام کے بعد بلوائیوں کی یورش کا نتیجہ سننے کے لئے بے چین رہتی تھیں۔ اس اثنا میں مدینہ سے اخضر نامی ایک شخص مکہ آیا۔ حضرت عائشہ نے اسے بلوا کر پوچھا کہ مدینہ کی شورش انگیزی کا کیا نتیجہ ہوا اس نے کہا کہ حضرت عثمان نے مصر کے بلوائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ہنگامہ و

شورش پر قابو پالیا ہے۔ حضرت عائشہ تو دوسرے ہی قسم کے تصورات کی پخت و پز میں مصروف تھیں کہ اس خبر نے ان کے خیالات کا شیرازہ درہم و برہم کر دیا اور انہوں نے تاسف آمیز لہجہ میں کہا۔

"اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ کیا ان لوگوں کو قتل کر ڈالا ہے جو اپنا حق مانگنے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کیلئے آئے تھے۔ خدا کی قسم ہم اس پر راضی نہیں ہیں۔" (تاریخ طبری۔ج ۳ ص ۴۶۸)

ابھی وہ افسردگی و دل شکستگی کی حالت میں تھیں کہ ایک دوسرے شخص نے آکر بتایا کہ اخضر کی دی ہوئی اطلاع غلط ہے مصریوں میں سے کوئی نہیں مارا گیا وہ مدینہ میں کھلے بندوں دندناتے پھر رہے ہیں بلکہ حضرت عثمان ان کے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ یہ سن کرام المومنین کو ایک گو نہ اطمینان ہوا اور کہنے لگیں۔

"خدا اسے اپنی رحمت سے دور رکھیں یہ اس کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور خدا تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔" (شرح ابن ابی الحدید۔ ج ۲ ص ۷۷)

اب مکہ میں قیام کے بجائے مدینہ جانا ان کے لئے ضروری ہوگیا تاکہ اپنے اثر و نفوذ سے مخالف رایوں کو دبا کر جسے برسر اقتدار لانا چاہتی تھیں اس کے لئے فضا ساز گار بنائیں۔ چنانچہ فوراً سفر کا ساز و ساماں کیا اور مدینہ روانہ ہوگئیں۔ ابھی مکہ سے چھ میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ مقام سرف پر عبید ابن ابی سلمہ سے مڈ بھڑ ہوگئی۔ آپ نے حضرت عثمان اور مدینہ کے سیاسی اوضاع کے بارے میں اس سے دریافت کیا اس نے کہا کہ حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے ہیں۔ کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہا کہ اہل مدینہ نے حضرت علیؑ کی بیعت کر لی ہے۔ سننے کو تو یہ سن لیا مگر زمین پیروں تلے سے کھسکتی اور آسمان دھواں بن کر اڑتا نظر آنے لگا کانوں کو یقین نہ آیا تو پھر پوچھا کہ کیا علیؑ کی بیعت ہوگئی؟ کہا کہ ہاں علی کی بیعت ہو چکی اور ان سے زیادہ اس مسند پر بیٹھنے کا سزاوار تھا بھی کون۔ اب حضرت عائشہ کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔

"اگر علی کی بیعت ہوگئی ہے تو کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ پڑے اب مجھے مکہ واپس جانے

Presented by www.ziyaraat.net/

دو۔" (تاریخ کامل ۔ج ۳۔ص ۱۰۵)

چنانچہ انہی قدموں پر مکہ کا رخ کر لیا اور قتل عثمان پر اپنے رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے ہیں خدا کی قسم میں ان کے خون کا انتقام لے کر رہوں گی۔" (تاریخ کامل۔ ج ۳۔ ص ۱۰۵)

عبید ابن ابی سلمہ اس فوری انقلاب اور متضاد طرز عمل کو دیکھ کر حیرت میں کھو گیا اور آگے بڑھ کر کہا کہ آپ تو عثمان کے بارے میں علانیہ اور بار بار کہا کرتی تھیں کہ "اس نعثل کو قتل کر ڈالو یہ کافر ہوگیا ہے۔" (تاریخ کامل۔ج ۳۔ ص ۱۰۵)

اور اب ایک دم آپ کی رائے میں تبدیلی کیسے آگئی؟ کہا کہ ہاں میں پہلے یہی کہا کرتی تھی اور میں کیا سب ہی یہ کہا کرتے تھے۔ مگر انہوں نے آخر وقت میں توبہ کر لی تھی اب میری یہ رائے پہلی رائے سے زیادہ صائب ہے۔

حضرت عائشہ کے اس عذر کی بھی ایک ہی رہی کہ حضرت عثمان نے توبہ کر لی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب تک حضرت عائشہ مدینہ میں موجود رہیں اس وقت تک تو توبہ نہیں کی تھی ورنہ انہیں محاصرہ میں بلوائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر مکہ میں نہ آتیں۔ اور مکہ میں قتل عثمان کی خبر ملنے پر بھی اس توبہ کا علم حاصل نہ ہو سکا تھا ورنہ اس قتل پر اظہار اطمینان نہ کیا جاتا۔ پھر مکہ سے وادی سرف تک کی مختصر مسافت اور مختصر مدت میں بھی کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے انہوں نے توبہ کا علم حاصل کیا ۔ پھر یک لخت امیرالمومنین کی خبر خلافت سن کر حضرت عثمان کی مظلومیت بھی یاد آگئی اور توبہ کا علم بھی ہوگیا۔ آخر وہ کون سے ذرائع یا کون سے قرائین تھے جن سے انہیں توبہ کا علم ہوا جبکہ آخر وقت تک تمام معاملات جوں کے توں رہے اور ان میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لوگوں کی شکایتوں کا سلسلہ ویسے ہی رہا نہ مظلوموں کو ختم کیا گیا اور نہ شکایات کا ازالہ ہوا۔ اور اگر دفع الوقتی کیلئے وعدہ کیا بھی تو وہ آخر وقت تک شرمندہ ایفا نہ ہوا۔ جب ان کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی پیدا ہی نہیں ہوئی تو توبہ کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ آخر محاصرین کا مطالبہ بھی تو یہی تھا کہ وہ اپنی حرکتوں سے توبہ کریں اپنی روش بدلیں مظالم کو ختم کریں

یا خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر وہ مظالم کے ختم کرنے کا اقدام کر چکے ہوتے تو ان کے قتل کی نوبت ہی کیوں آتی۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ اس تبدیلی کا کوئی معقول عذر پیش نہ کر سکیں تو توبہ کی بات بنائی اور لے دے کے یہی ایک بات تو بنائی جاسکتی تھی۔ مگر وہ اس بات سے عبید ابن ابی سلمہ کو مطمئن نہ کر سکیں۔ چنانچہ عبید نے صاف صاف کہہ دیا۔ "اے ام المومنین قسم بخدا یہ بالکل بودا عذر ہے۔" (کتاب الامامتہ والسیاستہ۔ ج ا۔ ص ۵۲)

حضرت عائشہ جلد از جلد مکہ پہنچ جانا چاہتی تھیں انہوں نے عبید کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور آگے بڑھ گئیں۔ جب مکہ میں داخل ہوئیں تو لوگوں نے کہا کہ اے عائشہ ابھی تو آپ روانہ ہوئی تھیں کہ پلٹ بھی آئیں۔ کہا کہ عثمان بے گناہ مارے گئے ہیں میں ان کا خون رائیگاں نہیں جانے دوں گی اور اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گی جب تک ان کے خون کا انتقام نہ لے لوں گی لوگ ان کی موجودہ اور سابقہ روش کے تضاد پر نظر کرتے ہوئے حیران ہوئے مگر کچھ کہنے کی بجائے خاموش ہوگئے۔

حضرت عائشہ نے یہاں آتے ہی عثمان کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ کر حضرت علیؑ کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کر لیا۔ جب طلحہ و زبیر کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ مکہ میں عثمان کی مظلومیت کا پرچار کر رہی ہیں علیؑ کو ان کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرا رہی ہیں تو انہوں نے عبداللہ ابن زبیر کو چند خطوط دے کر حضرت عائشہ کے پس مکہ بھیجا اور ان پر زور دیا کہ وہ لوگوں کو عثمان کے بے گناہ مارے جانے کا یقین دلا کر انتقام کی تحریک چلائیں اور جس طرح بن پڑے انہیں علیؑ کی بیعت سے روکیں۔ ان پیغامات نے ان کے ارادہ کو اور تقویت دی اور انہوں نے پورے زور و شور سے قصاص عثمان کے نام پر لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دی۔ سب سے پہلے عبداللہ ابن عامر حضرمی نے جو حضرت عثمان کی طرف سے والی مکہ تھا اس آواز پر لبیک کہی اور سعید ابن عاصؓ ولید ابن عقبہ اور دوسرے اموی ان کے ہمنوا بن کر کھڑے ہوگئے۔

طلحہ و زبیر قصاص کی آڑ میں ہنگامہ کھڑا کر کے اپنی محرومی و ناکامی کا بدلہ لینا چاہتے تھے لیکن مدینہ کی فضا اس ہنگامہ آرائی کے لئے سازگار نہ تھی کہ وہ انتقام کی آواز پر انہیں اپنے گرد جمع کر لینے میں کامیاب ہو جاتے۔ البتہ مکہ میں یہ تحریک کامیاب ہوسکتی تھی کیونکہ حضرت عائشہ سابق

Presented by www.ziyaraat.net/

والی مکہ عبداللہ ابن عامر مروان ابن حکم اور مدینہ سے نکل کھڑے ہونے والے بنی امیہ یہاں پر جمع تھے اور لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف کرنے میں پیہم مصروف تھے اور ایک طبقہ کو اپنا ہمنوا بنا بھی چکے تھے۔ چنانچہ ان دونوں نے چار مہینے جوں توں کرکے مدینہ میں گزارے اور پھر اپنی مہم کی تکمیل کیلئے مکہ جانے کا فیصلہ کرلیا اور حضرت سے کہا کہ ہمارا ارادہ عمرہ کا ہے ہمیں مکہ جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ ان کے تیوروں کو دیکھ کر سمجھ رہے تھے۔ کہ وہ بیعت کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر مکہ کو اپنی جولانیوں کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم ان کا ارادہ عمرہ کا نہیں ہے بلکہ عذر و فریب پر اتر آئے ہیں۔" (تاریخ یعقوبی۔ ج ۲۔ ص ۱۵۶)

امیرالمومنین مکہ جانے کا خیال ان کے ذہنوں سے نکال دینا چاہتے تھے مگر یہ خیال ان کے ذہنوں سے نہ نکلا اور وہ برابر اصرار کرتے رہے۔ آخر حضرت نے ان سے دوبارہ بیعت لے کر انہیں مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ ان دونوں نے مکہ پہنچ کر حضرت عثمان کے خون کی ذمہ داری حضرت پر عائد کرکے حضرت عائشہ کے موقف کی تائید کی اور ان کی جماعت کے سرگرم رکن بن گئے۔

اس موقع پر ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں خیال پیدا ہو کہ جب حضرت یہ سمجھتے تھے کہ ان کا مقصد بیعت توڑ کر ہنگامہ آرائی کرنا ہے تو انہیں مکہ جانے کی اجازت ہی کیوں دی اس طرح تو حضرت نے خود اپنے خلاف حریف کو صف آرائی کا موقع دیا۔ اگر انہیں اجازت نہ دی جاتی تو وہ نہ فوج کشی کرکے ملک کے نظم و نسق کو درہم و برہم کرتی نہ انتشار و بدامنی پھیلاتی اور نہ بصرہ کی خونریز جنگ کی نوبت آتی۔ مگر جب اس صورت کے علاوہ دوسری متبادل صورتوں کو دیکھا جاتا ہے تو پھر یہی ایک صورت قابل عمل اور تقاضائے وقت کے مطابق نظر آتی ہے ان متبادل صورتوں میں سے ایک صورت تو یہ تھی کہ پیش بندی کرتے ہوئے انہیں پابند مسکن کر دیتے اور کہیں آنے جانے سے روک دیتے۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ من و عن ان کا مطالبہ تسلیم کرکے انہیں کوفہ و بصرہ کی امارت سپرد کر دیتے۔ مگر یہ دونوں صورتیں ناقابل عمل تھیں۔ پہلی صورت کہ حضرت انہیں محصور یا نظر بند کر دیتے تو یہ اقدام سزا قبل جرم اور فکر و عمل کی

آزادی کے سلب کرنے کے مترادف ہوتا اور یہ دونوں چیزیں نہ اسلام کے مزاج سے سازگار تھیں اور نہ امیرالمومنین کی سیرت سے ہم آہنگ۔ پھر یہ کہ انہی ایام میں بنی امیہ کے وہ افراد جو کہیں آجا سکتے تھے کچھ مکہ چلے گئے اور کچھ شام روانہ ہوگئے۔ مگر حضرت نے نہ ان کی نقل و حرکت پر کوئی پہرا بٹھایا اور نہ انہیں مدینہ چھوڑ کر جانے سے منع کیا۔ اب اگر ان دونوں کو روک لیتے تو یقیناً" ان کے ہمنوا چیخ اٹھتے اور اس کے خلاف آواز اٹھاتے کہ حضرت نے دوسروں کو جہاں وہ جانا چاہتے تھے جانے دیا اور ان دو بزرگ صحابیوں اور مجلس شوریٰ کے ممتاز رکنوں پر جو بظاہر بے گناہ ہیں قدغن لگا دی ہے اور اپنی حراست میں لے لیا ہے۔ مصلحت اندیشی کا تقاضا یہی تھا کہ انہیں روک کر اہل مدینہ اور ان کے ہمنواؤں کی مخالفت مول نہ لی جاتی خصوصاً" ان حالات میں کہ ابھی حکومت کسی مضبوط بنیاد پر استوار نہیں ہوئی اور امیر شام ایسا ہوشیار و عیار حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی فکر میں ہے بے شک ظاہری مصالح کا لحاظ اس مقام پر جہاں اسلام کے کسی حکم سے تصادم ہوتا ہو درست نہیں ہے مگر جہاں قانون اسلام کی پابندی کے ساتھ کوئی مصلحت بھی کار فرما ہو تو اسے ملحوظ رکھنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ رہی دوسری صورت کہ حضرت انہیں کوفہ و بصرہ کی امارت سونپ دیتے آخر کسی نہ کسی کو وہاں کی حکومت سپرد کرنا ہی تھی مگر حضرت ان دونوں چہروں کے اتار چڑھاؤ سے سمجھ رہے تھے کہ انہیں نہ آپ کے زیر اقتدار رہنا پسند ہے اور نہ آپ کی اطاعت ہی گوارا ہے اس لئے کہ جو حکومت کا خود متوقع ہوتا ہے اسے دوسرے کی جسے بزعم خود اپنے ہی درجہ کا سمجھتا ہو اطاعت شاق گزرا ہی کرتی ہے۔ اس صورت میں اگر انہیں بصرہ و کوفہ کی حکومت دے بھی دی جاتی جب بھی وہ اس جزوی اقتدار پر قناعت کرکے مرکزی حکومت کے تابع رہنا پسند نہ کرتے خصوصاً" جبکہ زبیر کہ اہل کوفہ کی اور طلحہ کو اہل بصرہ کی پشت پناہی بھی حاصل تھی اور وہ انہیں بحیثیت خلیفہ پوری مملکت پر فرمانروا دیکھنا چاہتے تھے اور اس کا اظہار بھی کر چکے تھے۔ ان حالات میں یہی ہوتا کہ وہ پاؤں جمانے کے بعد مرکز سے رشتہ توڑ لیتے ور اپنے زیر اثر عوام کے تعاون سے مستقل حکومت قائم کرتے اس طرح کہ کوفہ پر زبیر کی حکومت ہوتی اور بصرہ اور اس کے مضافات پر طلحہ کا اقتدار ہوتا اور شام میں معاویہ کا پرچم پہلے ہی سے لہرا رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک ہی ریاست میں قبائلی طرز کی متعدد

Presented by www.ziyaraat.net/

حکومتیں قائم ہو جاتیں مرکزیت لامرکزیت میں بدل جاتی ہر طرف طوائف الملوکی پھیل جاتی اور اسلامی ریاست اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی کہ ان پاشان و پریشان ٹکڑوں کو یکجا کرنا مشکل ہو جاتا۔ اب ایک یہی صورت رہ جاتی ہے کہ جہاں وہ جانا چاہتے تھے انہیں جانا دیا جائے اور اس اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ حکومت کے خلاف کوئی غلط اقدام اٹھائیں تو اس کے نتائج کی ذمہ داری انہی پر عائد ہو اور ان کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی عمل میں آئے تو حکومت کو مورد الزام قرار نہ دیا جاسکے۔

غرض یہ لوگ ایک لگے بندھے منصوبہ کے ماتحت مکہ میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ گئے اور بنی ہاشم اور خصوصا" حضرت علیؑ پر قتل عثمان کا الزام عائد کر کے باقاعدہ قصاص کی مہم شروع کر دی۔ اس مہم کو روبکار لانے کیلئے سرمایہ کی بھی ضرورت تھی اس کا حل یوں نکل آیا کہ بصرہ کا معزول حاکم عبداللہ ابن عامر ابن کریز بیت المال کی جمع جتھالے کر مکہ پہنچ گیا اور یمن سے یعلی ابن امیہ چھ لاکھ درہم اور چھ سو اونٹ اپنے ساتھ لایا اور یہ تمام سرمایہ جنگی اخراجات کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ ابو الفداء نے تحریر کیا ہے۔

"یعلی تمام پونجی سمیٹ کر نکل کھڑا ہوا اور مکہ پہنچ کر حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کے ساتھ ہوگیا اور وہ مال ان کی تحویل میں دے دیا۔" (تاریخ ابوالفداء۔ ج ا۔ ص ۱۷۲)

اہل مکہ سے بھی سرمایہ فراہم کیا گیا اور مالی لحاظ سے مطمئن ہوگئے۔ جب یہ ابتدائی انتظامات مکمل ہوگئے تو حصرت عائشہ کی رہائش گاہ پر باہمی صلاح و مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ جنگ کا مسئلہ تو طے شدہ تھا البتہ محاذ جنگ کا ابھی کوئی تصفیہ نہ ہوا تھا۔ حضرت عائشہ کی رائے تھی کہ مدینہ کو محاصرہ میں لے کر جنگ چھیڑ دی جائے مگر اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا کہ بلوائیوں کے ہوتے ہوئے اہل مدینہ سے نمٹنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اور کچھ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ شام جانا چاہئے۔ اس پر ابن عامر نے کہا

شام میں معاویہ کے ہوتے ہوئے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" (تاریخ کامل۔ ج ۳۔ ص ۱۰۶)

شامکو محاذ جنگ بنانے سے یہ امر بھی مانع تھا کہ معاویہ جنہوں نے حضرت عثمان کے ماتحت

ہوتے ہوئے ان کی مدد سے گریز کیا ہو وہ ان لوگوں کی مدد پر کیوں آمادہ ہوتے اور جنہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت پر آمادگی ظاہر نہ کی ہو وہ ان کی کامیابی کے بعد طلحہ یا زبیر کی خلافت بلاچون و چرا کس طرح تسلیم کر لیتے۔ بیشک معاویہ ان کے ہمنوا تھے مگر اسی حد تک جس حد تک امیرالمومنین کو اقتدار سے الگ کرنے کا تعلق تھا۔ مگر اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد طلحہ زبیر کی خلافت کو تسلیم کر لینا ان کی اقتدار پسند طبیعت سے ناممکن تھا۔ آخر بصرہ کے معزول حاکم عبداللہ ابن عامر کے کہنے سے بصرہ پر اتفاق رائے ہوگیا۔ بصرہ کو محاذ جنگ قرار دینے میں جہاں یہ مصلحت کار فرما تھی کہ وہاں پر ان کی ہمنوا و ہم خیال کثرت سے موجود ہیں جو جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے وہاں یہ فائدہ بھی نظر آرہا تھا کہ حجاز کی ایک سمت شام واقع ہے اور دوسری سمت عراق اگر بصرہ کو محاذ جنگ بنا کر عراق پر تسلط قائم کر لیا گیا تو حجاز ان دو مخالف طاقتوں میں گھر کر رہ جائے گا جس کے بعد امیرالمومنینؑ کی سپاہ کو بآسانی شکست دے کر اقتدار پر قبضہ کیا جاسکتا ہے یا ان دو طاقتوں کے زیر اثر رکھا جاسکتا ہے۔

اس تجویز سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کے پیش نظر خون عثمان کا قصاص نہ تھا۔ اگر ان کا مقصد قصاص ہوتا تو بصرہ پر دھاوا کرنے کے بجائے مدینہ پر حملہ آور ہوتے جہاں یہ حادثہ رونما ہوا تھا اور جہاں اس حادثہ کے ذمہ دار افراد موجود تھے۔ اور بصرہ میں نہ حضرت عثمان کا کوئی قاتل تھا اور نہ وہاں کے باشندے ان کے مقصد میں حائل تھے کہ انہیں راہ سے ہٹانا ضروری ہوتا۔ غرض محاذ جنگ کے تصفیہ کے بعد کوچ کی تیاری شروع ہوگئی۔ یعلی نے قبیلہ عرینہ کے ایک شخص سے چھو سو درہم میں ایک اونٹ خرید کر ام المومنین کی خدمت میں پیش کیا اور عمومی اعلان کیا کہ جس کے پاس سامان سفر ہتھیار اور سواری نہ ہو وہ آئے اسے تمام چیزیں مہیا کی جائیں گی۔ چنانچہ امیرالمومنین نے یعلی کے بارے میں فرمایا۔

"وہ میرے خلاف لڑنے کے لئے ہر شخص کو گھوڑا ہتھیار اور تیس تیس دینار دیتا تھا۔"

(تاریخ الاسلام ذہبی۔ ج ۲ ص ۱۴)

طلحہ و زبیر نے عبداللہ ابن عمر پر بھی زور دیا کہ وہ ان کی موافقت و ہمراہی اختیار کرے مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ۔

Presented by www.ziyaraat.net/

"عائشہ کے لئے ہودے میں بیٹھنے سے گھر میں ٹکنا اور تمہاری لئے بصرہ جانے سے مدینہ میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔" (الامامتہ والسیاستہ۔ ج ا۔ ص ٦١)

حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ اور دوسری امہات المومنین کو جو حج کے بعد مکہ میں قیام فرما تھیں اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی اور انہیں بھی اپنے ہمراہ جنگ میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ حضرت حفصہ تو بلا تامل تیار ہوگئیں مگر بقیہ ازواج پیغمبر نے انکار کر دیا۔ اور آخر عبداللہ ابن عمر کے منع کرنے سے حضرت حفصہ کو بھی رک جانا پڑا۔ ابن اثیر نے تحریر کیا ہے۔

"ازواج رسول حضرت عائشہ کے ہمراہ مدینہ جانے کا ارادہ رکھتی تھیں لیکن جب حضرت عائشہ کی رائے بدل گئی اور وہ بصرہ جانے پر آمادہ ہوئیں تو ازواج بنی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور حفصہ نے حضرت عائشہ کے ہمراہ جانا قبول کر لیا مگر ان کے بھائی عبداللہ ابن عمر نے انہیں روک دیا۔" (تاریخ کامل۔ ج ۳ ۔ ص ١٠٦)

حضرت حفصہ کی آمادگی خلاف توقع نہ تھی بلکہ انہیں آمادہ ہونا ہی چاہئے تھا اس لئے کہ ان کے اور حضرت عائشہ کے نظریات میں بڑی حد تک وحدت و ہم آہنگی پائی جاتی تھی نہ ان کی رایوں میں تضاد ہوسکتا تھا اور نہ ان کی طبعیتوں میں اختلاف۔ اور اسی اتحاد مذاق کی وجہ سے دونوں ایک ہی حزب و گروہ سے وابستہ سمجھی جاتی تھیں۔ چنانچہ محمد ابن اسماعیل بخاری نے تحریر کیا ہے۔

ازواج پیغمبر کے دو گروہ تھے ایک گروہ میں عائشہ حفصہ اور سودہ تھیں اور دوسرے گروہ میں ام سلمہ اور بقیہ ازواج رسول تھیں۔" (صحیح بخاری۔ ج ۲ ص۔ ۵۹)

حضرت ام سلمہ کی تمام ہمدردیاں حضرت علیؑ کے ساتھ تھیں جب حضرت عائشہ نے انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی تو وہ حضرت کے خلاف کوئی بات سننا بھی گوارا نہ کر سکتی تھیں چہ جائیکہ حضرت کے خلاف قدم اٹھاتیں۔ انہوں نے حضرت عائشہ کے اس اقدام کی سخت مخالفت کی اور انہیں اس ارادہ سے باز رکھنے کیلئے تحریر کیا۔

"اگر رسول اللہ یہ جانتے کہ عورتیں جہاد کا بار اٹھا سکتی ہیں تو وہ تمہیں حکم دے جاتے کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ تمہیں دینی معاملات میں تجاوز سے منع فرما گئے تھے وہ جانتے

تھے کہ اگر دین کا ستون جھک جائے تو وہ عورتوں کے ذریعہ تھم نہیں سکتا اور اگر اس میں شگاف پڑ جائے تو عورتوں کے ذریعہ اس کی درستی و اصلاح نہیں ہوسکتی۔ عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں اپنے دامن کو سمیٹیں اور تعلقات محدود رکھیں۔ اگر رسول اللہ تمہیں ان صحراؤں میں اونٹ دوڑاتے ہوئے ایک چشمہ سے دوسری چشمہ تک جاتے ہوئے دیکھ پائیں تو تم انہیں کیا جواب دوگی۔ کل تمہیں رسول اللہ کے سامنے جانا ہی ہوگا۔ خدا کی قسم اگر مجھ سے کہا گیا کہ اے ام سلمہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو اگر میں نے اس حجاب کو توڑ ڈالا ہو جس کا مجھے پابند بنا گئے تھے تو مجھے پیغمبر کا سامنا کرتے ہوئے شرم آئے گی لہٰذا تم پردہ کی پابند اور گھر کی چار دیواری میں بند رہو۔" (عقد الفرید۔ ج ۳ ص۔ ۹۹)

حضرت عائشہ نے جناب ام سلمہ کی نصیحت آموز تحریر سے اثر لینے کے بجائے یہ جواب دیا کہ دو متحارب گروہوں میں صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کیلئے جا رہی ہوں اور فضا کو پر امن رکھنے کیلئے یہ اقدام ناگزیر ہے۔ حضرت عائشہ کا یہ جواب دفع الوقتی کیلئے تھا ورنہ یہ حقیقت ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے کہ وہ اس نزاع میں خود ایک فریق کی حیثیت رکھتی تھیں اگر وہ گھر میں بیٹھی رہتیں اور لاؤ لشکر جمع کر کے بصرہ کا رخ نہ کرتیں تو دو فریق پیدا ہی نہ ہوتے اور نہ ان میں جنگ و قتال کی نوبت آتی اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ دو مخالف گروہوں کے درمیان صلح و صفائی کا مقصد لے کر بصرہ جانے پر تیار ہوئی تھیں تو اس کیلئے سامان حرب و ضرب اور لشکر گراں کے جمع کرنے کی ضروت ہی کیا تھی۔

حضرت عائشہ سات سو کی جمعیت کے ساتھ جو اس وقت تک، ان کے پرچم کے نیچے جمع ہوچکی تھی بصرہ کی سمت روانہ ہوگئیں راستے میں اور لوگ بھی کچھ بے سوچ سمجھے اور کچھ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر ساتھ ہوتے گئے اور لشکر کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ جب یہ لشکر ذات عرق میں پہنچا جہاں سے بصرہ کی راہ لینا تھی توسعید ابن عاص نے مروان اور اس کے چند مخصوص ہمنواؤں سے تنہائی میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ کدھر منہ اٹھائے چلے جا رہے ہیں اور ہمارا اس دشت پیمائی سے مقصد و مدعا کیا ہے۔ مروان نے کہا کہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم بصرہ جا رہے ہیں اور مقصد قاتلان عثمان سے انتقام لینا ہے۔

Presented by www.ziyaraat.net/

"عثمان کے قاتل (طلحہ و زبیر) تمہارے ساتھ اونٹوں پر سوار ہیں انہیں قتل کر دو اور اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور ناحق ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص ۴۷۲)

مروان نے کہا کہ اب گھروں کو کس منہ سے جائیں ہمیں بصرہ جانا ہی ہوگا تاکہ تمام قاتلان عثمان سے انتقام لے سکیں۔ سعید ان سے گفتگو کرنے کے بعد طلحہ و زبیر کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ اگر تم نے یہ جنگ جیت لی اور مقصد میں کامیاب ہوگئے تو مسند خلافت پر کسے بٹھاؤ گے کہا کہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ہم دونوں میں سے جسے لوگ منتخب کر لیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ سعید نے کہا کہ جب تم قصاص عثمان کے لئے گھر سے نکلے ہو تو تمہیں عثمان کے بیٹوں میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہئے اور ان کے دونوں بیٹے ابان اور ولید لشکر میں موجود بھی ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم خون عثمان کے قصاص کا لبادہ اوڑھ کر اپنے لئے اقتدار کی راہ ہموار کرنے کیلئے نکلے تھے۔ طلحہ و زبیر دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"کیا ہم سن رسیدہ مہاجرین کو چھوڑ کر ان کے لڑکے بالوں کو خلیفہ بنائیں۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳ ص ۴۷۲)

سعید سمجھ گیا کہ یہ لوگ قصاص طلبی کیلئے نہیں نکلے بلکہ یہ سارا ہڑبونگ حکومت و اقتدار کے لئے ہے۔ چنانچہ وہ ان سے الگ ہوگیا اور اس کے ساتھ عبداللہ ابن خالد، مغیرہ ابن شعبہ اور قبیلہ بنی ثقیف کے لوگ بھی علیحدہ ہو کر طائف کی طرف چلے گئے اور باقی لشکر منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔ اثنائے سفر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حضرت عائشہ کے عزم و ارادہ کو وقتی طور پر متزلزل کر دیا اور وہ یہ کہ جب لشکر ایک چشمہ پر جو ایک عورت حواب بنت کلب ابن وبرہ کے نام پر حواب کہلاتا تھا شب بسری کے لئے فروکش ہوا تو حضرت عائشہ نے ایک سمت سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں یہ کوئی انوکھی اور غیر معمولی بات نہ تھی مگر حضرت عائشہ کے ذہن میں کچھ الجھن سی پیدا ہوئی۔ پاس ہی ساربان کھڑا تھا اس سے پوچھ لیا کہ یہ کون سا مقام ہے اس نے کہا کہ یہ حواب ہے۔ حواب کا نام سننا تھا کہ دہشت و خوف سے لرز اٹھیں اور چیخ چیخ کر کہنے لگیں۔

"مجھے واپس جانے دو مجھے واپس جانے دو خدا کی قسم میں ہی چشمہ حواب والی ہوں۔"

(تاریخ کامل۔ ج ۳ ص ۱۰۷)

طلحہ و زبیر اور ساتھ والوں کو اس ایک دم تبدیلی پر حیرت ہوئی۔ کہا کہ یہ مقام حواب ہے تو ہوا کرے آپ سراسیمہ و پریشان کیوں ہیں اور واپسی پر اصرار کس لئے ہے؟ کہا۔

"ایک مرتبہ رسول اللہ کی بیویاں آپ کے گرد جمع تھیں کہ میں نے آپ کو فرماتے سنا تم میں کون ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔" (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۷)

اب مجھے کوئی شک و شبہ نہیں رہا کہ اس سے میں ہی مراد تھی اور میری ہی طرف آنحضرت کا اشارہ تھا لہٰذا مجھے یہیں سے واپس چلا جانا چاہئے۔ جب ان کے ہمراہیوں نے کام بگڑتے دیکھا تو کہا کہ ساربان نے غلط کہا ہے یہ چشمہ حواب نہیں ہے۔ اور عبداللہ ابن زبیر نے اڑوس پڑوس سے پچاس آدمیوں کو جمع کر کے اور انہیں کچھ دے دلا کر اس پر گواہی بھی دلوا دی۔ امام شعبی کہتے ہیں۔

"یہ پہلی جھوٹی گواہی تھی جو اسلام میں دی گئی۔" (تذکرہ خواص الامہ ص ۳۹)

ابھی حضرت عائشہ ذہنی کش مکش اور تذبذب کے عالم میں تھیں کہ ایک طرف سے یہ شور سنائی دیا۔

"جلدی کرو جلدی کرو علی ابن ابی طالب تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں۔" (تاریخ کامل ج ۳ ص ۱۰۷)

اس آواز کے سنتے ہی لوگ افراتفری کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ام المومنین کے خیالات نے اس طرح پلٹا کھایا کہ نہ حواب یاد رہا اور نہ قول رسول بلکہ بجھے ہوئے جوش اور پژمردہ حوصلے میں پھر سے زندگی آگئی اور پورے جوش و خروش کے ساتھ لشکر کی قیادت کرتے ہوئے بصرہ کی سمت چل دیں۔

ادھر امیر المومنینؑ بغاوت شام کو فرو کرنے کی فکر میں تھے اور ایک لشکر ترتیب دے کر شام کی طرف حرکت کرنا چاہتے تھے کہ طلحہ و زبیر کی بیعت شکنی اور حضرت عائشہ کی لشکر کشی کی اطلاع مدینہ میں پہنچی حضرت کو طلحہ و زبیر کی طرف سے تو یہ اندیشہ تھا کہ وہ معاویہ سے ساز باز کرکے فتنہ و شر کو ہوا دیں گے۔ مگر حضرت عائشہ کی طرف سے یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ وہ

Presented by www.ziyaraat.net/

معرکہ آرائی کے لئے فوج کشی کریں گی اور خدا و رسول کے حکم کے خلاف گھر سے نکل کھڑی ہوں گی۔ مجبوراً" آپ کو شام کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا تاکہ پیش آیند صورت حال سے نمٹ سکیں۔

حضرت نے مدینہ کے سرکردہ اشخاص کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور فرمایا کہ تمہیں طلحہ و زبیر کے باغیانہ اقدام کا علم ہوچکا ہے تم میرا ساتھ دو تاکہ ان لوگوں کو بصرہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں روک لیا جائے۔ کچھ لوگ حضرت عائشہ او ر طلحہ و زبیر ایسی با اثر شخصیتوں کے مقابلہ میں کھڑے ہونے سے ہچکچانے لگے اور کچھ لوگوں نے جن میں سعد ابن ابی وقاص، اسامہ ابن زید، محمد ابن مسلمہ اور عبداللہ ابن عمر شامل تھے صاف انکار کر دیا البتہ ہیثیم ابن تیہان زیاد ابن حنظلہ ابو قتادہ انصاری وغیرہ نے حمایت حق کے جذبہ سے متاثر ہو کر بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور ابو قتادہ نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"یا امیر المومنینؑ یہ تلوار مجھے رسول اللہ نے باندھی تھی اور ایک عرصہ سے یہ نیام میں بند پڑی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ میں ان ظالموں کے خلاف اسے بے نیام کروں جو امت کو فریب دینے سے دریغ نہیں کر رہے۔" (تاریخ کامل ج ۳۔ ص ۱۱۳)

حضرت ام سلمہ نے اپنے فرزند عمر ابن ابی سلمہ کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور کہا۔

"میں اسے آپ کے سپرد کر دیتی ہوں یہ مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے یہ تمام معرکوں میں آپ کے ہمرکاب رہے گا یہاں تک کہ خداوند عالم وہ فیصلہ کرے جو وہ کرنے والا ہے۔ اگر رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی تو میں آپ کے ہمراہ جاتی جس طرح عائشہ، طلحہ و زبیر کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی ہیں۔" (انساب الاشراف ۔ ج ۱۔ ص ۴۳۰)

امیر المومنینؑ نے مدینہ میں سہل ابن حنیف انصاری کو اور مکہ میں قیثم ابن عباس کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور علیٰ اختلاف الروایۃ چھ سو سے ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ جس میں چار سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ تھے شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ جب مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام ربذہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ آگے جا چکے ہیں اور بصرہ سے ادھر دم نہیں لیں گے اب انہیں راستے میں روک لینے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا اور جنگ و قتال کے بغیر ان پر قابو پانا مشکل نظر آ رہا تھا۔ امیر المومنینؑ نے جنگ کے امکان کے پیش نظر

یاسر اور حجر ابن عدی کندی نے بھی لوگوں کو کہنا سننا شروع کیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اہل کوفہ نے کروٹ لی اور ہر طرف سے "سمعاً" و طاعۃً کی آوازیں آنے لگیں۔

جب کوفہ کی فضا سازگار ہوگئی تو مالک اشتر نے دار الامارہ کا رخ کیا اور اندر داخل ہو کر ابو موسیٰ کے غلاموں کو مار پیٹ کر باہر نکال دیا اور قصر پر قبضہ کر لیا۔ ابو موسیٰ کے غلام بھاگم بھاگ مسجد میں آئے اور ابو موسیٰ سے فریاد کی اشتر نے ہمیں ڈرا دھمکا کر دار الامارہ سے نکال باہر کیا ہے اور قصر پر قبضہ کر لیا ہے۔ ابو موسیٰ دوڑتا ہوا قصر کی طرف آیا اور اندر داخل ہونا چاہا مگر مالک نے اسے روک دیا اور بلند آواز سے کہا۔

اے ابو موسیٰ تمہاری ماں مرے ہمارے قصر سے باہر نکلو خدا تمہیں نکالے خدا کی قسم تم ہمیشہ منافقوں میں شامل رہے۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص ۵۰۱)

ابو موسیٰ نے گڑگڑا کر کہا کہ مجھے ایک رات کی مہلت دیجئے۔ کہا کہ تمہیں عشاء تک کی مہلت دی جاتی ہے اور رات کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے چاہا کہ دارالامارہ میں گھس کر اس کا مال و اسباب لوٹ لیں مگر مالک نے منع کیا اور کہا کہ تم اب اسے کچھ نہ کہو میں نے اسے نکل جانے کا حکم دے دیا ہے۔ لوگ ان کے کہنے سے رک گئے اور ابو موسیٰ رات کے اندھیرے میں قصر سے نکل کر کوفہ کے کسی گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور صبح ہوتے ہی شام کی طرف چل دیا۔ ادھر اہل کوفہ گروہ در گروہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو موسیٰ کے روکنے اور حضرت عائشہ کے خطوط لکھنے کے باوجود بارہ ہزار ایک شمشیر زن مقام ذیقار میں امیرالمومنین کے پرچم کے نیچے جمع ہوگئے۔

ابو موسیٰ کی ذہنی ساخت اور اس کے طرز عمل پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک طرف تو وہ مملکت کے ایک کلیدی عہدہ پر تاحال فائز اور دوسری طرف سربراہ مملکت کے دشمنوں اور ملکی تنظیم کی منتشر کرنے والوں کے ہاتھ مضبوط کرتا ہے۔ اگر وہ اپنی صوابدید میں اصحاب جمل سے جنگ کو ناجائز سمجھتا تھا تو اسے پہلے اپنے عہدہ سے خود ہی دستبردار ہو جانا چاہئے تھا اور پھر آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہئے تھا لیکن وہ مملکت کا عہدہ دار اور آئینی طور پر رئیس مملکت کے احکام کا پابند ہونے کے باوجود علانیہ سر تابی کرتا ہے اور دست تعاون بڑھانے کے بجائے امن

Presented by www.ziyaraat.net/

شکنوں کی حوصلہ افزائی کا سامان کرتا ہے۔ اس طرز عمل کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ در پردہ حضرت کے مخالفین سے ساز باز کئے ہوئے تھا اور کھلم کھلا مخالف جماعت میں شامل ہو کر عہدہ کو اپنے ہاتھ سے دینا نہ چاہتا تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ منصب پر باقی رہتے ہوئے فریق مخالف کی تقویت کا سامان کرتا اور اپنے منصبی تقاضوں کا کوئی پاس و لحاظ نہ کرتا اور اس پر مزید یہ کہ وہ جارحانہ اقدام کے مقابلہ میں اس دفاع و حفاظتی اقدام کو فتنہ سے تعبیر کرتا ہے اور حدیث پیغمبر کو اس پر چسپاں کرکے اپنے غلط موقف کا جواز ثابت کرتا ہے۔ آخر اس پر نظر کرنے کی ضرورت تھی کہ امیرالمومنین کے لئے اس کے سوا اور چارہ کار کیا تھا۔ کہ طلحہ و زبیر اور اس کے ہمراہیوں کو من مانی کرنے دیتے اور چپ سادھے رہتے اور ملک کے نظم و نسق کو درہم و برہم ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہتے اگر مملکت کے خلاف سازش کرنے اور اس کے نظم و ضبط کو تباہ کرنے والوں کے خلاف دفاعی فریضہ کی انجام دہی فتنہ ہے تو پھر ہر دفاعی جنگ کو فتنہ سے تعبیر کرنا چاہئے اور ان جنگوں کو بھی فتنہ قرار دینا چاہئے جو رسول اللہ کے بعد ان لوگوں سے لڑی گئیں جنہوں ے حاکم وقت کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اور ادائے زکواۃ سے مانع ہوئے تھے۔ آخر اس کا کیا جواز ہے کہ اس حدیث کا مورد صرف حضرت کے اس قدام کو قرار دیا جائے اور سابقہ جنگوں کو فتنہ کہنے سے گریز کیا جائے جبکہ قرب زمانے کے اعتبار سے فتنہ انہی پر زیادہ صادق آتا ہے اور امیرالمومنین کی یہ جنگ تو ان جنگوں میں سے ایک ہے جن کے لڑنے کی پیغمبر اکرمؐ نے انہیں ہدایت کی تھی ان مہموں میں سے ایک مہم ہے جنہیں سر کرنے پر انہیں مامور فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت ایوب انصاری کہتے ہیں۔

"رسول اللہ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ بیعت شکنوں (اصحاب جمل) بے راہروں (اصحاب صفین) اور بے دینوں (خوارج) سے جنگ کریں۔" (مستدرک حاکم۔ ج ۳۔ ص ۱۳۹)

اور پھر پیغمبر نے حضرت علیؑ کے اس اقدام کو ایک مظلوم و حق پرست کا اقدام اور اس کے مقابلہ میں زبیر کی جنگ کو ظالمانہ و جارحانہ قرار دیتے ہوئے بطور پیشن گوئی فرمایا تھا۔

"اے زبیر تم علی سے جنگ کروگے اور تم ان کے حق میں ظالم ہوگے۔" (تاریخ کامل ۔ ج ۳ ص ۱۲۲)

اور چشمہ حواب کے سلسلہ میں حضرت عائشہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"خبردار اے عائشہ کہیں وہ تم ہی نہ ہونا۔" (تاریخ یعقوبی ۔ ج ۳ ص ۱۵۷)

ان ارشادات پیغمبر کے علاوہ قرآن مجید میں بھی علم بغاوت بلند کرنے والوں کے خلاف واضح طور پر جنگ و قتال کا حکم آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے۔

اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں آمادہ جنگ و قتال ہوں تو ان میں صلح کراؤ اور اگر ان میں سے ایک دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو تم اس زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف پلٹ آئے۔"

ان نصوص کے ہوتے ہوئے پھر اسے فتنہ سے تعبیر کرنا عمداً" حق پوشی یا صریحاً کج ذہنی کا ثبوت مہیا کرنا ہے۔

بہر حال جب حضرت عائشہ کا لشکر چشمہ حواب سے آگے بڑھ کر چاہ ابو موسیٰ پر پہنچا اور حاکم بصرہ عثمان ابن حنیف کو اس لشکر گراں کی آمد کی اطلاع ملی تو انہون نے ابو الاسود دئلی اور عمران ابن حصین کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا کہ وہ ان سے بصرہ میں آنے کا سبب دریافت کریں۔ چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر ابو الاسود نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ اے مادر گرامی آپ کس مقصد سے یہاں تشریف لائی ہیں اور یہ فوج و سپاہ آپ کے ہمراہ کیوں ہے۔ کہا کہ میں خون عثمان کا انتقام لینے آئی ہوں جنہیں لوگوں نے بے جرم و خطا گھر کے اندر قتل کر ڈالا ہے۔ ابو الاسود نے کہا کہ بصرہ میں تو ان کا قاتل کوئی نہیں ہے کہا کہ یہ صحیح ہے مگر میں اہل بصرہ کے تعاون سے ان کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔ جو علی کے گروہ پیش جمع ہیں۔ ابو الاسود نے کہا کہ آپ حرم رسول خدا ہیں وہ آپ کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دے گئے تھے۔ آپ کو ان معرکہ آرائیوں سے کیا مطلب اور ان خونی ہنگاموں سے کیا سروکار یہ امر آپ کے شایان شان نہیں کہ آپ گھر کا گوشہ چھوڑ کر میدان کار زار گرم کرنے کیلیۓ نکل کھڑی ہوں۔ کہا کہ ہم سے دو بدو ہو کر لڑنے کی ہمت و جرأت کس کو ہوسکتی ہے۔ ابو الاسود نے کہا کہ ہم لڑیں گے اور دنیا دیکھے گی کہ اس طرح لڑا جاتا ہے۔

ام المومنین کا یہ یقین کہ ان کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کی جرأت کسی کو نہ ہوگی شائد

Presented by www.ziyaraat.net/

اس بنا پر ہو کہ حضرت علیؑ کے ہمرکاب تو وہی گنے چنے چند افراد ہوں گے جنہیں آپ مدینہ سے لے کر چلے ہوں گے اور کوفہ جہاں سے جنگجو افراد فراہم ہو سکتے ہیں ابو موسیٰ کے زیر اثر ہے اور اس کے ہوتے ہوئے وہاں سے عسکری امداد کے حاصل ہونے کا بظاہر امکان نہیں ہے اس صورت میں حضرت کی مختصر سپاہ ان کے لشکر گراں کے مقابلہ میں جم نہ سکے گی اور بن لڑے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گی یا اس بنا پر ہو کہ حرم رسول ہونے کی وجہ سے وہ انتہائی عزت و توقیر کی مستحق ہیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی قدر و منزلت اور عزت و احترام بھی ہے اس صورت میں کون ہوگا جو ان سے نبرد آزما اور بر سرپیکار ہوگا مگر انہوں نے جو سوچا تھا معاملہ اس کے برعکس ہوا اور اہل کوفہ جوق درجوق اٹھ کھڑے ہوئے اور امیرالمومنینؑ کی سپاہ میں شامل ہو کر پورے لشکر پر چھا گئے اور ابو موسیٰ منہ دیکھتا رہ گیا۔ البتہ دوسرا خیال کہ ان کی عزت و حرمت مقابلہ سے مانع ہوگی تو یہ خیال ایک حد تک درست ہوسکتا تھا۔ بشرطیکہ وہ خود اس احترام کا لحاظ رکھتیں اور گھر کا گوشہ چھوڑ کر فوج و سپاہ کے ساتھ نکل نہ کھڑی ہوتیں اور جب انہوں نے خود اپنے مرتبہ و مقام کا لحاظ نہ رکھا تو یہ توقع کیونکر رکھ سکتی تھیں کہ جو احترام انہیں گھر کے اندر رہنے کی صورت میں حاصل تھا وہ اب بھی باقی و برقرار رہے گا

ابو الاسود حضرت عائشہ سے گفتگو کرنے کے بعد طلحہ و زبیر کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی سوال کیا جو ام المومنین سے کر چکے تھے۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو ام المومنین دے چکی تھیں کہ ہمارے یہاں آنے کا مقصد خون عثمان کا قصاص ہے۔ ابوالاسود نے کہا کیا تم دونوں نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی کہا کی تو تھی مگر اس حالت میں کہ تلوار ہمارے سروں پر لٹک رہی تھی اور بیعت کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ ابوالاسود ان کے انداز گفتگو سے سمجھ گئے کہ وہ فتنہ و شورش پر آمادہ اور جنگ و قتال پر تلے ہوئے ہیں اور ان سے مزید گفتگو کا کوئی نتیجہ نہیں ہے انہوں نے پلٹ کر عثمان ابن حنیف کو ان لوگوں کے عزائم سے آگاہ کیا اور دفاعی انتظامات کو مظبوط تر کرنے کا مشورہ دیا۔ عثمان ابن حنیف نے اہل شہر کو مسجد میں جمع کر کے حکم دیا کہ وہ ہتھیار مہیا رکھیں اور دفاع کیلئے مستعد رہیں۔

ام المومنین کے لشکر نے چاہ ابو موسیٰ پر کچھ توقف کرنے کے بعد حرکت کی اور حدود بصرہ

میں داخل ہو کر مرید (اونٹوں کی منڈی) میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اہل شہر نے حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کے آنے کی خبر سنی تو چاروں طرف سے سمٹ کر مرید میں جمع ہو گئے اور اپنے اپنے خیال اور اپنے اپنے نظریئے کے مطابق تبصرے کرنے لگے۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ لوگ اگر کسی خوف و دہشت کی بنا پر اپنے گھروں سے نکلے ہیں تو یہ اس شہر سے آئے ہیں جہاں پرندوں تک کو امان حاصل ہے۔ اور اگر خون عثمان کے انتقام کے لئے آئے ہیں تو ہم ان کے قاتل نہیں ہیں۔ اے اہل بصرہ میری بات غور سے سنو اور انہیں یہیں سے واپس جانے پر مجبور کر دو۔ اس پر طلحہ و زبیر کے ہمنواؤں نے اس پر پتھر برسائے اور اسے خاموش کر دیا۔ جاریہ ابن قدامہ نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر حضرت عائشہ سے کہا۔

"اے ام المومنین آپ کا اس ملعون اونٹ پر بیٹھ کر ہتھیاروں کا نشانہ بننے کے لئے نکل کھڑا ہونا قتل عثمان سے بڑھ کر مصیبت ہے آپ کیلئے خدا کی طرف سے حجاب و احترام تھا مگر آپ نے اس پردے کو چاک کر ڈالا ہے اور اپنا احترام کھو دیا ہے۔ جو شخص آپ سے جنگ و قتال صحیح سمجھتا ہے وہ آپ کو قتل کرنے میں بھی باک نہیں کرے گا اگر آپ اپنی مرضی سے آئی ہیں تو اپنے گھر واپس جایئے اور اگر آپ کو مجبور کر کے لایا گیا ہے تو اس کے خلاف لوگوں سے مدد حاصل کیجئے۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص ۴۸۲)

ام المومنین نے ان باتوں کو قابل توجہ ہی نہ سمجھا چہ جائیکہ ان سے اثر لیتیں یا ان پر غور کرتیں انہوں نے تمام تر توجہ اپنی قوت بڑھانے اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے پر مرکوز کر دی تاکہ پوری توانائیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کر سکیں۔ اہل بصرہ کو ہمنوا بنانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کے یہ ذہن نشین کر دیا جائے کہ علی کی انگیخت پر عثمان قتل ہوئے ہیں اور چند شورش پسندوں کے بل پر انہوں نے خلافت پر قبضہ کیا ہے نہ انہیں اصحاب شوریٰ کا تعاون حاصل ہے اور نہ رائے عامہ کی تائید۔ چنانچہ ام المومنین اور طلحہ و زبیر نے عوام کو اس قسم کے تاثرات دینے کیلئے اس اجتماع سے خطاب کرنا چاہا اگرچہ چاروں طرف شور و غل مچا ہوا تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی تاہم لوگوں کو خاموش کرنے کی کوشش کی گئی اور طلحہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا "اے لوگو ہم عثمان کی خوشنودی کے دل و جان سے خواہاں تھے مگر چند بے وقوفوں نے

Presented by www.ziyaraat.net/

عقلمندوں کو مغلوب کر کے انہیں قتل کر دیا اب ہم ان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔" ابھی یہیں تک کہنے پائے تھے کہ لوگوں نے کہا کہ اے ابو محمد (طلحہ) تمہارے خطوط تو اس کے خلاف ہمارے پاس آتے رہے ہیں۔ طلحہ کوئی جواب نہ دے سکے اور خاموش ہوگئے اب زبیر کی نوبت آئی اور انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ میری طرف سے تو کوئی تحریر تمہارے پاس نہیں آئی۔ پھر انہوں نے قتل عثمان کے واقعات دہرائے اور امیر المومنینؑ کو مورد الزام قرار دیتے ہوئے ان پر سخت لب و لہجہ میں نکتہ چینی کی۔ اس پر قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص کھڑا ہوگیا۔ اس کے کھڑے ہونے پر پھر شور مچا۔ کچھ لوگوں نے اسے منع کرنا چاہا مگر اس نے شور و شغب اور مخالف آوازوں کی پروا کئے بغیر تقریر شروع کر دی۔ تمہید میں اس نے تینوں خلافتوں کا ذکر کیا اور پھر امیرالمومنینؑ کی خلافت کے متعلق کہا "کہ تم لوگوں نے ہم سے مشورہ کئے بغیر علی کی بیعت کر لی اور انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اب کیا بات ہوئی ہے کہ تم ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہو ہمیں بتاؤ تاکہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہو کر ان سے لڑیں۔ کیا انہوں نے مال غنیمت دبا لیا ہے یا کوئی خلاف شرع قدم اٹھایا ہے یا کوئی ایسا کام کیا ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ بتاؤ انہوں نے کیا کیا ہے تاکہ ہم بھی تمہارا ساتھ دیں۔ اگر یہ کچھ نہیں ہے تو پھر یہ شور و ہنگامہ بے معنی ہے۔" ابھی وہ یہیں تک کہنے پایا تھا کہ طلحہ و زبیر کے ساتھی اس کی طرف لپکے تاکہ اسے مار ڈالیں مگر اس کے قبیلہ والے آڑے آئے اور اسے بچا کر لے گئے۔ مگر دوسرے دن حضرت عائشہ کے آدمیوں نے حملہ کر کے اسے اور اس کے ستر ساتھیوں کو بے دریغ قتل کر دیا۔ مورخ طبری نے لکھا ہے۔

"دوسرے دن اس پر اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور ان کے ستر آدمی قتل کر دیئے۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص ۴۸۶)

ان تقریروں کے بعد حضرت عائشہ کی باری آئی انہوں نے بڑے ہمدردانہ لہجہ میں حضرت عثمان کی مظلومیت و بے گناہی کا تذکرہ کیا اور لوگوں کو ان کے انتقام پر ابھارا اور دوران تقریر میں کہا کہ انکے قاتلوں کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالو اور خلافت کا مسئلہ حضرت عمر کے منتخب کردہ ارکان شوریٰ کے سپرد کر دو اور جو قتل عثمان میں متہم ہو اسے شوریٰ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ ام المومنین کی یہ تجویز بڑی معنی خیز ہے۔ انہوں نے شوریٰ پر عمل پیرا ہونے کا مشورہ

دے کر بڑی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا اور خلافت کا رخ ادھر موڑ دیا۔ جدھر وہ موڑنا چاہتی تھیں اس طرح کہ اس وقت شوریٰ کے صرف چار رکن باقی تھے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام، سعد ابن ابی وقاص، طلحہ اور زبیر۔ حضرت علیؑ تو ان کے نزدیک خون عثمان میں متہم تھے لہٰذا انہیں شوریٰ میں شامل کئے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ رہے سعد ابن ابی وقاص تو وہ ان کے حصول مقصد میں حائل نہ ہو سکتے تھے اس لئے کہ حضرت عمر نے طریق انتخاب یہ تجویز کیا تھا کہ جدھر اکثریت ہو خلیفہ کا انتخاب اس میں سے ہوگا۔ طلحہ و زبیر میں کوئی بھی سعد کے حق میں رائے دینے کو تیار نہ تھا اس لئے کہ وہ دونوں خود خلافت کی آس لگائے بیٹھے تھے اور اسی کے لئے یہ ساری ہنگامہ آرائی تھی۔ اب سعد ہی کو ان دو میں سے ایک کا ساتھ دینا تھا اگر وہ طلحہ کا ساتھ دیتے تو وہ خلیفہ ہوتے اور زبیر کا ساتھ دیتے تو انہیں خلافت ملتی اور حضرت عائشہ کا مقصد دونوں طرح پورا ہوتا تھا اس لئے کہ وہ حضرت علیؑ کو اقتدار سے الگ کر کے خلافت کو انہی دو میں منحصر دیکھنا چاہتی تھیں۔

حضرت عائشہ کی اس تقریر کو مجمع نے بڑے سکون سے سنا مگر خاتمہ تقریر پر ہنگامہ سا کھڑا ہوگیا اور مختلف زبانوں سے مختلف آوازیں بلند ہونے لگیں کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت عائشہ صحیح کہتی ہیں اور کچھ لوگوں نے اس کے خلاف کہا۔ اور اہل بصرہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ طلحہ و زبیر کی حمایت پر اتر آیا اور ایک گروہ عثمان ابن حنیف کا ہمنوا ہوگیا اور ایک دوسرے پر ڈھیلے پھینکنے اور پتھر برسانے لگے البتہ ایک گروہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ کس کا ساتھ دے اور کس کا ساتھ نہ دے۔ غرض ان لوگوں کی آمد سے گھر گھر میں پھوٹ اور بھائی بھائی میں تفرقہ پڑ گیا۔

اب ان لوگوں نے دائرہ کار وسیع کرنے کے لئے مختلف جگہوں پر پیغامات بھیجے اور وہاں کے باشندوں سے تعاون کی خواستگاری کی۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے احنف ابن قیس کو جو قبیلہ بنی تمیم کا سردار اور ان اطراف کے سربر آوردہ لوگوں میں سے تھا اپنے ہاں بلوایا اور اس سے کہا کہ تم قاتلان عثمان کے خلاف جہاد سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہو کل اپنی کوتاہی کا کیا عذر کرو گے اور اللہ کو کیا جواب دو گے جبکہ تمہارے قبیلہ میں نہ افراد کی کمی ہے اور نہ تمہاری کوئی بات رد

Presented by www.ziyaraat.net/

کی جاتی ہے۔ احنفؑ نے کہا اے حضرت عائشہ ابھی کل کی بات ہے آپ ان پر لے دے کرتی تھیں اور انہیں مطعون کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور آج ان کا قصاص لینے کیلئے میدان میں اتر آئی ہیں۔ کہا کہ لوگوں نے انہیں اس طرح دھو ڈالا جس طرح برتن کو رگڑ رگڑ کر دھویا جاتا ہے۔ اور جب وہ گناہوں سے پاک صاف ہوگئے تو انہیں قتل کر ڈالا۔ احنف نے کہا۔

"اے حضرت عائشہ میں آپ کا وہ حکم تو مان سکتا ہوں جو آپ نے رضا مندی کی حالت میں دیا ہو اور وہ حکم ماننے کو تیار نہیں جو آپ نے غیظ و غضب کے عالم میں دیا ہو۔" (استیعاب۔ ج ۱۔ ص ۳۲۰)

احنف نے تو ان کی طرفداری سے دامن بچا لیا لیکن بصرہ والوں کی اکثریت ان کے ساتھ ہوگئی۔ اب انہوں نے چاہا کہ امیرالمومنینؑ کے وارد بصرہ ہونے سے پہلے بیت المال اور شہر کے نظم و نسق پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر کی طرف قدم بڑھایا۔ عثمان ابن حنیف بلا کسی پس و پیش کے شہر ان کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے انہوں نے راستوں کی ناکہ بندی کر کے جہاں تک ممکن تھا شہر کا تحفظ کر لیا۔ حملہ آور جس راستے سے بڑھتے عثمان کے ساتھی آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے اور انہیں آگے بڑھنے سے روک دیتے اور کچھ چھتوں پر سے پتھر پھینک کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے لیکن فوجوں کے بڑھتے ہوئے ریلے کو کب تک روکا جا سکتا تھا ان گنتی کے آدمیوں میں نہ مسلح فوج کے مقابلہ کی طاقت تھی اور نہ مقابلہ میں کامیابی کی کوئی صورت تھی۔ عثمان نے جب یہ دیکھا کہ شہر کو ان لوگوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تو وہ ایک دستہ فوج کو لے کر طلحہ و زبیر کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تمہارا مطالبہ کیا ہے اور یہ شورش و ہنگامہ آرائی کیوں ہے کہا کہ ہم خون عثمان کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔ کہا قصاص لینے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم خلافت کے لئے لڑ رہے ہیں۔ کہا کہ اگر ایسا ہو بھی تو علی ہم سے زیادہ خلافت کے اہل نہیں ہیں۔ آخر دونوں طرف سے بات بڑھنے لگی اور بڑھتے بڑھتے اس حد تک بڑھی کی فریقین نے تلواریں نکال لیں اور خونریز جنگ چھڑ گئی۔ جب دونوں طرف سے اچھے خاصے آدمی مارے گئے تو حضرت عائشہ نے امن پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ رکوا دی اور فریقین میں یہ معاہدہ طے پایا کہ جب تک امیرالمومنینؑ تشریف نہیں لے آتے

لڑائی بند کر دی جائے عثمان بدستور دار الامارہ میں رہیں اور حکومت کے انتظامی امور میں کوئی رد بدل نہ کیا جائے۔

اس معاہدہ کو طے پائے ابھی دو ہی دن گزرے تھے کہ ایک سرد و تاریک رات میں ان لوگوں نے عثمان پر شبخون مارا اور انہیں گرفتار کر کے چالیس کوڑے مارے اور ڈاڑھی بھووں اور پلکوں کے بال نوچ ڈالے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے۔

"ابھی دو تین دن گزرے ہوں گے کہ انہوں نے بیت الرزق کے نزدیک عثمان ابن حنیف پر حملہ کر دیا اور گرفتار کر کے چاہا کہ انہیں قتل کر دیں مگر اس خیال سے کہیں انصار غضبناک نہ ہو جائیں اقدام قتل سے ڈر گئے مگر ان کے سر ڈاڑھی اور بھووں کے بالوں کو اکھیڑ کر انہیں قید میں ڈال دیا۔" (تاریخ کامل۔ ج ۳ ص ۱۱۱)

جب عثمان ابن حنیف گرفتار کر کے قید میں ڈال دیئے گئے تو ان کے بارے میں حضرت عائشہ کا مشورہ لینا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان کے فرزند ابان کو ان کے ہاں بھیجا گیا تاکہ ان سے دریافت کرے کہ عثمان کو قید میں رہنے دیا جائے یا قتل کر دیا جائے حضرت عائشہ نے کہا کہ انہیں قتل کر دو ایک عورت نے یہ سنا تو چیخ کر کہا کہ اے عائشہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں ان پر رحم کیجئے اور انہیں قتل ہونے سے بچایئے آخر وہ رسول اللہ کے صحابی ہیں کہا کہ اچھا ابان کو بلاؤ۔ ابان پلٹ کر آیا تو کہا کہ انہیں قتل نہ کرو اور قید میں رہنے دو۔ ابان نے یہ دوسرا حکم سنا تو کہا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس لئے بلا رہی ہیں تو میں پلٹ کر نہ آتا۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص ۴۸۵)

حضرت عائشہ کے حکم سے عثمان تو ان کی خوں آشام تلواروں سے بچ گئے مگر ان کے ساتھیوں میں سے چالیس آدمی قتل کر دیئے گئے اس کشت و خون کے بعد انہوں نے بیت المال پر حملہ کیا اور بیت المال کے محافظ سپاہیوں کو جن کی تعداد پچاس تھی جکڑ باندھ لیا اور پھر انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا۔ حکیم ابن جبلہ کو جو بصرہ کی ایک ممتاز شخصیت تھے اس سفاکی و خونریزی اور عثمان پر ظلم و تشدد کی اطلاع ہوئی تو وہ تڑپ اٹھے اور کہا کہ اگر میں نے اس موقع پر

Presented by www.ziyaraat.net/

عثمان ابن حنیف کی مدد نہ کی تو گویا میں خوف خدا سے آشنا ہی نہیں ہوں۔ چنانچہ وہ بنی بکر اور بنی عبدی القیس کے تین سو آدمیوں کو لے کر مدینتہ الرزق کی طرف بڑھے جہاں عبداللہ ابن زبیر اپنے آدمیوں میں غلہ تقسیم کر رہا تھا اس نے حکیم کو آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر پوچھا کہ تم کیسے آئے ہو کہا کہ اس غلہ میں سے ہمارا حصہ ہمیں دیا جائے عثمان ابن حنیف کو رہا کیا جائے اور اس وقت تک انہیں دارالامارہ میں رہنے دیا جائے جب تک امیرالمومنینؑ یہاں تشریف فرما نہیں ہوتے۔ خدا کی قسم اگر ہمارے پاس یار و انصار ہوتے تو ہم اس خونریزی و غارت گری پر خاموش نہ رہتے اور ان لوگوں کا ضرور انتقام لیتے جنہیں تم لوگوں نے بے جرم و بے خطا قتل کر ڈالا ہے ابن زبیر نے کہا کہ ہم نے خون عثمان کا بدلہ لیا ہے۔ کہا کہ جن لوگوں کو تم نے قتل کیا ہے کیا وہ عثمان کے قاتل تھے تم لوگ اللہ کے غضب سے کیوں نہیں ڈرتے اور اس قتل و خونریزی کا سلسلہ کیوں نہیں روکتے کہا تم لاکھ چیخو چلاؤ نہ تمہیں اس میں سے کچھ دیا جائے گا اور نہ ابن حنیف کو رہا کیا جائے گا۔ اگر وہ علیؑ کی بیعت توڑ دیں تو انہیں رہا کیا جاسکتا ہے۔ حکیم نے یہ صورت حال دیکھی تو کہنے لگے "بار الہٰا تو حاکم عادل ہے تو ان لوگوں کے ظلم و جور پر گواہ رہنا۔" پھر اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مجھے ان لوگوں سے جنگ و قتال کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے جسے شک ہو وہ واپس چلا جائے۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳ ص ۴۹۱)

یہ کہہ کر حکیم نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور اپنے گنے چنے ساتھیوں کو لے کر میدان میں اتر آئے۔ ادھر وہ لوگ بھی شمشیر بکف اٹھ کھڑے ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور تلواریں تلواروں سے ٹکر کر خون برسانے لگیں۔ دوران جنگ میں ایک شخص نے حکیم کے پیر پر تلوار ماری اور اسے کاٹ دیا حکیم نے وہی کٹا ہوا پیر اٹھا کر اس زور سے اس کی طرف پھینکا کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا حکیم گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے اس کے قریب آئے اور اسے نیچے دبوچ کر اس پر بیٹھ گئے اور اس وقت تک الگ نہ ہوئے جب اس نے دم نہ توڑ دیا۔ حکیم جہاں تک ممکن تھا لڑتے رہے مگر ایک مختصر سا فوجی دستہ کہاں تک اس لشکر گراں کا مقابلہ کرتا آخر ایک ایک کرکے سب مارے گئے اور حکیم اور ان کے فرزند اشرف اور بھائی رعل ابن

جبلہ بھی اس جنگ میں کام آگئے۔ یہ جنگ جمل اصغر کے نام سے موسوم ہے۔ جو ۲۵ ربیع الثانی سن ۳۶ھ میں ہوئی۔

حکیم اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے بعد طلحہ و زبیر نے چاہا کہ عثمان کو بھی تہ تیغ کر دیں عثمان نے ان کے تیوروں سے بھانپ لیا کہ اب انہیں قتل کرنے کا اردہ ہے انہوں نے کہا کہا کہ اگر تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا تو یاد رکھو کہ میرا بھائی سہل ابن حنیف اس وقت حاکم مدینہ ہے وہ میرے خون کے بدلے میں وہاں تمہارے عزیزوں اور رشتہ داروں کو چن چن کر قتل کرے گا۔ انہوں نے یہ سنا تو اپنے عزیزوں کی جانوں کو خطرہ میں دیکھ کر انہیں چھوڑ دیا اور وہ جان بچا کر بصرہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مقام ذیقار میں امیرالمومنینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت نے عثمان ابن حنیف کی حالت زار دیکھی تو آبدیدہ ہوگئے اور ان سے بصرہ کے حالات اور اصحاب جمل کے مظالم کے واقعات سنے تو غیظ و غضب سے چہرہ سرخ ہوگیا اسی وقت لشکر کی صف بندی کی میمنہ و میسرہ ترتیب دیا۔ میمنہ پر عبداللہ ابن عباس کو میسرہ پر عمر ابن ابی سلمہ کو اور مقدمہ پر ابو یعلی ابن عمر کو امیر نامزد کیا علم لشکر محمد ابن حنیفہ کے سپرد فرمایا اور بصرہ کی جانب روانہ ہوگئے راستے میں قبیلہ عبد القیس کے ہاں کچھ دیر کے لئے قیام فرمایا یہ قبیلہ حضرت کا ارادتمند تو تھا ہی پیش آیند مہم کو دیکھ کر آپ کے لشکر میں شامل ہوگیا۔

جب امیرالمومنینؑ کا لشکر نواحی بصرہ میں پہنچا تو احنف ابن قیس جو قتل عثمان کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکا تھا حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ یا امیرالمومنینؑ میں دو باتیں پیش کرتا ہوں اگر حکم دیں تو میں آپ کے ہمرکاب رہ کر جنگ کروں یا چار ہزار تلواریں جو آپ کے خلاف کھنچی ہوئی ہیں انہیں روک دوں۔ حضرت نے دوسری تجویز مان لی اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔ اب حضرت بصرہ کی شمالی سمت بڑھے اور مقام زاویہ میں منزل کی اور چند خطوط اور مختلف قاصد طلحہ، و زبیر اور حضرت عائشہ کے پاس بھیجے اور انہیں حرب و پیکار اور خانہ جنگی سے باز رہنے کی ہدایت کی مگر یہ بات ان کے ذہنوں میں اتر نہ سکی کہ یوں تو تمام جنگیں تباہ کن ہوتی ہیں مگر خانہ جنگی تمام جنگوں سے زیادہ تباہ کن ہوتی ہے وہ سمجھانے بجھانے کے باوجود جنگ سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔ جب امیرالمومنینؑ کے قاصد مصالحت سے مایوس ہو کر پلٹ

Presented by www.ziyaraat.net/

آئے اور یہ امر واضح ہوگیا کہ وہ جنگ کے علاوہ کسی چیز پر رضا مند نہیں ہیں تو زادیہ سے قدم آگے بڑھایا او رقصر عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ امیر المومنینؑ کے لشکر کی تعداد بیس ہزار تھی اور طلحہ و زبیر نے بنی ازد' بنی ضبہ' بنی حنظلہ' بنی سلیم وغیرہ مختلف قبائل کو اپنا ہمنوا بنا کر ان سے قصاص کے نام پر بیعت لے لی تھی اور اس طرح ان کے لشکر کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ جب دونوں طرف کے لشکر میدان میں اتر آئے تو حضرت نے پھر انہیں جنگ کی تباہ کاریوں پر متنبہ کرتے ہوئے سمجھایا بجھایا مگر انہوں نے اپنی کثرت و قوت پر بھروسا کرتے ہوئے ان باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور انجام سے آنکھیں بند کرکے یالثارات عثمان کے نعرے لگاتے ہوئے صف بستہ کھڑے ہوگئے۔ حضرت نے بھی ان کی صفوں کے بالمقابل صفیں جما دیں اور اپنے لشکر کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا "جب تک دشمن ابتداء نہ کرے تم آگے نہ بڑھنا اور جب تک وہ حملہ نہ کرے تم وار نہ کرنا کسی بھاگنے والے کا راستہ نہ روکنا نہ کسی زخمی پر ہاتھ ڈالنا کسی صاحب عزت کی پردہ دری نہ کرنا نہ کسی کے ہاتھ پیر کاٹنا نہ کسی کی لاش کی بے حرمتی کرنا اور نہ کسی عورت کو گزند پہنچانا۔" جب لشکر کو یہ ہدایات دے چکے تو بے زرہ و سلاح گھوڑے پر سوار ہو کر صفوں سے باہر نکلے اور پکار کر کہا کہ زبیر کہاں ہے۔ زبیر پہلے تو سامنے آنے سے ہچکچائے اور پھر زرہ بکتر اور آلات حرب سے آراستہ ہو کر حضرت کے قریب آئے۔ آپ نے فرمایا اے زبیر بصرہ میں کیوں آئے ہو اور یہ خطرناک قدم کیوں اٹھایا ہے کہا خون عثمان کے قصاص کیلئے۔ فرمایا۔

"کیا مجھ سے خون عثمان کا قصاص چاہتے ہو حالانکہ تم نے انہیں قتل کیا۔ خدا اس پر موت ایسی ناگوار چیز کو مسلط کرے جو ہم میں سے ان پر زیادہ سختی و تشدد کو روا رکھتا تھا۔" (تاریخ طبری ۔ ج ۳۔ ص ۵۲۰)

زبیر اس کی تردید تو نہ کرسکے کہنے لگے۔

"ہم آپ کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے اور نہ آپ ہم سے زیادہ اس کے سزاوار ہیں۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳ ۔ ص ۵۱۹)

حضرت نے فرمایا کہ آج تو تم ہمیں خلافت کا اہل نہیں سمجھتے اور ہم تو تمہیں عبدالمطلب

ہی کی اولاد سمجھتے رہے ہیں یہاں تک کہ تمہارے ناہنجار بیٹے نے ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ڈلوا دی۔ اسے زبیر میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے رسول اللہ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ۔ **انک تقاتلنی و انت ظالم لی** (تاریخ الاسلام ذہبی ۔ج ۲۔ ص ۱۵۱)

"تم مجھ سے جنگ کروگے اور میرے حق میں ظالم ہوگے۔" زبیر نے پیغمبر اکرم کی یہ پیشینگوئی سنی تو کہا ہاں رسول اللہ نے فرمایا تو تھا۔ کہا پھر کیوں آئے ہو کہا بھول گیا تھا اس بھولی بسری بات کو سن کر اور یہ دیکھ کر کہ عمار یاسر امیر المومنینؑ کے لشکر میں موجود ہیں۔ جن کے بارے میں پیغمبرؐ نے فرمایا تھا "اے عمار تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا" جنگ سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کر لیا اور کہا کہ اب میں آپ سے نہیں لڑوں گا اور بن لڑے واپس چلا جاؤں گا۔ چنانچہ وہ مرجھائے ہوئے چہرے اور بجھے ہوئے دل کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اس وقت تک جو بھی قدم اٹھایا سوچ سمجھ کر اٹھایا۔ مگر اس جنگ میں نہ میری عقل کام کرتی ہے اور نہ میری بصیرت میرا ساتھ دیتی ہے لہٰذا میں علیؑ کے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لوں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو۔ عبد اللہ نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ فرزندان عبدالمطلب کی چمکتی ہوئی تلواریں' لہراتے ہوئے پھریرے اور موت کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر ڈر گئے ہیں۔ کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ علیؑ نے ایک بھولی ہوئی بات یاد دلا دی ہے اب میں یہاں سے چلا جانا چاہتا ہوں اور کسی صورت سے رک نہیں سکتا۔ یہ کہا اور میدان چھوڑ کر چل دیئے اور بصرہ سے سات فرسخ کے فاصلہ پر وادی السباع میں عمرو ابن جرموز کے ہاتھ سے مارے گئے اور امیر المومنینؑ کے اس قول کی تصدیق ہو گئی جو زبیر کے طلب قصاص کے جواب میں فرمایا تھا۔

زبیر کا یہ اقدام بجائے خود ایک ثبوت ہے کہ انہوں نے اپنے سابقہ موقف کو غلط سمجھا کیونکہ ان کا پہلا موقف صحیح ہو تو یہ دوسرا اقدام صحیح نہیں ہوسکتا اور اگر دوسرا اقدام درست تھا تو پہلا اقدام لامحالہ غلط ہوگا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ علیؑ سے جنگ کرنا بھی صحیح ہو اور ان کے مقابلہ میں جنگ سے گریز کرنا بھی درست ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبداللہ ابن زبیر نے ابن عباس پر طعن کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں نے حضرت عائشہ سے جنگ کی اور حواری رسول زبیر سے لڑے

Presented by www.ziyaraat.net/

تو انہوں نے زبیر کے اسی موقف کو سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ حقیقت امر تو یہ ہے کہ تمہارے والد بزرگوار حضرت عائشہ کو گھر سے نکال کر میدان میں لائے اور علیؑ کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے۔ میں تم سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ تم علیؑ کو مومن سمجھتے ہو یا (معاذ اللہ) کافر اگر مومن سمجھتے ہو تو تم ان سے جنگ لڑ کر گمراہ ہوئے اور اگر کافر سمجھتے ہو تو تمہارے والد (زبیر) گمراہ اور مستحق عذاب ٹھہرے اس لئے کہ انہوں نے ایک کافر کے مقابلہ میں جہاد سے منہ موڑا اور راہ فرار اختیار کی اب تمہاری مرضی جسے چاہو اسے گمراہ سمجھو۔

زبیر کے بعد حضرت نے چاہا کہ طلحہ پر بھی حجت تمام کر دیں۔ چنانچہ انہیں مخاطب کر کے کہا۔

"اے طلحہ تم رسول اللہ کی بیوی کو جنگ و قتال کیلئے لے آئے ہو اور اپنی بیوی کو گھر کے اندر پردہ میں چھوڑ آئے ہو کیا تم نے میری بیعت نہیں کی تھی؟" (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص ۵۲۰)

جب طلحہ پر اپنی بیعت کے ذریعہ اتمام حجت کر چکے تو آپ نے قرآن اپنے ہاتھوں میں لیا اور صفوں کا ایک چکر کاٹ کر بلند آواز سے کہا کہ تم میں کون ہے جو یہ قرآن لے کر صف اعداء کے سامنے جائے اور انہیں قرآن پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دے اور اسی کتاب کا واسطہ دے کر انہیں فتنہ انگیزی سے منع کرے۔ مگر یہ سمجھ لے کہ وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ کوفہ کے ایک جوان مسلم ابن عبداللہ مجاشعی نے کہا کہ میں جاؤں گا۔ حضرت کے تین مرتبہ کہنے پر جب مسلم کے سوا کوئی اور تیار نہ ہوا تو آپ نے اسے دعائے خیر دی اور قرآن اس کے حوالے کیا۔ وہ مصحف ہاتھوں پر اٹھائے مخالف صفوں کے سامنے آیا اور انہیں قرآن کے اوامر و نواہی یاد دلائے اور ان پر عمل کرنے کی دعوت دی مگر اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور کسی نے توجہ نہ کی۔ اتنے میں حضرت عائشہ کے ایک غلام نے تلوار سے حملہ کیا اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے۔ مسلم نے قرآن کو سینے سے لگایا اور تلوار کا وار کھا کر شہید ہوگیا اور قرآن بھی تیروں کی بوچھاڑ سے چھلنی ہوگیا۔ امیر المومنینؑ نے یہ اسلام سوز منظر دیکھا تو فرمایا۔

"اب ان لوگوں سے جنگ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔" (تاریخ طبری۔ ج ۳۔ ص

۵۲۲)

مسلم مجاشعی کی اس مجاہدانہ سرفروشی کے بعد عمار ابن یاسر دشمن کی صفوں کے قریب آئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہا "اے لوگو! تم نے اپنی عورتوں کو گھروں کے اندر پردے میں بٹھا رکھا ہے اور پیغمبر اکرمؐ کی بیوی کو تلواروں نیزوں اور بھالوں کے سامنے لے آئے ہو۔ تم خون عثمان کا انتقام لینے آئے ہو حالانکہ تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ عثمان کے قاتل کون تھے اور ان کے قتل کی ذمہ داری کن پر عائد ہوتی ہے۔" عمار اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ تیروں کی بوچھاڑ نے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ پلٹ کر حضرت سے کہا کہ یا امیر المومنینؑ اب کس بات کا انتظار ہے یہ لوگ جنگ کے علاوہ کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتے۔

امیر المومنینؑ کے صبر و سکوت اور صلح پسندانہ روش سے دشمن کے حوصلے بڑھ چکے تھے انہوں نے آپ کی صفوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ جانباز سپاہیوں کے سینے چھلنی ہوگئے اور زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر گرنے لگے۔ اس اثنا میں ایک شخص کو اٹھا کر حضرت کے سامنے لایا گیا جو تیروں سے چھلنی ہو کر جاں بحق ہو چکا تھا پھر ایک دوسرے شخص کو لایا گیا وہ بھی دشمن کے تیروں سے شہید ہو چکا تھا۔ پھر عبداللہ ابن بدیل اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو لائے جو تیر کھا کر دم توڑ چکا تھا۔ حضرت نے یہ کیفیت دیکھی تو پیشانی پر بل آیا تیور بدلے اور فرمایا **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیہِ رَاجِعُون**۔ اب میدان میں اترے بغیر کوئی چارہ نہ تھا حجت ہر طرح سے تمام ہوچکی تھی صلح کے آثار ختم ہوچکے تھے اور دشمن کی طرف سے پہل ہوچکی تھی آپ نے پیغمبر خدا کی زرہ ذات الفضول طلب فرمائی اور اسے زیب تن کیا سر پر سیاہ عمامہ باندھا ذوالفقار ہاتھ میں لی میمنہ کی قیادت مالک اشتر کے اور میسرہ کی کمان عمار یاسر کے سپرد کی رسول اللہ کا سیاہ علم عقاب محمد ابن حنفیہ کو دیا اور فرمایا بیٹا آگے بڑھو۔ محمد علم لے کر آگے بڑھے تو تیروں کی بوچھاڑ نے راستہ روکا حضرت نے آگے بڑھ کر علم محمد کے ہاتھ سے لے لیا ایک ہاتھ سے علم سنبھالا اور ایک ہاتھ تلوار کے قبضہ پر رکھا اور فوج مخالف پر ٹوٹ پڑے اور اس طرح لڑے کہ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر اور سروں کے انبار لگ گئے۔ جب لشکر کو تہ و بالا کر چکے تو پلٹ کر علم محمد ابن حنیفہ کو دیا انہوں نے بھی اس طرح مردانہ وار حملہ کیا کہ لاشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آنے لگیں۔

Presented by www.ziyaraat.net/

اس ہنگامہ دار و گیر میں مروان طلحہ کی تاک میں تھا کہ کسی طرح انہیں ختم کر کے خون عثمان کا انتقام لے کیونکہ قتل عثمان کی ایک حد تک ذمہ داری ان پر بھی عائد ہوتی تھی۔ اس انتقامی جذبہ کے علاوہ انہیں ٹھکانے لگانے میں ایک سیاسی مقصد بھی کار فرما تھا اور وہ یہ کہ مروان سمجھتا تھا کہ جب تک طلحہ و زبیر زندہ ہیں خلافت بنی امیہ کی طرف منتقل نہیں ہوسکتی البتہ ان دونوں کو ختم کرنے کے بعد اس کا امکان ہوسکتا ہے۔ زبیر تو محاذ جنگ سے جا چکے تھے اگر وہ میدان میں رہ جاتے تو بعید نہ تھا کہ مروان کے ترکش کا تیر انہیں بھی نشانہ بناتا۔ اس نے طلحہ کو ہلاک کرنے کا موقع ڈھونڈھ نکالا اور اپنے ایک غلام کی اوٹ لے کر زہر آلود تیر ان پر چلایا جو ان کی پنڈلی کو چیرتا ہوا گھوڑے کے شکم میں پیوست ہوگیا گھوڑا زخمی ہوکر بھاگ کھڑا ہوا اور ایک خرابہ میں جاکر رکا اور وہیں پر طلحہ نے دم توڑ دیا۔ ابن سعد تحریر کرتے ہیں۔

"جمل کے دن مروان ابن حکم نے طلحہ کو جو حضرت عائشہ کے پہلو میں کھڑے تھے تیر مارا جو ان کی پنڈلی پر لگا۔ پھر مراون نے کہا کہ خدا کی قسم تمہارے بعد مجھے قاتل عثمان کے ڈھونڈنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔" (طبقات۔ ج ۳۔ ص ۲۲۳)

طلحہ کے مارے جانے اور زبیر کے میدان خالی کر جانے سے اصحاب جمل کے نہ حوصلے پست ہوئے اور نہ ولولے سرد پڑے بلکہ استقلال و پامردی سے میدان میں جمے اور لڑنے مرنے پر تلے رہے اس لئے کہ وہ جنگ کا مرکزی کردار حضرت عائشہ کو سمجھتے تھے اور انہی سے ان کی عقیدتیں وابستہ تھیں۔ کوئی رہے یا جائے اس سے انہیں کوئی غرض نہ تھی۔ یہ عقیدت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ان کے اونٹ کی مینگنیاں اٹھا اٹھا کر ہاتھوں سے توڑتے انہیں سونگھتے اور کہتے کہ یہ ہماری مادر گرامی کے اونٹ کی مینگنیاں ہیں ان سے مشک و عنبر کی خوشبو آرہی ہے۔ وہ اونٹ کی حفاظت علم لشکر کی طرح کرتے اور ہمہ وقت اس کے گرد حصار باندھے کھڑے رہتے اگرچہ مہار پکڑنے پر ہاتھ کٹتے سینے چھدتے خون بہتے مگر ثابت قدم رہتے اور اپنی جگہ سے جنبش نہ کرتے حضرت عائشہ ہودج کے اندر سے مہار پکڑنے والوں کو کٹ کٹ کر گرتے دیکھتی تھیں اور ان کی ہمت افزائی کرتی تھیں اس ہمت افزائی کے نتیجہ میں جب بھی کوئی گرتا فوراً اس کی جگہ پر دوسرا آکھڑا ہوتا اور مہار اپنے ہاتھوں میں لے لیتا۔ ان مہار پکڑنے والوں میں زیادہ تر بنی ضبہ بنی ناجیہ بنی ازد اور قریش کے آدمی ہوتے تھے جو اپنی اپنی نوبت پر مہار پکڑتے رجز یہ اشعار پڑھتے اور بے جگری سے لڑتے ہوئے جان دے دیتے۔ یوں تو ان مہار پکڑنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے صرف قریش میں سے ستر آدمی مہار پکڑنے پر مارے گئے تھے مگر ان میں سے چند ایک کا ذکر تاریخ میں نمایاں ہے۔ ان میں سے ایک بصرہ کا قاضی کعب ابن سوار تھا اگرچہ وہ اس جنگ میں غیر جانبدار رہنا چاہتا تھا مگر طلحہ و زبیر نے حضرت عائشہ سے کہا کہ وہ اسے بلا کر یا خود اس کے ہاں جا کر اسے تعاون پر آمادہ کریں اس لئے کہ اگر کعب شریک نہ ہوا تو قبیلہ بنی ازد میں سے کوئی بھی ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ حضرت عائشہ نے کسی کے ہاتھ اسے بلوا بھیجا مگر وہ ٹال گیا۔ آخر حضرت عائشہ خود ان کے ہاں گئیں اور اسے آواز دی مگر وہ چپ سادھے بیٹھا رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ جواب کیوں نہیں دیتے کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں اس پر کعب نے دروازہ کھول دیا۔ حضرت عائشہ نے اسے شریک جنگ ہونے کے لئے کہا اس نے کچھ دیر پس و پیش کیا اور آخر ہتھیار ڈال دیئے اور حضرت عائشہ اسے میدان حرب و ضرب میں کھینچ لائیں۔ اس کی وجہ سے بنی ازد بھی شریک ہوگئے۔ کعب میدان جنگ میں گلے

Presented by www.ziyaraat.net/

میں قرآن حمائل کئے ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں مہار پکڑے کھڑا تھا کہ ایک نامعلوم سمت سے سنسناتا ہو تیر آیا جس نے اسے وہیں پر ٹھنڈا کر دیا۔

جب عرب کے مشہور شمشیرزن عمرو ابن یثری نے مہار پکڑی تو امیرالمومنینؑ کے لشکر سے ہند ابن عمرو اس سے لڑنے کے لئے نکلے۔ عمرو نے مہار اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دی اور مقابلہ کے لئے سامنے آیا کچھ دیر تک دونوں زور آزمائی کرتے رہے آخر ابن یثری غالب آیا اور ہند اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ہند کے بعد علباء ابن ہیثم اور زید ابن صوحان اس کے مقابلہ کے لئے نکلے اور دونوں اس کے ہاتھ سے شہید ہوگئے عمار ابن یاسر نے یہ دیکھا تو ان کی رگوں میں خون شجاعت جوش مارنے لگا لیف خرما کی رسی سے کمر کس کر باندھی ہتھیار سجے اور تلوار لے کر میدان کی طرف بڑھے۔ عمار نوے برس کے بوڑھے تھے اور حریف کے مقابلہ میں کمزور و ناتوان نظر آرہے تھے۔ لوگوں نے انہیں دیکھا تو کہا ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو پہلے جانے والوں کا ہوچکا ہے۔ ابن یثری نے انہیں جنگ کے ارادہ سے آتے دیکھا تو اونٹ کی مہار عمرو ابن بجرہ کے سپرد کی اور تیزی سے ان کی طرف لپکا اور قریب پہنچ کر تلوار کا بھرپور ہاتھ چلایا۔ عمار نے تلوار ڈھال پر روکی ڈھال کی ساخت کچھ اس قسم کی تھی کہ تلوار اس کی کڑیوں میں گڑ گئی اس نے جھٹکا دے کر اسے نکالنا چاہا تو عمار نے جھک کر اس کی ٹانگوں پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور بے بس ہوگیا۔ لوگ اسے اٹھا کر امیرالمومنینؑ کے سامنے لائے حضرت نے تینوں شہیدوں کے قصاص میں اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ عمرو ابن بجرہ نے جب دیکھا کہ ابن یثری مارا گیا ہے تو وہ مہار چھوڑ کر میدان میں نکل آیا ادھر سے ربیعہ عقیلی نکلے اور دونوں تلوار لے کر ایک دوسرے پر جھپٹے اور دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے۔

جب مہار دست بدست گردش کرتی ہوئی عوف ابن قطن صنبی کے ہاتھ میں آئی تو اس نے کہا کہ قتل عثمان کی ذمہ داری علیؑ اور ان کے بیٹوں پر عائد ہوتی ہے میں اس خون کا انتقام انہی سے لوں گا۔ چنانچہ یہ رجز پڑھا اور میدان میں نکل آیا۔

یا ام یا ام خلامنی الوطن ‏ ‏ ‏ لا ابتغی القبر ولا اغی ا لکفن

"اے ماں! اے ماں وطن مجھ سے چھوٹ گیا اب نہ مجھے قبر کی خواہش ہے نہ کفن کی

تمنا۔"

من ھٰھنا یحشر عوف ابن قطن ‏ ‏ ‏ ان فاتنا الیوم علی فالغبن!

"اسی مقام سے عوف ابن قطن کا حشر و نشر ہوگا۔ آج علیؑ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے تو یہ سراسر نقصان ہے۔

اوفاتنا ابناہ حسین و حسن ‏ ‏ ‏ اذن امت بطول ھم و حزن

یا ان کے دونوں بیٹے حسن و حسین ہمارے ہاتھ سے بچ گئے تو میں اسی رنج و غم سے مر جاؤں گا۔"

اس رجز کے بعد حملہ آور ہوا اور کچھ دیر لڑتا رہا آخر محمد ابن حنفیہ کی شمشیر شرربار اس کے سر پر چمکی اور وہ علی و فرزندان علی کو قتل کرنے کی حسرت دل میں لئے ہوئے اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

ان مہار پکڑنے والوں میں عبداللہ ابن ابزی بھی تھا اس نے پہلے مہار پکڑی اور پھر یہ رجز پڑھتا ہوا حضرت کی صفوں پر حملہ آور ہوا۔

اضربھم ولا اری ابا الحسن ‏ ‏ ‏ ھا ان ہذا حذن من الحذن!

میں ان پر تلوار چلاؤں گا اور ابوالحسن کو بھی نگاہ میں نہیں لاؤں گا۔ یہ جنگ ایک المناک حزینہ ہے۔

امیرالمومنینؑ نے آگے بڑھ کر اس پر نیزہ مارا اور فرمایا تمہیں ابوالحسن کو دیکھنے کی خواہش تھی کہو انہیں کیسا پایا اور نیزہ اسی کے سینہ میں گڑا رہنے دیا۔

اصحاب جمل میں کا ایک نامور سردار خباب ابن عمرو راسی یہ رجز پڑھتا ہوا مبارز طلب ہوا۔

اضربھم ولو اری علیا! ‏ ‏ ‏ عممتہ ابیض مشرفیا

"میں ان پر تلوار چلاؤں گا اور اگر میں نے علیؑ کو دیکھ لیا تو انہیں چمکتی ہوئی تیز دھار تلوار کی لپیٹ میں لے لوں گا۔"

مالک اشتر آگے بڑھے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

Presented by www.ziyaraat.net/

اس کے بعد عتاب ابن اسید جو اشراف قریش میں سے تھا یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔

انا ابن عتاب و سیفی ولول والموت عند الجمل المجلل

میں عتاب کا بیٹا ہوں میری تلوار کا نام ولول ہے اور میری موت اونٹ کے گرد و پیش ہے"۔

مالک اشتر نے حملہ کرکے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور یوں اس کی موت تو اونٹ کے قدموں میں ہوئی مگر اس کی تلوار جس پر اسے ناز تھا کسی کام نہ آئی۔

بصرہ کے ایک شہسوار عمرو ابن اشرف عتیکی نے ایک ہاتھ میں مہار پکڑی اور دوسرے ہاتھ میں تلوار جو اس کے قریب آتا اسے تلوار کی زد پر رکھ لیتا اور یہ رجز یہ اشعار پڑھتا۔

یا امنا یا خیر ام نعلم والام تغذو ولدھا و ترحم

اے ہماری ماں ہمارے علم میں آپ بہترین ماں ہیں ماں اپنے بچوں کو غذا دیتی اور ان پر ترس کھاتی ہے۔"

الا ترین کم شجاع یکلم و تختلی ھا متہ و المعصم

"کیا آپ دیکھتی نہیں ہیں کہ کتنے بہادر زخم ہو رہے ہیں اور سر اور کلائیاں کٹ کٹ کر گر رہی ہیں۔"

حارث ابن زہیر ازدی اس کے مقابلہ کے لئے نکلے دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اور ایک دوسرے کی تلوار سے گھائل ہو کر گرے اور کچھ دیر تڑپنے کے بعد ختم ہوگئے۔ ابن اشرف کے ہمراہ اس کے گھر کے بھی تیرہ افراد کام آئے۔

عبداللہ ابن خلف خزاعی رئیس بصرہ جس کے ہاں ام المومنین وارد بصرہ ہونے کے بعد مقیم تھیں میدان میں اترا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے حضرت علیؑ سے مبارز طلب ہوا۔

یا ابا تراب ادن منی فترا ○ فاننی دان الیک شبرا ○ وان فی صدری علیک غمرا

اے ابو تراب مجھ سے کچھ قریب ہو۔ تم جتنا قریب ہوگئے میں اس سے زیادہ قریب ہوں گا۔ میرے سینہ میں تمہارے خلاف غم و غصہ بھرا ہوا ہے۔"

حضرت نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر تلوار ماری اور اسے دوپارہ کر دیا۔

عبداللہ ابن حکیم جو قریش کے دستہ کا علمبردار تھا مقابلہ کیلئے نکلا ادھر سے عدی ابن حاتم اس سے نبرد آزما ہونے کیلئے بڑھے اس نے عدی پر حملہ کیا اور نیزے سے ان کی ایک آنکھ پھوڑ دی اس صورت میں حریف کو زیر کرنا ان کیلئے مشکل ہوگیا۔ مالک اشتر نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ بٹایا اور دونوں نے مل کر اسے قتل کر دیا۔

ام المومنین ہر مہار پکڑنے والے سے پوچھ لیتی تھیں کہ تم کون ہو۔ اس دوران عبداللہ ابن زبیر نے مہار پکڑی تو معمول کے مطابق پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا کہ میں آپ کا بھانجا عبداللہ ہوں عبداللہ کا نام سنا تو تڑپ اٹھیں اور پر اندوہ لہجہ میں کہا وا ثکل اسماء (ہائے اسماء کی کوکھ اجڑ گئی) عبداللہ مہار پکڑے ہوئے تھا کہ سامنے سے مالک اشتر گزرے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو تاکا اور تلوار تولتے ہوئے ایک دوسرے پر جھپٹے مالک نے عبداللہ کے سر پر ضرب لگائی اور اسے شدید مجروح کر دیا اور خود بھی اس کے ہاتھ سے معمولی زخمی ہوگئے۔ دونوں زخم خوردہ آپس میں گتھ گئے اور مالک عبداللہ کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار ہوگئے۔ عبداللہ نے جان بچتے نہ دیکھی تو چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا **اقتلونی وما لکا و اقتلو اما لکا معی۔** (مجھے اور مالک دونوں کو قتل کر ڈالو) لوگوں نے اس آواز پر توجہ نہ دی کیونکہ اکثر لوگ مالک کو اشتر ہی کے نام سے جانتے پہچانتے تھے اگر عبداللہ مالک کے بجائے اشتر کہتا تو لوگ یقیناً ان پر ٹوٹ پڑتے اور انہیں قتل کر دیتے۔ عبداللہ جوان اور تنو مند تھا اور مالک بوڑھے تھے وہ زور کر کے ان کی گرفت سے آزاد ہوگیا اور اپنی جان بچا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ عبداللہ نے بھاگ کر اپنی جان تو بچالی مگر فرار کا دھبا ہمیشہ کیلئے اس کے دامن پر رہ گیا اور لوگوں میں اس کا چرچا بھی ہوتا رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے عدی پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری یہ آنکھ کب پھوٹی تھی عدی نے اس کے فرار کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"جب ہم نے تمہارے سرین پر نیزہ مارا تھا اور تم پیٹھ پھرائے بھاگے جا رہے تھے۔" (عقد الفرید۔ ج ۲ ص ۳۵۴)

ام المومنین عبداللہ کی طرف سے انتہائی فکر مند تھیں۔ جب انہیں یہ خبر دی گئی کہ وہ

Presented by www.ziyaraat.net/

بھاگ کر اپنی جان بچالے گیا ہے تو ام المومنین نے اطمینان کی سانس لی اور خبر لانے والے کو چار ہزار درہم انعام دیئے۔

اسود ابن الجنتری قرشی بھی مہار پکڑنے پر مارا گیا۔ جندب ابن زہیر غامدی اور عبدالرحمٰن ابن اسید مالک کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ جب سب سے آخر میں مہار زفر ابن حارث کے ہاتھوں میں آئی تو گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی صفوں پر صفیں ٹوٹ پڑیں اور ہر طرف خون کا سیلاب امنڈ آیا حضرت عائشہ نے یہ خونی منظر دیکھا تو کچھ کنکریاں لے کر حضرت کے لشکر کی طرف پھینکیں اور کہا شَاهَتِ الْوُجُوه۔ (یہ چہرے سیاہ ہوں) یہ چربہ تھا اس معجزانہ عمل کا جو جنگ حنین میں رسول اللہؐ سے ظہور میں آیا تھا۔ مگر وہاں پیغمبر کا عمل کفار کے مقابلہ میں اور وحی الٰہی کے ماتحت تھا اور یہاں مقابلہ میں حضرت علیؑ اصحاب بدرین مبایعین تحت الشجرہ اخیار صحابہ اور ممتاز تابعین تھے۔ اس عمل کا اثر کیا ہونا تھا کسی نے اسے قابل توجہ بھی نہ سمجھا بلکہ ایک بگڑے دل سپاہی نے یہ آیت قرآن سے تغیر کے ساتھ پڑھ دی۔

"جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں۔" (شرح ابن ابی الحدید۔ ج ۱ ص ۸۵)

امیرالمومنینؑ نے مالک اشتر کو میمنہ لشکر پر اور ہاشم ابن عتبہ کو میسرہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ یہ دونوں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ تلواریں علم کئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس شدت سے حملہ کیا کہ میمنہ کے قدم اکھڑ گئے اور میسرہ اپنی جگہ سے ہٹ کر قلب لشکر سے مل گیا۔ سردار میمنہ ہلال ابن وکیع مالک اشتر کے ہاتھ سے قتل ہوا اور لشکر بھاگ کر حضرت عائشہ کے گرد پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔ سپاہ امیرالمومنینؑ نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا اور اونٹ کے گرد گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ بنی ازد بنی ناجیہ اور باہلہ اونٹ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے اس کی حفاظت کر رہے تھے اور تیروں اور تلواروں کے وار سر و سینہ پر روک رہے تھے جنگ زوروں پر لڑی جا رہی تھی اور تیروں کی بوچھاڑ اور تلواروں کی جھنکار سے میدان گونج رہا تھا۔ زمخشری نے کسی کا قول نقل کیا ہے کہ۔

"سروں پر تلواروں کے پڑنے سے ایسی آوازیں آتی تھیں جیسے کپڑے دھونے کے پڑے پر

چوب مارنے کی آواز ہوتی ہے۔" (فائق۔ ج ۱۔ ص ۳۵)

امیرالمومنینؑ نے دیکھا کہ جنگ ابھی فیصلہ کن مرحلہ میں داخل نہیں ہوئی اس لئے خود میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کے ایک دستہ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ دائیں بائیں تھے اور محمد ابن حنفیہ علم لئے آگے آگے چل رہے تھے۔ آپ نے محمد ابن حنفیہ سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ کر دم لو جہاں عائشہ کا اونٹ کھڑا ہے۔ محمد علم لہراتے آگے بڑھے مگر دشمن کی طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی اور محمد کے قدم رک گئے۔ حضرت نے آگے بڑھ کر اپنا بایاں ہاتھ محمد کے داہنے کندے پر رکھا اور محمد کے ہاتھ سے علم لے لیا۔ بائیں ہاتھ سے علم سنبھالا اور دائیں ہاتھ میں ذوالفقار لی اور دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور اس طرح حملہ کیا کہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے اور اس طرح تابڑ توڑ تلوار چلائی کہ اس میں خم آگیا۔ جب دشمن کی صفوں کو درہم و برہم کر چکے تو اپنی صفوں کے قریب آئے تلوار کو گھٹنے پر رکھ کر سیدھا کیا اور دوبارہ حملہ کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمد ابن حنفیہ عمار ابن یاسر عدی ابن حاتم اور امام حسنؑ و امام حسینؑ نے عرض کیا کہ یا امیرالمومنینؑ آپ ٹھہرئے ہم میدان میں جاتے ہیں مگر آپ نے کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا اور نہ کسی کی بات کا جواب دیا چہرہ غیظ و غضب سے تمتما رہا تھا آنکھ سے شرارے برس رہے تھے اور سینہ سے شیر کے غرانے کی سی آواز آرہی تھی۔ اب کس میں جرأت تھی کہ کچھ کہے اور زبان کھولے سب خاموش ہوگئے۔ آپ نے علم محمد کے سپرد کیا اور اکیلے دشمن کی صفوں پر بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ آور ہوئے اور صفوں کے اندر گھس کر اس طرح تلوار چلائی کہ صفیں الٹ گئیں۔ میدان لاشوں سے پٹ گیا اور لڑتے لڑتے تلوار پھر ٹیڑھی ہوگئی۔ آپ اپنی صف کے قریب آئے اور گھوڑے سے نیچے اتر کر تلوار سیدھی کی۔ جب آپ کے اعوان و انصار نے دیکھا کہ پھر میدان کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں تو انہوں نے آپ کو قسم دی کہ اپنی حالت پر رحم کھائیے آپ نہ لڑیں ہم لڑیں گے۔ اگر آپ پر آنچ آئی تو دین پر بن جائے گی۔ اور اسلام کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ حضرت نے ان لوگوں کے کہنے سننے سے ہاتھ روک لیا اور پلٹ کر محمد ابن حنفیہ سے کہا کہ دیکھو بیٹا اس طرح سے جنگ کی جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا یا امیرالمومنینؑ کس میں

Presented by www.ziyaraat.net/

دم خم ہے جو آپ کی طرح لڑے اور کس کے بازوؤں میں کس بل ہے جو اس طرح تلوار چلائے۔

اس پر زور حملہ سے اصحابہ جمل پر شکست کے آثار طاری ہوچکے تھے اگرچہ ان کے سروں پر تلواریں چل رہی تھیں سینوں کے اندر خنجر اتر رہے تھے اور سر بازو اور کلائیاں کٹ کٹ کر گر رہی تھیں مگر اس وقت تک میدان چھوڑنا گوارا نہ کر سکتے تھے جب تک اونٹ ان کے درمیان کھڑا تھا اس کی بھی یہ کیفیت تھی کہ اس کی جھول اور ام المومنین کے کجاوہ میں تیر اس طرح پیوست تھے جس طرح ساہی کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں اور وہ اس خونی ہنگامہ کی تاب نہ لا کر اس طرح گھوم رہا تھا جس طرح چکی گھومتی ہے۔ حضرت نے دیکھا کہ جب تک اونٹ میدان میں کھڑا ہے جنگ ختم ہونے میں نہیں آئے گی ادھر بصرہ والے کسی کو اونٹ کے پاس پھٹکنے نہ دیتے تھے اور اس پر تلے ہوئے تھے کہ جان جائے مگر اونٹ کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ حضرت نے اسے میدان سے ہٹانے کا ارادہ کیا اور قبیلہ نخع اور ہمدان کے جوانمردوں کو لے کر میدان کی طرف بڑھے۔ حضرت کو دیکھ کر فوجیں ہٹیں پرے ٹوٹے اور آپ اپنے ہمراہیوں سمیت اونٹ کے قریب پہنچ گئے اور اپنی فوج کے ایک سپاہی بجیر ابن ولجہ نخعی سے کہا کہ آگے بڑھ کر اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالو بجیر نے آگے بڑھ کر اونٹ کے پیروں پر وار کیا اونٹ نے ایک مہیب چیخ ماری اور پہلو کے بل زمین پر گرا۔ اونٹ کے گرتے ہی جنگ رک گئی اور ایک عام بھگدڑ مچ گئی کسی کو سر و پا کا ہوش نہ رہا لاشوں اور کراہتے ہوئے زخمیوں کو روندتے ہوئے جدھر منہ آیا ادھر بھاگ کھڑے ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان پر سناٹا چھا گیا۔ محمد ابن ابی بکر اور عمار یاسر نے حضرت کے حکم سے اونٹ کے تسمے کاٹے اور ہودج کو اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ محمد ابن ابی بکر نے ہودج کے اندر ہاتھ ڈالا۔ حضرت عائشہ نے بگڑ کر پوچھا کون ہو کہا کہ آپ کا ناپسندیدہ بھائی کہا کیا خثعمیہ کے بیٹے ہو کہا ہاں۔ کہا خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو اور تمہیں کوئی آنچ نہیں آئی۔ محمد نے کہا امیرالمومنینؑ نے دریافت کیا ہے کہ آپ کو کوئی گزند تو نہیں پہنچا کہا کہ ایک تیر بازو کو چھوتا ہوا گزر گیا تھا اور کوئی خاص گزند نہیں پہنچا۔ اس کے بعد عمار ابن یاسر ہودج کے قریب آئے اور کہا کہ اے مادر گرامی آپ نے اپنے بیٹوں کی جنگ دیکھ لی اس پر حضرت عائشہ نے بگڑ کر کہا۔

"میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔" (تاریخ کامل۔ ج ۳ ص ۱۳۰)

ام المومنین کا یہ انکار قرآن مجید کی رو سے درست نہیں سمجھا جاسکتا اس لئے کہ آپ بنص قرآن **وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ** (پیغمبر کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں) ماں تھیں جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے اور نہ انکار ہو سکتا ہے۔ اس انکار کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ جب عمار نے ان کے خلاف جنگ میں حصہ لیا ہے تو گویا انہوں نے مادری حقوق کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا ہے لہٰذا وہ بیٹے کہاں رہے اور آپ ماں کہاں رہیں۔ لیکن یہ حرب و پیکار ماں کے ماں بیٹے کے بیٹا ہونے پر اثر انداز نہیں ہوسکتی اس لئے کہ بحیثیت حرم رسول ماں ہونا اور ہے اور ان کی اطاعت و ہمنوائی اور بات ہے۔ اگر کوئی ان کی ہمنوائی نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ بیٹا نہیں رہا اور آپ ماں نہیں رہیں۔ جہاں تک اطاعت و فرمانبرداری کا تعلق ہے وہ صرف حقیقی ماؤں تک محدود ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ازواج رسول اگر امت کی مائیں تھیں تو حقیقی ماؤں کی طرح ان کی اطاعت بھی واجب تھی اس طرح کہ ان کے حکم سے سرتابی معصیت قرار پائے۔ وہ مائیں ہیں تو اس لحاظ سے کہ پیغمبر کے گھر میں آنے کے بعد کسی دوسرے کے گھر میں نہیں بیٹھ سکتیں اور اسی طرح حرام تھیں جس طرح مائیں اولاد پر حرام ہوتی ہیں۔ چنانچہ حکم پردہ کے بعد جب کچھ لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم پیغمبر کے بعد ان کی بیویوں سے عقد کریں گے تو ان کی تنبیہہ و سرزنش کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔

"تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم رسول خدا کو اذیت دو اور یہ کبھی جائز نہیں ہوسکتا کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔"

اس حرمت نکاح کے علاوہ وہ احکام جو حقیقی ماں ہونے کی حیثیت سے اولاد پر اور اولاد ہونے کی حیثیت سے ماں پر عائد ہوتے ہیں یہاں ثابت نہیں ہیں مثلاً" یہ کہ اولاد پر ماں کا نفقہ واجب ہوتا ہے اور بیٹا ماں کا اور ماں بیٹے کی وارث ہوتی ہے اور ماں کا اولاد سے پردہ نہیں ہوتا مگر یہاں نہ ان کا نفقہ امت پر واجب تھا اور نہ وہ امت کی اور نہ امت ان کی وارث قرار پاتی ہے اور نہ وہ حکم پردہ سے مستثنیٰ تھیں۔ اسی طرح حقیقی ماؤں کی طرح ان کی اطاعت و ہمنوائی بھی واجب نہ تھی۔ صرف حرمت عقد کے سلسلہ میں انہیں ماں کا درجہ دینے سے یہ نہیں سمجھا

Presented by www.ziyaraat.net/

جاسکتا کہ ان پر حقیقی ماؤں کے تمام احکام بھی مترتب ہوتے ہیں۔ آخر رضاعی ماں کو بھی ماں قرار دیا گیا۔ ہے مگر وہ ماں ہونے کے باوجود نہ ورثہ پاتی ہے نہ واجب النفقہ ہوتی ہے اور نہ اولاد پر اس کی اطاعت ہی واجب ہے اسے صرف حرمت نکاح کے اعتبار سے ماں قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر حقیقی ماں یا رضاعی ماں یہودیہ بھی ہوسکتی ہے اور نصرانیہ بھی مگر ان امور میں جو خلاف شرع اسلام ہوں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت عائشہ کی اطاعت ماں ہونے کی حیثیت سے امت پر واجب تھی تو اس مورد پر جبکہ حقیقی ماں کی بھی اطاعت صحیح نہیں ہے ان کی اطاعت کیونکر ضروری ہوسکتی ہے کیونکہ ان کا یہ اقدام امام برحق کے خلاف جارحانہ حیثیت رکھتا تھا جو آئین اسلام کے خلاف اور کسی طرح جائز نہ تھا اور امر ناجائز میں اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے۔

"اطاعت گناہ میں نہیں بلکہ صرف نیک کام میں ہوتی ہے۔" (مشکوٰۃ ص ۳۱۹)

شائد حضرت عائشہ کو بھی اس کا احساس تھا کہ ان کا یہ اقدام جارحانہ اور سفر بصرہ سفر معصیت ہے چنانچہ ان کے اس طرز عمل کے بارے میں کہ وہ سفر میں نماز قصر نہیں کرتی تھیں۔ ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ ان کا یہ عمل صرف سفر بصرہ کے دوران تھا اور وہ اس سفر کو سفر معصیت سمجھتے ہوئے نماز پوری پڑھتی تھیں کیونکہ قصر کا حکم سفر کے مباح ہونے کی صورت میں ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے اس تاویل کے سلسلہ میں ایک قول یہ نقل کیا ہے۔

"حضرت عائشہ حضرت علیؑ سے باقصد جنگ بصرہ جاتے ہوئے نماز پوری ادا کرتی تھیں اور ان کے نزدیک قصر کا حکم صرف سفر اطاعت کی صورت میں تھا۔" (فتح الباری۔ ج ۲ ص ۴۰۶)

بہرحال حضرت عائشہ ابھی میدان جمل ہی میں تھیں کہ امیرالمومنینؑ ہودج کے قریب آئے اور اسے لکڑی سے کھٹکھٹایا اور فرمایا اے حمیراء کیا رسول خدا نے آپ کو یہی حکم دیا تھا کہا ملکت فاسجح (آپ غالب آئے ہیں تو حسن سلوک کیجئے) آپ نے محمد ابن ابی بکر کو حکم دیا کہ ہودج کے اوپر ایک خیمہ نصب کردو اور اس کی نگرانی کرو تاکہ کوئی شخص اس کے قریب نہ آنے پائے اور جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو انہیں عبداللہ ابن خلف کی بیوہ صفیہ بنت حارث کے ہاں پہنچا دیا اور اونٹ کے بارے میں حکم دیا کہ اسے جلا دیا جائے اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے۔ چنانچہ

اسے جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی۔ پھر فرمایا خدا لعنت کرے اس چوپائے پر یہ بنی اسرائیل کے گوسالہ سے کتنی مشابہت رکھتا تھا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

"اپنے معبود کو تو دیکھو جس کی عبادت پر تم جمے ہوئے تھے ہم اسے جلا کر راکھ کردیں گے اور پھر اسے پراگندہ کرکے دریا میں بہا دیں گے۔"

خاتمہ جنگ پر حضرت نے اپنے لشکر میں اعلان فرمایا کہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرنا کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھانا لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا۔ جو ہتھیار اتار کر رکھ دے اور جو گھر کا دروازہ بند کرلے اس کے لئے امان ہے۔ فریق مخالف کے اموال سے کوئی تعرض نہ کرنا البتہ جو ہتھیار برتن اور سواریاں میدان جنگ میں تمہارا مال ہے اس کے علاوہ کسی چیز کو روا نہ سمجھنا۔ اور عورتوں اور کنیزوں پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ اس پر کچھ لوگ معترض ہوئے اور کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کا خون بہانا تو ہمارے لئے مباح ہو اور انہیں غلام و کنیز بنانا جائز نہ ہو۔ ہمیں مردوں اور بچوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز بنانے کی اجازت ہونا چاہئے۔ شائد یہ نظریہ اس بنا پر قائم کیا ہو کہ دور اول میں جب مانعین زکواۃ سے جنگ کی گئی تھی تو بقیۃ السیف کو غلام و کنیز بنالیا گیا تھا لہٰذا یہاں فریق ثانی کو غلام و کنیز بنانے میں کیا امر مانع ہے۔ مگر حضرت نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں نے وہی فیصلہ کیا ہے جو رسول اللہ نے فتح مکہ کے موقع پر کیا تھا اگر تم بضد ہو تو بتاؤ کہ تم میں کون ہے جو اپنی ماں عائشہ کو اپنے حصہ میں لینا چاہتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ کہنے والوں پر سناٹا چھا گیا اور سب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور کہنے لگے کہ یا امیرالمومنینؑ آپ نے جو فیصلہ فرمایا ہے وہی صحیح ہے ہم ہی لوگوں نے غلط نظریہ قائم کیا تھا اور ناروا مطالبہ پیش کیا تھا۔

حضرت تین دن تک میدان جمل میں تشریف فرما رہے اور مقتولین کو دفن کرنے کے بعد شہر میں داخل ہوئے اور سیدھے مسجد جامع میں تشریف لے گئے اور نماز سے فارغ ہو کر مصلے کی دائیں جانب دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے اور اہل بصرہ کو ان کی بے راہروی و کج ذہنی پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔

"تم ایک عورت کی سپاہ اور ایک چوپائے کے تابع تھے وہ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے بڑھے اور زخمی ہوا تو تم بھاگ کھڑے ہوئے تم پست اخلاق و عہد شکن ہو تمہارے دین کا ظاہر کچھ ہے

Presented by www.ziyaraat.net/

اور باطن کچھ۔ تمہاری سرزمین کا پانی تک شور ہے تم میں اقامت کرنے والا گناہوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے اور تم میں سے نکل جانے والا اپنے پروردگار کی رحمت کو پالینے والا ہے۔" (نہج البلاغہ)

خطبہ سے فارغ ہو کر اہل بصرہ سے بیعت لی اور انہیں فتنہ و شرانگیزی سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے باہر نکلے اور ابو الاسود دئلی وغیرہ کے ہمراہ بیت المال میں تشریف لائے اور سرسری نگاہوں سے بیت المال کا جائزہ لیا اور حکم دیا کہ یہ تمام رقم شرکاء جنگ میں تقسیم کر دی جائے اور ہر سپاہی کو پانچ پانچ سو درہم دیئے جائیں۔ جب وہ رقم تقسیم کی گئی تو نہ ایک درہم گھٹا اور نہ ایک درہم بڑھا اور سب پر برابر تقسیم ہوگئی۔ حبۃ العرنی کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے بھی اپنا حصہ دوسروں کے برابر لیا اور جب لے چکے تو ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ امیر المومنینؑ میں جنگ میں شریک تو نہ ہو سکا مگر میرا دل آپ کے ساتھ تھا اور میری ہمدردیاں آپ سے وابستہ تھیں مجھے بھی اس مال میں سے حصہ ملنا چاہیے۔ حضرت نے اپنے حصہ کے پانچ سو درہم اسے دے دیئے اور خالی ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت عائشہ ابھی تک بصرہ میں مقیم تھیں۔ حضرتؑ نے ابن عباس کو ان کے ہاں بھیجا کہ انہیں کہیں کہ وہ مدینہ واپس جانے کی تیاری کریں اب نہ یہاں ان کا کوئی کام ہے اور نہ ان کا مدینہ سے زیادہ عرصہ تک باہر رہنا مناسب ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں حضرت کا پیغام لے کر ان کے ہاں گیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی مگر انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا مجھے مجبوراً اجازت کے بغیر اندر داخل ہونا پڑا اور ایک بوریا اٹھا کر اس پر بیٹھ گیا۔ حضرت عائشہ نے پردہ کے پیچھے سے دیکھا تو کہا کہ اے ابن عباس تم نے آداب شریعت کا کوئی لحاظ نہیں کیا تم بغیر اجازت کے میرے مکان میں داخل ہوئے اور بغیر اجازت کے اس بوریئے پر بیٹھ گئے۔ ابن عباس نے کہا کہ ہم بہتر سمجھتے ہیں آداب شریعت کو اور آپ نے آداب و احکام شریعت سیکھے ہیں تو ہم سے۔ یہ آپ کا گھر تو ہے نہیں کہ ہمیں آپ سے اجازت لینے کی ضرورت ہو آپ کا گھر وہ ہے جہاں رسول اللہؐ آپ کو چھوڑ گئے تھے۔ جب آپ اس گھر میں ہوں گی تو ہم آپ کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوں گے۔ مجھے یہاں بہر صورت آنا تھا تاکہ امیرالمومنینؑ کا یہ فرمان آپ کے گوشگزار کروں کہ آپ یہاں سے جلد مدینہ روانہ ہو جائیں۔ کہا کہ امیرالمومنینؑ تو عمر ابن

خطاب تھے کہا ہوں گے مگر میری مراد امیر المومنینؑ سے علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں کہا کہ میں تو انہیں امیر المومنینؑ نہیں مانتی کہا کہ آپ کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے اور آپ نے کب سے یہ منصب سنبھالا ہے کہ آپ امیر المومنینؑ مانیں تو وہ امیر المومنینؑ ہیں ورنہ نہیں ہیں اس پر حضرت عائشہ رونے لگیں اور کہا کہ میں خود اس شہر کو چھوڑ کر جلد جانا چاہتی ہوں۔

"اس لئے کہ وہ شہر مجھے انتہائی ناپسند ہے جس میں تم لوگوں کی بود و باش ہو۔"

ابن عباس نے کہا کہ یہ حق ناشناسی کی انتہا ہے۔ کیا یہ اس کا صلہ ہے کہ ہم نے آپ کو ام المومنین بنایا ۔ کہا کیا تم رسول اللہ کے ذریعہ ہم پر تفوق و احسان جتلانا چاہتے ہو۔ کہا کہ آپ پیغمبر کی نو بیویوں میں سے ایک بیوی ہی تو ہیں مگر اتنی سی بات پر آپ کا ہر حکم مانا جاتا ہے اور آپ کی آواز پر لبیک کہی جاتی ہے اور ہم تو رسول اللہ کا گوشت و پوست ہیں اور انہی کا خون ہماری رگوں میں گردش کر رہا ہے اگر یہ چیز آپ کو حاصل ہوتی تو کیا آپ ہم پر تفوق و برتری نہ جتاتیں اس پر حضرت عائشہ خاموش ہوگئیں اور کوئی جواب بن نہ پڑا۔ ابن عباس نے پلٹ کر یہ تمام گفتگو حضرت کے سامنے دہرائی۔ آپ سن کر خوش ہوئے اور یہ آیت پڑھی۔

"برگزیدہ کیا اللہ نے بعض کی اولاد کو بعض سے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

حضرت عائشہ نے جب واپسی کا ارادہ کیا تو امیر المومنینؑ نے سواری زاد راہ اور دوسری سہولتیں ان کیلئے مہیا کر دیں اور محمد ابن ابی بکر کو ان کے ہمراہ جانے کا حکم دیا اور انہیں بحفاظت تمام مدینہ روانہ کر دیا۔ یہ واپسی یکم رجب ۳۶ھ بروز شنبہ کو ہوئی۔

امیر المومنینؑ نے اس جنگ میں از اول تا آخر جس کردار کا مظاہرہ کیا ہے وہ آپ کی امن پسندی صلح جوئی اور بلند نفسی کی زندہ مثال ہے۔ اگرچہ آپ کو خونی فتنہ کے انسداد کے لئے خونریز جنگ لڑنا پڑی مگر آپ نے اس وقت تک نہ خود ہاتھ اٹھایا اور نہ کسی کو اٹھانے دیا جب تک دوسرے فریق نے تیر باراں کر کے جنگ شروع نہ کر دی حالانکہ ان لوگوں نے حضرت کے وارد بصرہ ہونے سے پہلے آپ کے سینکڑوں دوستوں اور ہمنواؤں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ والی بصرہ عثمان ابن حنیف پر شبخون مار کر عہد شکنی کی تھی بیت المال اور بیت الرزق پر قبضہ کر لیا تھا اور قتل و

Presented by www.ziyaraat.net/

غارت گری سے ہر طرف دہشت پھیلا دی تھی۔ ان چیزوں سے اگرچہ جنگ کا جواز پیدا ہوچکا تھا مگر آپ نے یہی کوشش کی کہ جنگ و قتال کی نوبت نہ آئے اور افہام اور تفہیم سے معاملہ طے ہو جائے۔ چنانچہ طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کو سمجھایا بجھایا اور انہیں جنگ کے ہولناک انجام سے ڈرایا اور مسلم مجاشعی کے ہاتھ قرآن بھیج کر انہیں قرآنی احکام پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی اور جب یہ تمام چیزیں بے اثر اور تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور آپ کی صلح جو یانہ روش کو کمزوری پر محمول کیا جانے لگا اور پیغام صلح کا جواب تیر و سنان کی زبان میں دیا جانے لگا تو آپ نے مجبور ہو کر جنگ کی اجازت دی۔ اور جب جنگ چھڑ ہی گئی تو صفوں کے مقابلہ میں صفیں جما کر اس طرح لڑے کہ ان پر ثابت کر دیا کہ جنگ سے بچنے کی یہ تمام کوششیں کمزور و بزدلی اور خوف و ہراس کی بنا پر نہ تھیں بلکہ اتحاد و یکجہتی کے برقرار رکھنے اور صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کیلئے تھیں۔

امیر المومنینؑ نے اپنی فوج کے سپاہیوں کو جن چیزوں پر کاربند رہنے کا حکم دیا تھا کہ جنگ میں پہل نہ کریں کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھائیں کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کریں اور چند ایک چیزوں کے علاوہ کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیں۔ سب نے ایک ایک بات پر عمل کیا۔ چنانچہ جب تک تیروں کی بوچھاڑ سے لاشیں گری نہیں جنگ کے لئے قدم نہیں بڑھایا اور جب میدان میں خون برسنے لگا تو کسی زخمی پر ہاتھ نہیں ڈالا اور جب فوج شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی تو کسی کا تعاقب نہیں کیا اور نہ اس کے چھوڑے مال و اسباب کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا دینوری نے تحریر کیا ہے۔

"وہ میدان جنگ میں سونا چاندی اور دوسرا سازو سامان دیکھتے مگر کوئی اور چیزوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا سوائے فریق مخالف کے ان ہتھیاروں اور سواریوں کے جنہیں وہ لڑائی کے موقع پر کام میں لائے تھے۔" (اخبار الطوال ص ۱۵۱)

دنیا کی جنگوں کا دستور ہے کہ فاتح کامرانی و فتحیابی کے نشہ میں سرشار ہو کر حریف فوج کے افسروں کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کر لیتا ہے یا موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے مگر حضرت نے انتقامی جذبات سے بلند تر ہو کر اہل بصرہ میں سے جنہوں نے جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا کوئی باز پرس نہیں کی عبداللہ ابن زبیر، مروان ابن حکم، ولید ابن عقبہ، عبداللہ ابن عامر ایسے غارت

گران امن کو بیک جنبش قلم معاف کر دیا اور ام المومنین کو جنہوں نے آپ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا ان کے شایان شان حفاظتی انتظامات کے ساتھ مدینہ بھجوا دیا اور مسلمانوں سے جہاد اور کفار سے جہاد کے لطیف فرق کو اس طرح واضح کیا کہ جو لوگ مال غنیمت میں عورتوں کو شامل کرنا چاہتے تھے انہیں بغلیں جھانکنے کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا اور بصرہ کے بیت المال کو مرکز میں منتقل کرنے کے بجائے فوج و سپاہ پر تقسیم کر دیا جس سے ایک طرف یہ تاثر دیا کہ جنگ کا مقصد مال کی جمع آوری اور دولت کی فراہمی نہیں ہے اور دوسری طرف سپاہ کو مالی لحاظ سے مطمئن کر کے پیش آئند جنگوں میں ان کے جوش اور ولولہ کو نفسیاتی طور پر مضمحل ہونے سے محفوظ کر دیا۔

حضرت عائشہ جو عامہ مسلمین کے نزدیک ایک عالمہ اور محدثہ کا درجہ رکھتی ہیں اس سے بے خبر نہ تھیں کہ خون عثمان کے قصاص کا انہیں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ حکومت وقت کا حق ہے یا اولیاء مقتول کا اور حضرت عائشہ نہ مسلمانوں کے اقتدار کی مالک تھیں اور نہ حضرت عثمان کے وارثان باز گشت میں شامل اس کے باوجود وہ قصاص کے نام پر حکومت وقت سے ٹکرانے کیلئے میدان میں اتر آتی ہیں اور ایک عظیم جمیعت کو جنگ کے شعلوں میں جھونک دیتی ہیں حالانکہ ازواج رسول اپنے گھروں میں ٹھہرے رہنے کی پابند تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولٰی۔

"اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو اور سابقہ زمانہ جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر نہ نکلو۔"

اس حکم قرآنی کے پیش نظر ام المومنین زینب بنت جحش اور ام المومنین جناب سودہ نے مدینہ سے باہر نکلنا گوارا نہیں کیا اور زندگی بھر اس حکم کی سختی سے پابند رہیں یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے جناب سودہ سے کہا کہ آپ حج و عمرہ کیلئے مکہ کیوں نہیں جاتیں کہا کہ میں فریضہ حج سے سبکدوش ہوچکی ہوں اب تو مجھے اسی گھر میں رہنا ہو گا جس گھر میں مجھے رسول اللہ بٹھا گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے پیغمبر کے بعد حجرہ سے قدم باہر نہیں نکالا اور یہ عورتوں کا منصب بھی نہیں ہے کہ وہ گھر کا گوشہ چھوڑ کر میدان حرب و ضرب میں پھاند پڑیں اور کشت و خون کا بازار گرم کریں۔ چنانچہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ۔

Presented by www.ziyaraat.net/

"میں نے پیغمبر اکرم سے جہاد کی اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ تم عورتوں کا جہاد فریضہ حج کی ادائیگی ہے۔"

اور خود حضرت عائشہ کا قول ہے۔

"عورت کے ہاتھ میں تکلا اس نیزے سے کہیں بہتر ہے جو راہ خدا میں لڑنے والے مجاہد کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔"

مگر ان تمام چیزوں پر مطلع ہونے کے باوجود وہ ہزاروں کے مجمع کے ساتھ مکہ سے بصرہ میں آئیں اور لشکر کی قیادت کرتے ہوئے میدان میں اتریں حالانکہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ اس اقدام کے نتیجہ میں ہزاروں بچے یتیم رہ جائیں گے ہزاروں عورتیں اپنا سہاگ کھو بیٹھیں گی اور مسلمانوں کا خون مسلمانوں کی تلواروں سے پانی کی طرح بہے گا مگر انہوں نے نتائج و عواقب کی پروا کئے بغیر یہ قدم اٹھایا اور مسلمانوں کو مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ بلاشبہ اس اتلاف جان کی زیادہ تر ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے اور ان کے دور میں بھی یہی تاثر لیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ام اونی العبدیہ نے جن کے قبیلہ کے سینکڑوں آدمی امیر المومنینؑ کی حمایت میں مارے گئے تھے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ اے ام المومنینؑ آپ اس عورت کے بارے میں کیا فرماتی ہیں جس نے اپنے ایک کمسن بچے کو مار ڈالا ہو کہا وہ دوزخ میں جائے گی۔ کہا پھر اس عورت کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے اپنے بیس ہزار جواں سال بیٹے ایک ہی جگہ پر قتل کر دیئے ہوں۔ حضرت عائشہ اس کے طنزیہ اشارہ پر بگڑ گئیں اور کہا۔

"اس خدا کی دشمن کو جانے نہ دینا۔" (عقد الفرید۔ ج ۳۔ ص ۱۰۸)

ابو عثمان جاحظ نے ایک لطیف پیرایہ میں یہ مطلب یوں ادا کیا ہے۔

کانھا فی فعلھا ھرۃ ترید ان تاکل اولا دھا

"وہ اپنی اس کارگزاری میں اس گربہ مسکین کے مانند تھیں جو اپنے بچوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتی ہے۔"

بہر حال یہ اقدام کوئی قابل فخر کارنامہ نہ تھا اور ان کے خاندان کے افراد تو اسے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت عائشہ نے اپنے بھتیجے ابن ابی عتیق سے کسی

ضرورت کیلئے خچر طلب کیا اس نے حضرت عائشہ کا پیغام سنا تو قاصد سے کہا حضرت عائشہ سے کہنا۔

"خدا کی قسم ابھی تک تو ہم یوم جمل کا دھبا نہیں دھو سکے کیا اب یوم بغل (خچر) قائم کرنے کا ارادہ ہے۔" (انساب الاشراف۔ ج ۱۔ ص ۴۲۱)

ابن ابی عتیق نے تو طنزاً یہ بات کہی تھی مگر یوم جمل کے بعد یوم بغل میں دنیا والوں نے دیکھ لیا۔ چنانچہ جب امام حسنؑ کی نعش مبارک کو حجرہ رسول میں دفن کے ارادہ سے لایا گیا اور مروان ابن حکم اور ان کے ہمراہی ہتھیار باندھ کر دفن سے مانع ہوئے تو اس موقع پر حضرت عائشہ بھی اس گروہ کے ساتھ تھیں چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے تحریر کیا ہے۔

"ابوالفرج کہتے ہیں کہ یحییٰ ابن حسن صاحب کتاب النسب روایت کرتے ہیں کہ اس دن حضرت عائشہ خچر پر سوار ہوئیں اور مروان ابن حکم اور بنی امیہ اور ان کے اہالی موالی کو جو وہاں موجود تھے ابھار رہی تھیں اور اسی کے متعلق کسی نے کہا ہے۔"

"گاہے اشتر پر سوار اور گاہے خچر پر سوار۔"

اس سلسلہ میں طلحہ و زبیر کا کردار بھی حضرت عائشہ کے کردار سے کچھ کم نہیں ہے۔ انہوں نے قصاص عثمان کے نام پر بصرہ میں پہنچ کر قتل عام شروع کر دیا اور بے دیکھے بھالے کہ کون مجرم ہے اور کون مجرم نہیں ہے سب کو تلوار کی باڑ پر رکھ لیا حالانکہ انہیں یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اہل بصرہ کو قصاصاً قتل کریں جبکہ اسے وارثان مقتول کا حق اور خلیفہ وقت کا فریضہ قرار دیا گیا ہے اور وہ نہ خلیفہ وقت تھے اور نہ حضرت عثمان کے قرابتدار ہی تھے کہ انہیں بر بنائے قرابت حق قصاص پہنچتا۔ اور پھر حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ بیعت شکنی کو جائز اور اس جارحانہ اقدام کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے حضرت کو اس قتل کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ اس سے بے خبر نہ تھے کہ قتل عثمان کے سلسلہ میں ان کا طرز عمل کیا تھا اور حضرت کا موقف کیا تھا۔ چنانچہ حضرت کا ارشاد ہے۔ خدا کی قسم طلحہ زبیر اور عائشہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں اور وہ باطل پر ہیں۔

Presented by www.ziyaraat.net/

اگر وہ واقعا" حضرت کو قتل عثمان میں شریک سمجھتے تھے تو بیعت سے پہلے یہ آواز اٹھاتے مگر نہ قتل عثمان کے موقع پر اور نہ اس سانحہ قتل اور حضرت کی بیعت کے درمیانی عرصہ میں آپ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور نہ آپ پر قتل یا اعانت قتل کا الزام عائد کیا جاتا ہے محمد ابن سیرین کہتے ہیں۔

"مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے حضرت علیؑ پر قتل عثمان کی تہمت لگائی ہو یہاں تک کہ ان کی بیعت ہوئی اور جب بیعت ہو چکی تو لوگوں نے انہیں متہم کرنا شروع کر دیا۔" (عقد الفرید۔ ج ۳ ص ۹۳)

ان مہتم کرنے والوں کے سرغنہ یہی دونوں طلحہ و زبیر تھے اور ان کی زبانیں بھی اس وقت کھلتی ہیں جب ان کے مفادات پر ضرب لگتی ہے اور امیر المومنینؑ انہیں کوفہ و بصرہ کی امارت دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اگر اس قصاص طلبی میں ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ کار فرما تھا۔ تو ان کی ہمدردیوں کو قتل کے موقع پر ظاہر ہونا چاہئے تھا اور حضرت کی بیعت کے بجائے ان سے قصاص کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس وقت تک خاموش رہتے ہیں جب تک انہیں امارت کی توقع رہتی ہے اور جب ادھر سے مایوسی ہو جاتی ہے تو آپ پر خون کا الزام عائد کر کے قصاص کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ اس قصاص کی آڑ میں اپنے اقتدار کی راہ ہموار کریں۔ واقعات کی روشنی میں یہ بات بلا تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس شورش و ہنگامہ آرائی کا مقصد صرف حصول اقتدار تھا۔ چنانچہ انہوں نے بیعت توڑ کر دوسروں کو بیعت شکنی پر ابھارا اور حکیم ابن جبلہ سے واشگاف لفظوں میں کہا گیا کہ جب تک عثمان ابن حنیف حضرت کی بیعت نہیں توڑیں گے انہیں رہا نہیں کیا جائے گا اور خود حضرت کے سامنے بھی اس کا اظہار کیا کہ وہ انہیں خلافت کا اہل نہیں سمجھتے۔ اور سعید ابن عاص کے دریافت کرنے پر صاف صاف کہہ دیا کہ ہم عثمان کے لڑکوں کو خلیفہ نہیں بنائیں گے بلکہ ہم دونوں میں سے جسے لوگ منتخب کریں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ اسی اقتدار کی خاطر انہوں نے حضرت عثمان کے قتل کا سرو سامان کیا اور ان کے قتل کے بعد جب امیر المومنینؑ برسر اقتدار آئے تو قصاص کی آڑ میں حضرت عائشہ کی عملی تائید کے سہارے مقابلہ پر اتر آئے۔

غرض حضرت عائشہ ہوں یا طلحہ و زبیر ان کے اس اقدام کا نہ کوئی اخلاقی جواز ہے اور نہ شرعی۔ ان کی شخصیتیں کتنی ہی اہم سہی مگر جرم بہرحال جرم ہوتا ہے خواہ اس کا مرتکب کوئی ہو بلکہ شخصیت کی نمود جرم کو اور سنگین بنا دیا کرتی ہے۔ انہوں نے ایک ایسا خونریز اقدام کیا جس سے نہ انکار کی کوئی گنجائش ہے اور نہ کشت و خون کی ذمہ داری سے انہیں بری ثابت کیا جاسکتا ہے البتہ ایک طبقہ نے صحابیت کے تحفظ کے لئے خطائے اجتہادی کا سہارا ڈھونڈ نکالا ہے۔ یہ خطائے اجتہادی کی کار فرمائی صرف اسی مورد کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام حربہ ہے کہ جہاں کوئی جواب بن نہیں پڑتا وہاں اس کی آڑ لے لی جاتی ہے اور غلط سے غلط اقدام کے لئے جواز کا پہلو پیدا کر لیا جاتا ہے تاکہ وابستگان دامن کی عقیدتوں کو محفوظ رکھا جاسکے۔ اسے لاکھ خطائے اجتہادی سے تعبیر کیا جائے مگر ارباب فکر و نظر کو یہ ذہنی خلش ضرور محسوس ہوگی کہ اگر یہ خطائے اجتہادی ہے تو خطائے مفکر اور خطائے غیر اجتہادی کس چیز کا نام ہے اگر اس عظیم کشت و خون کو خطائے اجتہادی کے دامن میں پناہ مل سکتی ہے تو اس خطائے اجتہادی کے مرتکبین پر نقد و تبصرہ کیوں جائز نہیں ہے اور اگر ان کے خلاف رائے قائم کی جائے تو اسے خطائے اجتہادی پر محمول کر کے نظر انداز کرنے میں کیا مانع ہے۔ اور پھر یہ کہ یہ اجتہاد کون سے شرعی اصول و قواعد کے ماتحت تھا اور کن دلائل سے ایک خون کے بدلے میں ہزارہا بے گناہوں کا خون بہانا جائز ہو گیا تھا۔ کیا قرآن مجید کا کوئی حکم تھا یا پیغمبر اکرمؐ کی کوئی حدیث تھی یا اہل حل و عقد کا اجماع تھا یا کسی مناط شرعی پر مبنی قیاس تھا اور یہی چاروں چیزیں مدعیان خطائے اجتہادی کے نزدیک اجتہاد کا ماخذ سمجھی جاتی ہیں اور جب ان میں سے کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی تو اجتہاد ہی کہاں رہا کہ اسے خطا پر محمول کر کے ان کے موقف کی صفائی پیش کی جاسکے۔

اس سلسلہ میں کچھ لوگوں نے یہ بات بنائی کہ امیر المومنینؑ کے لشکر میں ان لوگوں کو جو قتل عثمان میں پیش پیش تھے فریقین میں صلح کے آثار نظر آئے تو انہوں نے صلح کو اپنے مقصد و مفاد کے خلاف سمجھتے ہوئے ابن سبا کی انگیخت پر منہ اندھیرے حضرت عائشہ کے لشکر پر دھاوا بول دیا اور اصحاب جمل کا روپ دھار کر حضرت کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور ہر فریق اپنے مقام پر یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے جنگ کا آغاز کر دیا ہے اور اس طرح فریقین میں غلط فہمی کی بنا پر

Presented by www.ziyaraat.net/

جنگ چھڑ گئی لہٰذا جنگ میں پہل کرنے کی ذمہ داری فریقین میں سے کسی فریق پر عائد نہیں ہوتی اگر کسی پر عائد ہوتی ہے تو اس سازشی گروہ پر جس کا سرغنہ ابن سبا تھا اور جو دونوں فریق کو جنگ میں الجھا کر اپنا تحفظ اور مفاد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

یہ واقعہ ایک خود ساختہ افسانہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا اور روایت و درایت دونوں اعتبار سے مقدوح اور ناقابل اعتماد ہے۔ اس واقعہ کو پہلے پہل ابن جریر طبری نے اپنی مشہور تاریخ میں درج کیا اور طبری کے حوالہ سے اس روایت کو خوب خوب اچھالا ہے اور حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر کی تمام سرگرمیوں سے چشم پوشی کرکے اس جنگ کی تمام تر ذمہ داری اسی مجہول شخصیت ابن سبا اور اس کے ساتھیوں پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ طبری نے اسے سیف ابن عمر تمیمی متوفی ۱۷۰ھ کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور سیف ابن عمر تمام علمائے رجال کے نزدیک مفتری و کذاب اور پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ چنانچہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں تحریر کیا ہے کہ یحییٰ کہتے ہیں۔ **فلس خیر منه** (ایک کوڑی بھی اس سے بہتر ہے) ابو داؤد کہتے ہیں **لیس بشئ** (کوئی چیز ہی نہیں) ابو حاتم کہتے میں **متروک** (ناقابل روایت ہے) ابن حبان کہتے ہیں **اتهم بالزندقه** (بے دینی والحاد سے مہتم ہے) اور کسی ایک فرد نے بھی اس کی توثیق نہیں کی اور نہ اسے قابل روایت سمجھا ہے۔ لہٰذا ایک ایسے شیخ کی روایت پر جو بالاتفاق ساقط عن الاعتبار ہو اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس روایت میں اگر کچھ بھی واقعیت ہوتی تو طبری سے پہلے کا کوئی مورخ اس کا ذکر کرتا۔ بلاذری صاحب انساب الاشراف ابن سعد صاحب طبقات اور طبری کے معاصر ابن اعثمؒ صاحب تاریخ اس کا تذکرہ کرتے اور سیف ابن عمر کے سلسلہ کے علاوہ کسی اور واسطہ سے بھی اسے نقل کیا جاتا۔ بلکہ واقعہ کی نوعیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا عمومی چرچا ہوتا اور مختلف طبقوں میں عام طور پر اس کا ذکر آتا۔ مگر اس کا ذکر آتا ہے تو اس شخص کے سلسلہ روایت میں جس کی کذب بیانی مسلمہ حیثیت رکھتی ہے۔ کیا ایسی روایت پر آنکھ بند کرکے اعتماد کر لینا حقائق سے عمداً" چشم پوشی کے مترادف نہیں ہے؟

اب اس روایت کو درایتہً دیکھئے اور پرکھیئے کہ کہاں تک صحیح تسلیم کئے جانے کے قابل ہے۔ جس شخص کے بھی سامنے واقعات جمل کے اسباب و علل اور اصحاب جمل کے عزائم و مقاصد ہیں وہ اس سے انکار نہ کر سکے گا کہ یہ روایت واقعات میں ایک غیر متعلقہ اضافہ اور حقائق کے دامن میں ایک بے جوڑ پیوند ہے جس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ اس جنگ کو غلط فہمی کا نتیجہ قرار دے کر اصحاب جمل کو معذور اور حق بجانب ثابت کیا جائے۔ کہنے کو تو یہ کہہ دیا گیا کہ یہ جنگ غلط فہمی کا نتیجہ تھی مگر تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ باقاعدہ جنگ کے چھڑنے سے پہلے حضرت علیؑ اور فریق ثانی کے نمائندوں میں گفت و شنید اور افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت نے طلحہ و زبیر سے رودر رو گفتگو کی اور انہیں جنگی عزائم سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیا وہ اس موقع پر یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ ہم تو صلح پر آمادہ تھے آپ ہی کے لشکر نے ہم پر اچانک حملہ کیا اور جنگ چھیڑ دی مگر وہ اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں کرتے حالانکہ اس موقع پر زبان بند رکھنے کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ یا جنگ سے پہلے جب حضرت نے مسلم مجاشعی کو قران دے کر بھیجا تھا کہ وہ انہیں قرآن کے تعلیمات یاد دلائیں تو انہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ اب علیؑ نے قرآن کو بیچ میں لا کر معاملہ کو نمٹانا چاہا ہے اور مصالحت کی پیشکش کی ہے حالانکہ انہی کے لشکر نے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر شبخون مارا ہے اور جنگ وقتال کا آغاز کیا ہے۔ مگر اس موقع پر بھی ان کی زبان سے اس قسم کی کوئی بات نہیں نکلتی۔ اسی طرح حضرت عائشہ اس کی طرف بھی تو اشارہ کرتیں کہ ایسا غلط فہمی کی بنا پر ہوا ہے حالانکہ جنگ کے بعد جب ان سے اس اقدام کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو وہ خاموشی کے بجائے اس چیز کو اپنے موقف کے حق بجاب ہونے کے ثبوت میں پیش کرکے پوچھنے والوں کو ایک حد تک مطمئن کر سکتی تھیں۔ اور پھر اس مفروضہ شبخون سے پہلے جو کشت و خون کیا گیا تھا اور سینکڑوں آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا وہ کس غلط فہمی کی بنا پر اور کس کی انگیخت پر ہوا تھا تو جو لوگ یوں بے گناہوں کو قتل و غارت کر سکتے ہیں انہیں جنگ لڑنے میں کیا باک تھا کہ یہ کہا جائے کہ فریقین غلط فہمی کا شکار ہوگئے تھے۔

اس سلسلہ میں جس مجہول شخصیت ابن سبا کو شبخون کا محرک قرار دیا جاتا ہے وہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری جورج جرداق اور دوسرے محققین کے نزدیک کوئی تاریخی وجود ہی نہیں رکھتا ورنہ جس شخصیت کا نام قتل عثمان اور جنگ جمل میں ایک مرکزی کردار کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اس کا نام صفین تحکیم اور جنگ نہروان کے موقع پر بھی سنائی دیتا اور ان موقعوں پر اس کا

Presented by www.ziyaraat.net/

فہرست مطالب

مضمون	صفحہ
امیر المومنین کا مدبرانہ سکوت	۳
قضیہ فدک	۷
حصول وملکیت فدک	۱۶
قبضہ فدک بوقت وفات رسولؐ	۱۹
حضرت ابو بکر کا معمولی طریقہ قضایا فیصلہ کرنے کا	۱۹
حضرت فاطمہؑ کی منزلت خدا، رسولؐ کے نزدیک	۲۴
اپنے رشتے داروں کا درد آنحضرتؐ کے دل میں	۲۵
مقدمہ فدک پر بحث	۲۸
خلاف عقل	۳۸
خلاف قرآن	۴۲
تکرار مضمون	۴۳
جمع قرآن	۴۹
تحریف واغلاط قرآن کے عقائد	۶۰
حالات حضرت ابو بکر	۶۴
خلافت دائمی کے واقعات	۷۱
حضرت عمر کا شجرہ نسب	۸۴
حضرت عمر کی اولاد	۸۵
جبل حضرت عمر	۸۶
حضرت عمر کی مرغوب غذا	۸۷
زمانہ قحط سالی میں حضرت عمر کا لباس	۸۸

مضمون	صفحہ
دعائے استغفار کی ہدایت	۸۸
نماز استسقا	۸۸
حضرت عباسؓ کا واسطہ	۸۹
عام الرمادہ میں حضرت عمر کا خطبہ	۹۰
باران رحمت	۹۱
اعراب کی واپسی	۹۱
صدقہ وزکوۃ میں رعایت	۹۱
مصنوعی ہجرت کی مخالفت	۹۲
حضرت عمر کے رنگ میں تغیر کی وجہ	۹۳
حضرت عمر کا حلیہ	۹۳
حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ	۹۴
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی امامت نماز	۹۵
حضرت عمر کا اظہار تشکر	۹۵
حضرت عمر کی حضرت عائشہ سے درخواست	۹۶
حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ	۹۶
حضرت عمر کی ادائیگی نماز	۹۷
حضرت کا قاتل کے متعلق استفسار	۹۷
طبیب کی طلبی	۹۸
قاتل حضرت عمر کی خودکشی	۹۹
حضرت عمر کا بدری صحابہ سے استفسار	۱۰۰

سیدہ سکینہ سلام اللہ علیہا

مضمون	صفحہ
صف سیدھی کرنے کی ہدایت	۱۰۰
حضرت عمر کے علاوہ مسلم زخمیوں کی تعداد	۱۰۱
حضرت عمر کے زخم کی حالت	۱۰۱
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا چھری کے متعلق بیان	۱۰۱
احساس ذمہ داری	۱۰۳
حضرت ام کلثوم کی گریہ وزاری	۱۰۴
طبیب کی رائے	۱۰۴
حضرت عمر کی اپنے فیصلہ کے متعلق وصیت	۱۰۵
حضرت عمر کی حضرت ابن عباس سے وصیت	۱۰۵
زخمی حالت میں نماز کی ادائیگی	۱۰۶
نماز کی تلقین	۱۰۶
خوف خلافت	۱۰۷
خنجر کی شناخت	۱۰۷
ہرمزان کے قتل کا واقعہ	۱۰۸
جضینہ اور دختر ابولؤلؤہ کا قتل	۱۰۸
عبید اللہ بن عمر اور عمرو بن العاص میں جھگڑا	۱۰۸
عبید اللہ بن عمر اور حضرت عثمان میں ہاتھاپائی	۱۰۹
عبید اللہ کی غضبناکی	۱۱۰
حضرت عمر کی حضرت حفصہ کو وصیت	۱۱۰
حضرت عمر کا وقف نامہ	۱۱۰
حضرت عمر کے قرض کی ادائیگی	۱۱۱
حضرت عمر کی تجہیز وتکفین کے متعلق وصیت	۱۱۲

مضمون	صفحہ
حضرت عمر کی حضرت عبید اللہ بن عمر کو وصیت	۱۱۲
امارت کے غلاموں کو آزادی	۱۱۳
عمال کے متعلق وصیت	۱۱۳
حضرت سعد بن وقاص کے متعلق وصیت	۱۱۳
حضرت عمر کی انکساری	۱۱۳
حضرت عمر کے آخری کلمات	۱۱۴
تجویز شوریٰ	۱۱۵
حضرت حفصہ کو خوبیاں بیان کرنے کی ممانعت	۱۱۵
مورخ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے	۱۱۷
شوریٰ وبیعت عثمان بن عفان کا حال	۱۲۲
حضرت عمر کا حضرت علیؑ کو مستحق خلافت سمجھنا	۱۳۱
سیرت شیخین کی پیروی کرنے کی شرط	۱۳۳
حضرت عمر کی خواہش	۱۳۴
حضرت عمر کا اپنے بیٹے عبد اللہ کو ثالث بنانا	۱۳۴
واقعات در زمانہ حضرت عثمان	۱۷۶
بنی امیہ کا عروج	۱۷۹
بلاد اسلامی میں عام ناراضی کے اسباب	۱۸۸
حضرت عثمان بن عفان	۱۹۹
آل عثمان	۱۹۹
قبول اسلام	۲۰۰
قبول اسلام پر حضرت عثمان پر جبر وتشدد	۲۰۰
حضرت عثمان کی ہجرت حبشہ	۲۰۰

Presented by www.ziyaraat.net/

مضمون	صفحہ
حضرت عثمان کا حضرت ابن عوف سے عقد مواخاۃ	۲۰۱
حضرت عثمان کا لباس	۲۰۲
حضرت عثمان بن عفان کی شہادت	۲۰۴
حضرت عثمان کیا چھوڑا کتنے دن زندہ رہے	۲۰۷
حضرت کا دفن	۲۰۸
رسولؐ کے اصحاب کا قتل عثمانی کا اعتراف	۲۰۹
شوریٰ بعد خلافت ثلاثہ	۲۱۴
خلافت حضرت علیؑ	۲۱۸
ملکی انتشار کی وجوہات	۲۳۴
عمال حکومت کی برطرفی اور اس کی وجوہ	۲۳۹
معاویہ ابن ابی سفیان	۲۴۷
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے	۲۴۹
عمرو ابن عاص	۲۵۶
عبداللہ ابن سعد	۲۵۹
ولید ابن عقبہ	۲۶۵
سعد ابن عاص	۲۶۷
قصاص خون عثمان	۲۷۲
جنگ جمل	۲۷۸

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے فضل اور معصومین علیہم السلام کی نوازش سے ہم نے اب تک فلسفہ توحید پر ۱۵، سیرت النبی پر ۳۰، انسائیکلوپیڈیا حضرت علیؑ پر ۴۵، مناقب اہلبیتؑ پر ۵، تاریخ اسلام پر ۸، جبکہ مسئلہ تحریف القرآن 'نورالہدیٰ' مقالات 'خیر البریہ' فرقہ پرستی 'تنقید بے جا' اور سفر آخرت پر ایک ایک جلد تالیف کی ہے، جن میں سے بحمد اللہ اب تک ساٹھ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ جبکہ بقیہ کتب کو زیور طباعت سے آراستہ کرانے کے لئے ہمیں آپ کے تعاون کی اشد ترین ضرورت ہے۔

۱۔ مراجع عظام کے اجازہ جات کے مطابق آپ اپنے ذمہ سہم امام کا تیسرا حصہ ہمارے ادارے کو عطا فرما سکتے ہیں۔

۲۔ آپ ایک ہزار یا پانچ سو روپے ماہانہ عطا فرما کر ہمارے ادارہ کے خصوصی معاون بن سکتے ہیں۔

۳۔ آپ ایک ہزار روپے سالانہ عطا فرما کر ہماری ۱۵ کتب حاصل فرما سکتے ہیں۔

۴۔ آپ پینتیس روپے ماہانہ عطا فرما کر ہر چار ماہ بعد گھر بیٹھے ہماری دو کتب وصول فرما سکتے ہیں۔

۵۔ آپ اپنے مرحومین کے ایصال ثواب یا تبلیغ دین کی خاطر ہماری ایک نئی جلد طبع کروا کر ہمارے خصوصی اعانت فرما سکتے ہیں۔

جملہ عطیات اکاؤنٹ نمبر ۹۔۱۷۵۵

HBL مرید وال ٹھوکر نیاز بیگ ملتان روڈ لاہور۔

درج ذیل ایڈریس پر ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

ملتمس

عزیز فاطمہ بیوہ شہید طالب حسین کرپالوی

اسلامیہ دار التبلیغ۔ ۲۰۲ علی ٹاؤن۔ رائیونڈ روڈ لاہور۔

Presented by www.ziyaraat.net/

فلسفہ توحید ۱۵ جلدیں

تالیف : مولانا طالب حسین کرپالوی

☆ جلد ۱ : ایمان باللہ ☆ جلد ۲۔ ۳ : ثبوت باری تعالیٰ ☆ جلد ۴ : توحید اور مذاہب عالم ☆ جلد ۵ : توحید اور فلسفہ ء قدیم ☆ جلد ۶ : توحید اور سائنسدان ☆ جلد ۷ : توحید اور جدید تقاضے ☆ جلد ۸ : توحید اور معترضین ☆ جلد ۹ : توحید اور دہریت ☆ جلد ۱۰ : قرآنی توحید ☆ جلد ۱۱ : صفات ثبوتیہ ☆ جلد ۱۲ : صفات سلبیہ ☆ جلد ۱۳ : فلسفہ شرک ☆ جلد ۱۴ : عدل الٰہی ☆ جلد ۱۵ : توحید اور آئمہ اہلبیتؑ

مسئلہ تحریف القرآن

تالیف : مولانا طالب حسین کرپالوی

اس کتاب میں ۱۳۲ عقلی دلائل، ۲۳۲ آیات قرآن، ۸۵ احادیث رسولؐ اور اہل سنت کی کتب سے ۲۵۲۰ حوالہ جات سے ثابت کیا گیا ہے کہ شیعیان حیدر کرارؑ کے نزدیک موجودہ قرآن کمی وبیشی سے مبرا ومنزہ ہے۔

اس کتاب میں میں مناظرین اہلسنت محدث اعظم شاہ عبدالعزیز دھلوی، احتشام الدین مراد آبادی، محمد عبدالشکور دین پوری، احسان الٰہی ظہیر، دوست محمد قریشی، عبدالستار تونسوی، کرم الدین و قاضی مظہر حسین چکوالوی، قمر الدین سالوی، اللہ یار چکڑالوی، محمد صدیق کرپالوی، مہر محمد میانوالوی، اور غلام رسول ناروالی کے ۱۳۲۱ اعتراضات کے تحقیقی جوابات دیئے گئے ہیں۔

ہدیہ فی جلد ۱۰۰

سبیل سکینہ سلام اللہ علیہا

Presented by www.ziyaraat.net/